

# مظلومہ ککریلا

یعنی سیرت جناب زینب سلام اللہ علیہا

سید محمد حسین جعفری

اشار

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان





۷۸۶  
۹۲-۱۱۰  
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD  
Version

# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad  
Sindh, Pakistan.

www.sabelesakina.page.tl  
sabelesakina@gmail.com

Presented by www.ziaraat.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL

سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْفِلُونَ

مظاہر مہکریلا

يعنى سيرة جناب زينب سلام اللہ علیہا

سید محمد حسین جعفری (بی۔ اے اکرم)

محفوظ ایک کھنسی مارٹن روڈ  
کر لے

فون: ۸۶۴۴۴۴





(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

تاریخ اشاعت ————— یکم محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

ناشر ————— محفوظ ملک حکیمی

مصنف ————— سید محمد حسین جعفری

کتبہ ————— جعفر زیدی

قیمت —————

مطبوعہ ————— سندھ آفسٹ پریس



# فہرست مضامین

نمبر شمار	نمبر شمار	صفحہ	صفحہ
۱	عرض ناشر	۲	۱۲
۲	مقدمہ	۲	
۳	باب ۱۔ اہم گرامی کیفیت والقب	۲۶	۱۵
۴	باب ۲۔ تاریخ ولادت جناب علیہ السلام	۳۷	۱۶
۵	باب ۳۔ تعلیم و تربیت	۴۱	
۶	باب ۴۔ جناب زینب اور امام حسین	۴۴	۱۷
۷	کی باہمی الفت و محبت کا حال		
۸	باب ۵۔ بیان تزویج جناب زینبؑ و اہل بیتؑ	۴۷	۱۸
۹	باب ۶۔ بیان فضائل حضرت جناب زینبؑ	۵۹	
۱۰	باب ۷۔ روایتی از مدینہ و حالات سفر	۷۸	۱۹
۱۱	باب ۸۔ روایات کے علاوہ شہادت	۸۶	۲۰
۱۲	امام حسینؑ		
۱۳	باب ۹۔ حالات و واقعات بعد	۱۰۶	۲۱
۱۴	شہادت امام حسینؑ		
۱۵	باب ۱۰۔ روایتی از کربلا بجانب کوفہ	۱۲۱	۲۲
۱۶	باب ۱۱۔ حالات سفر کوفہ اور واقعات	۱۳۳	
۱۷	کوفہ خطبہ جناب معصومہؑ		
۱۸	باب ۱۲۔ روایات متعلق سرافقہ جناب		
۱۹	امام حسین علیہ السلام		
۲۰	زیارت جناب زینبؑ مع ترجمہ	۲۳	۲۳
۲۱	باب ۱۳۔ حالات اور واقعات		
۲۲	باب ۱۴۔ ریائی اہل بیتؑ و روایتی بہ		
۲۳	مدینہ خطبہ جناب زینبؑ دربار یزیدیں		
۲۴	باب ۱۵۔ دمشق سے مدینہ کا سفر		
۲۵	اور حالات سفر		
۲۶	باب ۱۶۔ حالات جناب زینبؑ		
۲۷	بزمانہ قیام کربلا		
۲۸	باب ۱۷۔ حالات سفر از کربلا تا مدینہ		
۲۹	باب ۱۸۔ جناب زینبؑ و اہل بیتؑ کا		
۳۰	مدینہ پہنچنا اور حالات مدینہ		
۳۱	باب ۱۹۔ بیان وفات حضرت		
۳۲	صدیقہ مفری		
۳۳	باب ۲۰۔ روایات متعلق سرافقہ جناب		
۳۴	امام حسین علیہ السلام		
۳۵	باب ۲۱۔ حالات سفر کوفہ اور واقعات		
۳۶	کوفہ خطبہ جناب معصومہؑ		

# عرضِ ناشر

یہ امر ہمارے لئے باعثِ تشکر و امتنان ہے کہ تائیدِ یزدی کی بدولت ہم ایک ایسی اہم کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو آج سے تقریباً چالیس سال قبل منصبِ شہرہٴ جلوسہ گریو کر علماءِ عظام اور مومنینِ کرام سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ یہ اُس بطلہٴ کربلا، عقیدۃ القریش، عالمہٴ غیرِ معلمہ، شریکۃ الحسین جنابِ زینبؓ صلوٰۃ اللہ علیہا کی سیرت پر مشتمل مستند اور مبسوط کتاب ہے جس نے نچتین پاک کے غمِ مناکر "امۃ المصائب" کا لقب پایا۔ بچپن میں نانا اور ماں کا شفیق سایہ سر سے اٹھا۔ باپ کو مسجد کو فیروزہ زہر کو دتلوار سے شہید ہوتے دیکھا۔ بھائی حسنؓ کے جگر کے ٹکڑے طشت میں گرتے دیکھے نانا کا روضہ چھوٹا۔ وطن کو خیر آباد کہا حسینؓ مظلوم کے ساتھ ساتھ کربلا میں شریک ہو کر غم کو درد کی موجوں میں آگے بڑھایا۔ اعزہ و اقربا، اولاد اور بھائی کو شہید ہوتے دیکھا۔ خیام جلے دیا۔ بہ دیارِ رسن بستہ تشہیر ہوئیں۔ دربارِ یزدی میں خطبوں سے حقائق کو اجاگر کیا۔ زندان میں مقید ہوئیں۔ ان سب حالات و مصائب اور امتحانات میں ثابت قدمی، صبر و استقلال اور عظمت و جلال کا وہ عظیم الشان مظاہرہ کیا جو نبیِ مصلیٰ یا امام معصوم سے ہی ممکن ہے۔

یہ کتاب ان سارے واقعات کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو اس عظیم سنی نے اپنے حوصلہٴ جرات اور بے مثال قیادت سے تاریخ کے صفحات پر نقش کئے ہیں۔ مولف جناب سید محمد حسین جعفری علیہ السلام نے اردو زبان میں اتنی مستند اور جامع کتاب تالیف کی ہے کہ ان سارے گزر جانے کے باوجود اپنی گونا گوں



خصوصیات اور مفرد سیرائے اظہار کی وجہ سے آج بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔  
قابل مولف نے ہر واقعہ کے معنی عقلی و استدلالی بحث کر کے تمام حالات کو صحیح  
نایت کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر واقعہ کا تفصیلاً جائزہ لیا ہے جس کی وجہ سے  
ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ کتاب سیرت زینب (مظلومہ کربلا) جناب زینبؓ  
صلوٰۃ اللہ علیہا کی سوانح پر صحیح ترین اور مستند کتاب ہے (سورہ فاتحہ برائے سید محمد حسن  
جعفری مرحوم)

یہ کتاب جو ۱۹۲۵ء میں طبع ہوئی تھی "سیرت زینب" کے عنوان سے منظر عام پر آئی  
تھی مگر اس دوران چونکہ اس نام سے کئی مشہور کتب بازار میں آچکی ہیں۔ اس لئے  
ہم نے مجبوراً یہی مشورہ کیا کہ اس کتاب کا نام "مظلومہ کربلا" رکھا ہے اس کے علاوہ  
ان تمام کتب کے بارے میں جو آج تک سیرت جناب زینبؓ پر شائع ہو چکی ہیں اور ہمارے  
علم میں ہیں ان کی ہرست حسب ذیل ہے تاکہ ہمارے محترم قارئین اس بات سے بخوبی  
آگاہ ہو جائیں کہ اس سہی کے بارے میں کتنا کام ہو چکا ہے اور کن کن کی گرفتار تالیفات  
منظر عام پر آچکی ہیں۔

۱۔ السیدہ زینبؓ - از امیر ابو العباس احمد دین طوفان دمشق متوفی ۱۲۷۲ھ

۲۔ الرسالة الزینبیۃ - از شمس الدین ابو الخیری سخاوی مصری۔

۳۔ المجاہدہ الزینبیۃ فی السلاۃ الزینبیۃ - از علامہ جلال الدین سیوطی۔

۴۔ طراز المذہب مرزا عباس قلی۔

۵۔ خصائص زینبیۃ - سید نور الدین محمد جعفر بن عبد اللہ موسوی۔

۶۔ سلسلۃ الذہب فی فضائل حضرت زینبؓ - خان بہادر مظفر علی خاں صاحب  
رئیس جانشین مظفر نگہ۔

۷۔ کتاب الدر الفاخرہ شرح خطبہ زینبؓ الطاہرہ - آقا جمال الدین دین

شیخ البزرب شیرازی۔

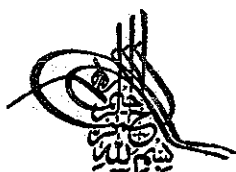
- ۸۔ تاریخ ام المصائب سیدنا زینبؓ۔ شیخ محمد بن ملا اسماعیل۔
- ۹۔ کتاب شرح خطبہ حضرت زینبؓ۔ مرزا حیدر علی خان سردار کلبلی۔
- ۱۰۔ شرح الخطبۃ الزینیہ۔ مولوی بادی بنالی۔
- ۱۱۔ السیدہ زینبؓ۔ محمد علی احمد مصری۔
- ۱۲۔ سیدہ زینبؓ۔ محمود بیلا دی مصری۔
- ۱۳۔ السیدہ زینبؓ۔ حسن قاسم مصری۔
- ۱۴۔ زینبؓ کبریٰ علامہ شیخ جعفر نقوی۔
- ۱۵۔ زینبؓ کربلا پر وفیسر آغا شہر صاحب ایم۔ اے۔
- ۱۶۔ سیدہ زینبؓ (انگریزی) محمد علی سالمین۔
- ۱۷۔ ثانی زہرا۔ صادق حسین۔ بی۔ اے۔
- ۱۸۔ بطلنہ کربلا (کربلا کی شیر دل خاتون) عائشہ بنت الشاطی مصری۔
- ۱۹۔ خاتون کربلا کا کردار۔ ہمتاب جعفر رضا۔
- ۲۰۔ خاتون کربلا۔ صالحہ عابد حسین (کتابچہ)۔
- ۲۱۔ صدیقہ صغریٰ۔ مولانا اسد علی الہ آبادی (کتابچہ)۔
- ۲۲۔ سیدہ کی بیٹی۔ رازق الخیری۔
- ۲۳۔ سیرت زینبؓ۔ سید احمد حسین ترمذی۔
- ۲۴۔ سوانح حضرت زینبؓ۔ علی جعفری (کتابچہ)۔
- ۲۵۔ سیرت زینبؓ شیعہ لاہور محرم نمبر ۱۳۸۷ھ۔
- ۲۶۔ سوانح حیات حضرت زینبؓ کبریٰ۔ آغا جہدی صاحب کراچی۔

- ۲۷۔ "سفر از" لکھنؤ زینب نمبر۔
- ۲۸۔ سیرت حضرت صدیقہ صغریٰ جناب زینبؓ ازید الہار حسینؓ کش گوپال پوری۔
- ۲۹۔ ترجمان کربلا زینب بنت علیؓ۔ مؤلف: ایوب نقوی
- ۳۰۔ زندگانی حضرت زینبؓ۔ آیت اللہ دست غیب
- ۳۱۔ نمونہ صبر جناب زینبؓ۔ تالیف: اکبر اسدی مہدی رضائی
- ۳۲۔ حضرت زینبؓ کبریٰ کے خطبے۔ از: علامہ سید ابن حسن نجفی
- ۳۳۔ حیات طیبہ حضرت زینب سلام اللہ۔ آیت اللہ دست غیب
- ۳۴۔ مظلومہ کربلا۔ سید عالم شاہ کاظمی
- ۳۵۔ زینبؓ زینبؓ ہے۔ از: مصادق

خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس پر غلوں کو شش کو شرف قبولیت  
بخشنے اور شہزادی زینبؓ ہماری شفاعت کی ضامن بن سکیں۔ میں تمام مومنین کو کرام  
سے مودبانہ درخواست کروں گا کہ وہ اس گراندہ پیش کش کے بارے میں اپنے  
تاثرات سے ضرور لوازیں۔ تاکہ توصلہ افزائی پر اسی طرح کی دیگر اہم تصانیف آپ  
تک پہنچا سکوں۔ آخر میں میں جناب سید رضارضوی اور سید قیصر حسین مشہدی  
صاحب کا انتہائی مشکور ہوں جن کی پر غلوں معاونت کی بناء پر اس کتاب کی  
اشاعت پایہ تکمیل تک پہنچی۔

اے۔ ایچ رضوی





## مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ  
الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ؕ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰہْلِ بَیْتِہِ  
الطَّیْبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الْمُعْصُوْمِیْنَ الْمُظْلُوْمِیْنَ ط

ایک عرصہ سے ہماری تمنا تھی کہ جناب صدیقہ صغریٰ زینب الکبریٰ علیہا السلام  
کی سوانح عمری لکھیں لیکن یہ کام آسان نہ تھا اور انسان بالبطع سہل پسند واقع ہوا  
ہے اس کی طبیعت مشکل کاموں سے بھاگتی ہے۔ ارادے متزلزل ہو جاتے ہیں۔ عزم  
باقی نہیں رہتا۔ یہی حال ہمارا ہوا کہ وہ کہہ کر خیال تو آتا تھا کہ اس کام کا بیڑا اٹھالیں  
لیکن ہر دفعہ مشکلات اور دشواریوں کا تصور بہت پرست کر دیتا تھا۔

پچھ ہے کہ کل شئی مرہون باوقات، یعنی ہر چیز اور ہر کام کے لیے  
ایک وقت ہوتا ہے۔ جب وقت آجاتا ہے تو منجانب اللہ خود بخود اس کی تکمیل  
کے اسباب فراہم ہو جاتے ہیں اور وہ کام ہو کر رہتا ہے۔

اسی سال ماہ محرم میں جب ہم کتاب "اقوال اہل بیت نبی مختار" در ترجمہ  
جلد اول بحار الانوار" کی تکمیل میں مصروف تھے تو ایک روز نواب سید علیان سلمہ

اللہ تعالیٰ جاگیردار سے جو ہمارے چچیرے بھائی ہیں اور اُمورِ دینی سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں ملاقات ہوئی اور اثنائِ گفتگو میں موصوفِ عزیز نے خواہش ظاہر کی کہ ہم اُردو میں جناب زینب علیہا السلام کی ایک جامع سوانحِ عمری لکھیں تاکہ اُردو والے حضرات و خواتین اس سے مستفید ہوں۔ پہلے سے دل میں خیال تو تھا ہی اُن کی تحریک نے تازیانہ کا کام کیا اور ہم نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ”بحار الانوار“ کے ترجمہ کی طباعت ختم ہوتے ہی جناب معصومہ کی سوانحِ عمری کی تالیف کا کام شروع کر دیں گے چنانچہ خدا کے فضل اور جناب مظلومہ کی تائید سے ایسا ہی ہوا۔

جناب زینب علیہا السلام کی سیرت و سوانحِ عمری کی تالیف کے لیے کافی معلومات حاصل کرنا مجھ جیسے نااہل کے لیے ضروری تھا۔ اس ضرورت کی بھی بڑی حد تک نواب سید علی خاں سلمہ نے اس طرح تکمیل کر دی کہ اُن کے ذاتی کتب خانہ میں جناب معصومہ کے متعلق جتنی کتابیں تھیں انہوں نے ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم نے بھی چند اور کتب فراہم کیے اور اُن کا مطالعہ کیا اور اُن سب کتابوں کی مدد سے اس کتاب کی تالیف عمل میں آئی۔

سنبیل سکیٹہ حیدرآباد لطیف آباد

حضرات اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے حالات اور سوانحِ عمری کی ایسی ترتیب و تالیف جو آج کل کے تاریخ و سیرت نویس کے اصول کے مطابق ہو بہت مشکل ہے۔

ان مقدس مہبتوں کے متعلق جو کچھ بھی معلومات ہم کو حاصل ہو سکتے ہیں ان کے تین ذرائع ہیں یعنی اسلامی تواریخ۔ کتبِ حدیث و اخبار اور کتبِ مقاتل۔

(۱) اسلامی تواریخ ابتداء میں اہل عرب نے اپنی زبان یعنی عربی میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخیں لکھیں اس کے بعد ایرانی مسلمانوں نے عربی اور

فارسی میں متقدمین کی کتب سے مواد حاصل کر کے تواریخ مرتب کیں۔

کہا جاتا ہے کہ تاریخ نویسی کی ابتداء بنی اُمیہ کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ ابتداءً جو تواریخ لکھی گئیں وہ دو قسم کی ہیں بعض تو احادیث اور روایات کا مجموعہ ہیں جن میں تاریخی واقعات کے متعلق جو کچھ راویوں نے بیان کیا لکھ لیا گیا چاہے وہ راوی کیسے ہی علم و قابلیت کے ہوں۔ بعض تواریخ قبائلِ عرب اور ان کے سرداروں کے قصے، کہانیوں اور کارِ گذاروں کا مجموعہ ہیں جو تاریخ سے زیادہ افسانوں کی شان رکھتے ہیں کچھ زمانے کے بعد محققین پیدا ہوئے جنہوں نے بڑی دلچسپی اور جانفشانی سے چند ایسی کتابیں لکھیں جو حقیقتاً تواریخ کہی جانے کی مستحق ہوئیں لیکن ان تواریخ کو بھی موجودہ اصول کے لحاظ سے جانچا جائے تو ناقص ثابت ہوتی ہیں۔

مشرطین اکلہ پروفیسر عربی جامعہ کیمبرج (المتوفی ۱۸۷۲ء) اپنی کتاب ”مشرطی آف سیاراسن“ کے مقدمہ میں عربوں کی لکھی ہوئی تواریخ کے متعلق کہتے ہیں :-

”عربوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے یونانی زبان سیکھی۔ یونانی ادب اور فلسفہ پر کافی عبور حاصل کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اگر یہ لوگ یونانی مؤرخین کی تصانیف و تالیفات کا اور ان کے تاریخ نویسی کے اصول کا بھی جلد و جہد اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتے تو آج ہم ایسے عربی مؤرخین پاتے جن کا شمار اچھے اور صحیح اصول پر تاریخ لکھنے والوں میں ہو سکتا تھا۔۔۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔“

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں :-

”میرے دل میں علومِ مشرقیہ کی اس قدر عزت و وقعت ہے کہ میں عربی مؤرخین کی مذمت کرنا نہیں چاہتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ انہوں نے تاریخ نویسی کا غلط طریقہ اختیار کر کے ہم کو اس مسرت اور فائدہ سے محروم کر دیا جو ہم کو



ان کی لکھی ہوئی تاریخوں سے حاصل ہو سکتا تھا۔ مورخ کے فرائض اور حدود کیا ہوتے ہیں انہوں نے کماحقہ نہ سمجھا اس لیے ان فرائض اور حدود کو نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں کے بعض مورخین نے اہم تاریخی واقعات کے ساتھ چھوٹی چھوٹی غیر اہم باتیں بکثرت بکھڑالیں۔ پھر بعض مورخین نے تاریخی واقعات کو بیان کرنے میں ایسی عبارت انگیزی اور انشاپردازی کی کہ ان کی تاریخیں اچھی خاصی ادق ادبی کتابیں ہو گئیں۔ انہوں نے تاریخی واقعات کی تحقیق و تنقید کے عوض اپنی ادبی مہارت و قابلیت اور زورِ قلم کا مظاہرہ کیا۔ بعض مورخین نے معمولی روزمرہ کے واقعات کو اپنی ادبی قابلیت کی وجہ سے قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا کہ بادی النظر میں وہ بڑے اہم تاریخی واقعات نظر آنے لگے۔ ان سب اسقام کی وجہ ہمارے لیے ان کی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کرنا اور ان سے صحیح تاریخی واقعات کا اخذ کرنا بہت مشکل ہو گیا۔“

پروفیسر آکلے عربی مورخین کی ایک خوبی بھی بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عربی مورخین کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ انہوں نے واقعات کو جیسا اپنے اسلاف یعنی آبا و اجداد سے سنا من و عن بلا کم و کاست ویسا ہی لکھ دیا۔ اس میں کسی قسم کی تصنع یا غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔

مشہور و معروف مورخ گبن بھی عربی مورخین کے متعلق وہی رائے رکھتے ہیں جو پروفیسر آکلے کی ہے اور تقریباً وہی بات کہی ہے جو پروفیسر صاحب ان سے بہت قبل کہہ گئے تھے۔ یہ لکھتے ہیں :-

”بعض عربی مورخین نے اپنی کتابوں میں صرف تاریخی واقعات یکے بعد دیگر خشک طریقہ پر بیان کر دیے ہیں جو کچھ انہوں نے اپنے بزرگوں سے سنا لکھ دیا۔ بعض مورخین نے تاریخی واقعات کی تحقیق و تنقید کو اہمیت دینے کے

عوض فصاحت و بلاغت سے کام لیا اور اپنی تواریخ کو ادبی کتابیں بنادیں تاکہ اپنی ادبی قابلیت کی داد لیں اور پڑھنے والوں سے خراج تحسین حاصل کریں۔ ہمالے اُستاد پروفیسر مارگولیت جو جامعہ آکسفورڈ میں ایک عرصہ تک عربی کے پروفیسر رہ چکے تھے اور جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، پروفیسر آکلے اور گبن کے ہم خیال تھے۔ اپنی کتاب ”محمد نزم“ میں لکھتے ہیں:-

”اگرچہ عرب کے بہترین مورخین بھی قابلیت اور عظمت میں یونان، روم اور بعد کے یورپین مورخین کے مقابلہ میں پست نظر آتے ہیں۔ برائیں ہم ان کی صاف گوئی اور واقعات کو اصلی رنگ میں بلا کسی قطع و برید کے بتا دینا قابلِ تعریف ہے۔“

مسٹر فلپ۔ کے۔ ہیٹی پروفیسر عربی جامعہ پرنسٹن امریکا نے اپنی تالیف ”تاریخ عرب“ میں عربی مورخین پر تبصرہ کیا ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”عرب کے فلسفہ اور طب میں یونانیوں کا اثر نمایاں ہے لیکن تاریخ نویسی میں انہوں نے ایرانیوں کا رنگ اختیار کیا۔ واقعات کو پیش کرنے کا وہی قدیم اسلامی حدیث نویسی کا طریقہ جاری رکھا یعنی ہر ایک واقعہ راویوں کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص سے سنا اور آخر راوی وہ ہوتا ہے جس نے واقعہ کو چشمِ خود دیکھا ہو اور وقوع واقعہ کے وقت موجود رہا ہو.... اس طریقہ کے اختیار کرنے کی وجہ عربی مورخین نے راویوں کے سلسلے اسناد اور دن و تاریخ واقعہ کی تحقیق و تفتیش کو تو بہت اہمیت دی لیکن اصل واقعہ کی تحقیق پر کہ آیا وہ ممکن الوقوع ہے یا جس طرح بیان کیا گیا ویسا ہی واقعہ ہوا ہوگا کوئی توجہ نہیں کی بلکہ جو کچھ راویوں نے کہہ دیا سمجھ دیا۔ ان مورخین نے اپنی عقل فہم اور قوت تمیزی سے کام لے کر واقعات کے متعلق تحقیق و تشریح و تنقید نہیں کی۔“

عرب کے مورخین کے متعلق مفرکے محققین کی جو آراء ہیں وہ ہماری رائے میں درست ہیں۔ ہم کو طبری حد تک اُن سے اتفاق ہے۔

عربی تواریخ کے بعد جب ہم فارسی تاریخوں پر نظر ڈالتے ہیں تو اور زیادہ مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔ ان میں واقعات تو عربی تواریخ سے لیے گئے ہیں لیکن اُن کے بیان کرنے میں اس قدر عبارت انگیزی اور انشا پر دازی کی گئی ہے کہ بعض فارسی تاریخوں نے داستان اور افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔

یہاں تک تو بحیثیت مجموعی اسلامی تواریخ کا حال بیان کیا گیا ان میں جب ہم آلِ محمدؐ۔ اہل بیتِ طاہرینؑ کے حالات اور واقعات کا تفصیل کرتے ہیں تو ہماری مشکلات میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اولاً تو اکثر مسلمان مورخین نے آلِ محمدؐ کے حالات اور واقعات لکھنے میں بخل سے کام لیا۔ تاریخوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مورخین نے زیادہ تر بادشاہوں کے حالات درج کیے جو حکمران تھے اور آلِ محمدؐ کے حالات اور واقعات زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ ضمناً ادھر ادھر کچھ لکھ دیا۔ ان بزرگواروں کے متعلق بعض اہم اور مشہور واقعات کا ذکر کیا بھی تو مجمل کیا اور کچھ کافی تحقیق و تفتیش کی زحمت گوارا نہیں کی مثلاً واقعہ کربلا کو پیش کیا جاتا ہے مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم اور اہم ترین واقعہ ہے لیکن اکابر مورخین نے اس واقعہ کو ضمناً اور اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آلِ محمدؐ کے متعلق مسلمان مورخین نے یہ طریقہ عمل کیوں اختیار کیا؟ اس کے بظاہر دو وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ اکثر مورخین کا تعلق ایسے مکتب خیال کے لوگوں سے تھا جو آلِ محمدؐ سے کوئی محبت نہ رکھتے تھے اور ان بزرگواروں سے اُن کو کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ جب کسی شخص سے



محبت اور تعلق نہ ہو تو کیوں اُس کے متعلق کچھ کہنے اور سمجھنے کی تکلیف و زحمت برداشت کرے گا۔

آلِ محمدؐ سے یہ بے اعتنائی، لاپرواہی اور بے تعلقی اس لیے ظہور پذیر ہوئی کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اسلامی دنیا میں جو انقلاب ہوا یعنی اسلام کی قیادت اُن کے گھر سے نکل کر دوسروں میں منتقل ہو گئی تو یہ ان مقدس ہستیوں کی تباہی اور ہلاکت کا باعث ہوئی۔ نہ صرف یہ بزرگوار بچے بعد دیگرے تلوار، زہر، قید، تنہائی کے ذریعہ صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے بلکہ صدیوں تک مسلسل اور منظم کوششیں کی گئیں کہ اُن کے حالات، اُن کے علوم، اُن کے فضائل اور مراتب بھی مٹا دیے جائیں اور لوگوں کے دلوں سے بھٹلا دیے جائیں پس ان تمام کاروائیوں کا نتیجہ وہی برآمد ہوا جو ناگزیر تھا کہ مسلمانوں میں سوائے چند با ایمان نفوس کے باقی سب ان بزرگواروں کے حالات، کمالات، فضائل و مراتب سے ناواقف ہو گئے اور یہ مورخین بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔

ثانیاً یہ کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اسلام کی یا مملکت اسلامی کی قیادت اور سرداری ایسے افراد کے سپرد ہوئی گئی جو آلِ محمدؐ کی عداوت و مخالفت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان قائدین اور حکمرانوں کو ایک دقیقہ کے لیے بھی گوارا نہ ہوتا تھا کہ کہیں آلِ محمدؐ کا نام بھی لیا جائے یا اُن کا ذکر خیر ہو۔ زمانہ کا یہ رنگ ہو گیا تھا کہ اگر کوئی صاحبِ ایمان ان بزرگواروں کا نام نیکی کے ساتھ لیتا یا اُن کے فضائل بیان کرتا تو اس کی سزا محبس اور تلوار ہوتی یعنی قید اور قتل کیا جاتا۔ اس شدید احتساب کی موجودگی میں ان مورخین کو جو پہلے سے ان مقدس ہستیوں سے کوئی خاص دلچسپی اور محبت نہیں رکھتے تھے کیا پڑی تھی کہ اپنی جان اور مال کو خطرہ میں ڈال کر اُن کے حقیقی حالات اور واقعات شرح و بسط

کے ساتھ لکھتے۔ بس اتنا ہی لکھا جتنا کہ حکومتِ وقت نے اجازت دی اور جس کا ترک ناگزیر تھا

باوجود اس احتساب اور روک تھام کے خدا نے کچھ ایسے افراد بھی پیدا فرما دیے جنہوں نے صاحبانِ اقتدار اور حکامِ وقت کے تعزیراتی احکام کو ٹھکرا دیا۔ اُن کی مطلق پرواہ نہ کی اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ان اولیاء اللہ، اوصیاء رسول اللہ کے حالات، کمالات اور فضائل دل کھول کر لکھ دیے لیکن افسوس کہ اُن کم کثر ملفوظات، تالیفات اور تصانیف ہم تک پہنچنے پائے۔ اُن میں اکثر کتب کو تو حکامِ جور نے باضابطہ اور منظم طور پر تلف کر دیے بعض لوگوں کے یہاں چند کتابیں جو بچ گئیں ان کو حکامِ جور کے خوف سے ان لوگوں نے اس طرح چھپایا اور مخفی کر دیا کہ یہ تلف اور غائب ہو گئیں۔ دنیا انھیں پھر نہ دیکھ سکی مثلاً جب ہم ابن ندیم (المتوفی ۳۸۵ ہجری) کی کتاب ”الفہرست“ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں ایسی متعدد کتب کے نام پاتے ہیں جو دوستان اور جاں نثارانِ اہل بیتؑ نے ان کے حالاتِ زندگی، فضائل و مصائب کے متعلق لکھے تھے۔ ان کتب میں سے دو مفید بھی باقی رہے مفقود و معدوم ہو گئے۔

المختصر اسلامی تواریخ سے اہل بیت علیہم السلام کے متعلق خاطر خواہ کافی اور صحیح معلومات ہم کو نہیں ملتے۔

## (۲) حدیث و اخبار

دوسرا ذریعہ معلومات کا حدیث و اخبار

ہیں لیکن ان کی حالت بھی قابلِ اطمینان نہیں۔ رسول اللہ کے زمانہ میں ہی سلمان جھوٹی حدیثیں بنانے اور شائع کرنے لگے تھے۔ چنانچہ جب اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو ہوئی تو آپ نے عتاب فرمایا اور ایسا کرنے سے لوگوں کو سختی کے ساتھ منع فرمایا۔

بحار الانوار جلد اول میں حدیث ہے :-

عن ابی جعفر الثانی فی مناظرہ مع یحییٰ بن اکثم انه قال قال رسول اللہ فی حجة الوداع قد کثرت علی الکذابة و استکثر من کذب علی معتمد اتبوء مقولہ من النار الخ (ترجمہ) یحییٰ بن اکثم سے مناظرہ کرتے ہوئے امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہ نے حجة الوداع میں فرمایا کہ میری طرف بہت سی جھوٹی حدیثیں منسوب کی جا رہی ہیں اور کثرت سے کی جا رہی ہیں جو شخص میرے متعلق عہد جھوٹ کہے گا (یعنی جھوٹی حدیثیں بیان کرے گا) اس کا مقام جہنم ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے امیر المومنین علی علیہ السلام کی ایک کتاب میں دیکھا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے متعلق ایسی ہی جھوٹی باتیں کہی جائیں گی جیسی کہ انبیاء ماسبق کے متعلق کہی گئیں۔

رسول اللہ کی وفات کے بعد جھوٹی اور موضوعہ حدیثوں کا سلسلہ اس شدت سے جاری ہوا کہ اس کے السداد کے لیے سخت کارروائی کرنی پڑی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ابو ہریرہؓ کو درّے لگائے۔

خلفاء راشدین کے بعد جب حکومت خاندان بنی امیہ میں منتقل ہوئی تو ان حکمرانوں نے جھوٹی حدیثیں وضع کرانے کا سلسلہ قائم کیا جس کے بانی امیر معاویہ تھے۔ انہوں نے رقم کثیر صرف کر کے حضرات شیخین اور اپنے فضائل میں اور جناب امیر علیہ السلام اور اہل بیت کی منقصدت میں جو احادیث بنوائیں اس کے ذکر سے توارج اور کتب حدیث و اخبار بھری پڑی ہیں۔ ہم نے کتاب "اقوال اہل بیت نبی ختمار در ترجمہ جلد اول بحار الانوار" کے مقدمہ میں شرح و بسط کے ساتھ اس حدیث

سازی کا ذکر کیا ہے۔ ان جھوٹی حدیثوں کا سلسلہ بنی اُمیہ پر ختم نہیں ہوا بلکہ بنی عباس کے دورِ حکومت میں بھی قائم رہا۔

پروفیسر فلپ ہیٹی "تاریخِ عرب" میں لکھتے ہیں :-

» مسلمان عربوں کے دو فریق میں جب کبھی کوئی مذہبی، سیاسی یا سماجی نزاع واقع ہوتی تھی تو ہر ایک فریق اپنی تائید میں رسول اللہ کی حدیثیں پیش کرتا تھا چاہے وہ حدیثیں صحیح ہوں یا موضوعہ اور جھوٹی۔ علیؑ اور ابو بکرؓ کی سیاسی مخالفت، علیؑ اور معاویہ کا جھگڑا، بنی عباس اور بنی اُمیہ کی باہمی عداوت متعدد جھوٹی حدیثوں کے بننے کا باعث ہوئی۔ اس کے علاوہ علماء کی کثیر تعداد کے لیے یہ دولت کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا تھا۔«

اس حدیث سازی کے وبائی مرض کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام دنیائے اسلام کے علماء اس سے متاثر ہو گئے اور ان جھوٹی اور موضوعہ حدیثوں کو اکثر علماء نے تو عداۃ حکام وقت کی خوشنودی کی خاطر اور بعض نے نادانستہ طور پر اپنی کتابوں میں شریک کر لیا اور اس کثرت سے شریک کیا کہ بعد میں ان کے متعلق بعض محققین کو بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھنی پڑیں۔ اس کے باوجود بعض معتبر اور مستند کتب احادیث مثلاً صحاح ستہ وغیرہ میں یہ جھوٹی اور موضوعہ حدیثیں رہ گئیں اور اب تک موجود ہیں۔ کتبِ شیعہ بھی ان سے محفوظ نہیں رہیں ان کی کتب احادیث و اخبار میں بعض ایسی حدیثیں نظر آتی ہیں جن سے بادی النظر میں محمدؐ و آلِ محمدؑ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے لیکن ذرا غور و فکر کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ دراصل ان سے ان بزرگواروں کی منقصت اور توہین ہوتی ہے۔ یہ حدیثیں بڑی چالاکی اور کمکاری کے ساتھ موضوع کی گئی تھیں بعض بھولے اور کم عقل شیعہ علماء نے ان کو مفید مطلب سمجھ کر اپنی کتب میں شریک کر لیا۔

یہاں تک تو حدیثوں کی وضع اور ترتیب کا حال بیان کیا گیا اب راویانِ حدیث کے حالات بھی قابلِ غور ہیں۔

معتبر و مستند کتبِ احادیث مثلاً صحاح ستہ وغیرہ میں جو احادیث درج ہیں ان کے راویوں کی یہ کیفیت ہے کہ ان میں ہمہ قسم کے لوگ، عالم، جاہل، عابد، زاہد، متقی، پرہیزگار، فاسق و فاجر، صادق و کاذب، مدلس، ناصبی و خارجی، قاتلانِ حسین مثلاً حصین ابنِ نمیر اور شمر ذی الجوشن سب ہی شامل ہیں۔ ان معتبر و مستند کتبِ احادیث کے روات کے حالات کا جب کتبِ رجال اور تاریخوں سے پتہ چلایا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض راویوں کے عاداتِ اخلاق چال و چلن بہت ہی خراب، پست اور ناگفتہ بہ تھے۔ تعجب ہوتا ہے کہ علماء اور جامعینِ احادیث نے ایسے لوگوں کی روایتوں کو کیوں قبول کیا اور اپنی کتب میں انہیں جگہ دی۔!

ہماری کتبِ احادیث و اخبار میں خود آنحضرتؐ کے متعلق ایسی لغو اور بے سرو پا باتیں موجود ہیں کہ جن سے آنحضرتؐ کی توہین اور منقصت ہوتی ہے اور جن کی وجہ سے یورپ اور امریکا کے مورخین اور مصنفین کو رسول اللہ پر سخت حملے کرنے کا موقع ملا۔

”از ماست کہ بر ماست“

(۳) **مقاتل** تیسرا ذریعہ معلوماتِ مقاتل ہیں۔ ان کا چونکہ زیادہ تر تعلق واقعہ کربلا سے ہے اس لیے ان کے ذریعہ ہم کو واقعہ کربلا کے متعلق معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں ضمناً اہلِ بیتؑ کا ذکر آجاتا ہے۔

جناب زینبؑ کے متعلق جو کچھ واقعات معلوم ہوئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر

ان ہی مقابلے اخذ کیے گئے ہیں مقابل میں روایات کا اس قدر اختلاف ہے کہ ان سے صحیح واقعہ کا پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے۔

بہر حال آلِ محمد علیہم السلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے میں بے مشکلات و دشواریاں ہوتی ہیں۔ خاندانِ نبوت کے مردوں کے حالات تو پھر بھی کتب میں مل جاتے ہیں لیکن مخدّرات کے حالات زندگی کی طرف چونکہ مؤرخین اور صاحبانِ اخبار و حدیث نے کافی توجہ نہیں کی اس لیے ان کے حالات بہت کم ملتے ہیں اور جب ہم ان کے حالات اور واقعاتِ زندگی جمع کرنا چاہتے ہیں تو ہماری مشکلات مزید بڑھ جاتی ہیں جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کے متعلق ہماری عدم علم تک ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ متقدمین یا متأخرین میں سے کسی نے کوئی مستقل علیحدہ تصنیف یا تالیف نہیں کی البتہ متقدمین کی کتب تاریخ و اخبار میں آپ کے چیدہ چیدہ حالات پائے جاتے ہیں۔ باوجود تجسّس و تفحص کے ہم کو آپ کی کسی عربی سوانح عمری کا پتہ نہ چلا۔ صاحبِ "طراز المذہب" بھی اس مسئلے میں ہمارے ہم خیال ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

"پیچ یک از علمائے احادیث و اخبار و تاریخ و آثار کتانی مخصوص در جاری حال و وقائع ایام سعادت اشتغال حضرت ولیدۃ اللہ العظمیٰ ناموس کبریٰ محبوبہ مصطفیٰ محبوبہ خاندان علی المرتضیٰ پارہ جگر فاطمۃ الزہراء شفیقہ حسن مجتبیٰ و حسین سید الشہداء عالمہ غیر معلّمہ فہیمہ غیر مفہمہ۔ فاضلہ کاملہ۔ عاقلہ۔ زاہدہ۔ عابدہ۔ محدثہ۔ منطلوہ۔ مرضیہ۔ نامیہ سیدۃ النساء الراضیہ بالقدر و القضا۔ حجاب ام الحسن زینب الکبریٰ صلوٰۃ اللہ علیہا و علیہم مقرر و مبسوط و مشحون و مضبوط نہ داشتہ۔"

گزشتہ چالیس پچاس سال کے اندر فارسی وارد میں جناب زینب کی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں جن میں سے ہم کو حسب ذیل کتب دستیاب ہوئیں:-

(۱) "طراز المذہب" تالیف میرزا عباس قلی خان (فارسی)

(۲) "خصائص زینبیہ" تالیف السید نور الدین بن آقا سید محمد جعفر (فارسی)

(۳) "سلسلۃ الذہب فی فضائل حضرت زینب" تالیف خان بہادر

سید محمد مظفر علی خان رئیس جالندھر (ضلع مظفرنگر یوپی)

(۴) "سیرت حضرت صدیقہ صغریٰ جناب زینب المعروفہ بمطلوئہ کر بلا"

تالیف سید اظہار حسین عرش گوپال پوری۔

(۵) "سیرت زینب" تالیف سید احمد حسین ترمذی

(۶) "سیدہ کی بیٹی" تالیف رازق الخیری ابن راشد الخیری۔

(۱) "طراز المذہب" جو فارسی میں لکھی گئی جناب زینب کی

سب سے زیادہ متوسط سوانح عمری ہے۔ اتنی تفصیل کے ساتھ آپ کے متعلق

نہ اس سے پہلے کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ بعد۔ اس کتاب کے مؤلف میرزا

عباس قلی خان مرحوم و مغفور فرزند صاحب ناسخ التواریخ ہیں جن کا مطالعہ

کثیر اور علم وسیع تھا۔ اس کتاب کی تالیف میں مرحوم نے حقیقتاً بڑی محنت

اٹھائی اور جدوجہد کی ہوگی۔ جناب معصومہ کے متعلق جو کچھ معلومات مختلف

کتب سے انہیں حاصل ہوئے وہ سب اس کتاب میں جمع فرمادیے ہیں۔

چنانچہ کتاب کے دیباچہ میں خود تحریر فرماتے ہیں:-

"بہ تحریر این کتاب مستطاب مشغول گردیدہ و بر سر صد

محید کتب مختلفہ احادیث و تواریخ نظر برگذاشته

بر حسب بضاعت و استطاعت و مراعات شرائط

تحقیقات شافیہ و تدقیقات وافیہ کہ براہِ اہل خبر و بصیرت

معلوم و مشہور است اس خدمت را یا انجام رسانید

ہماری رائے میں ”طراز المذہب“ سے بہتر اور مفصل جناب زینب علیہا السلام کے متعلق اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس تالیف سے مولف مرحوم نے اہل بیتؑ کی بڑی خدمت کی اور ایک بڑی کمی کو پورا کیا خدا ان کے درجات عالی فرمائے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ طہران میں طبع ہوئی اس کے بعد دوسری دفعہ زیرنگرانی محمد جعفر مولانا اور محمد حسین لاری مطبع مصطفوی بمبئی میں ٹائپ میں چھپی سن طبع است ۱۳۲۲ ہجری ہے۔ کتاب کا حجم ۲۶۰ صفحے اب یہ کتاب کیا ہے۔

پہلے ہمارا خیال ہوا کہ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر دیں لیکن کتاب کے مطالعہ کے بعد دو وجوہ سے رائے بدل دینی پڑی۔ وجہ اول یہ کہ اس کتاب میں بعض غیر متعلق امور پر طولانی بحث کی گئی ہے مثلاً روح اور نفس کے متعلق کہ روح کیا ہے نفس کی حقیقت کیا ہے۔ اس کے بیان میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحے صرف کیے گئے ہیں۔ یہ بحث ایسی ہے کہ جس سے عام ناظرین کو نہ دلچسپی ہو سکتی اور نہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے فلسفہ، الہیات اور علم کلام کے کافی استعداد کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کتاب کا ترجمہ کرتے تو لازماً اس حصہ کو بھی شامل کرنا پڑتا۔

وجہ دوم یہ کہ ایک ہی قسم کی روایات کا مختلف ابواب میں اکثر اعادہ کیا گیا ہے جن کا محوزوں اور مناسب مقام پر ایک دفعہ لکھ دینا کافی تھا۔ اس تکرار اور اعادہ کی وجہ کتاب کا حجم زیادہ ہو گیا اور سہ سلسلہ بیان درست نہیں ہے۔ حالات اور واقعات کچھ اس طرح آگے پیچھے بیان کیے گئے ہیں کہ کتاب کے پڑھنے میں دقت ہوتی ہے پس یہی دو وجوہ تھے جو کتاب کا ترجمہ کرنے سے ہمیں باز رکھے اور ہم نے تہیہ کر لیا کہ اس کتاب کو اپنا ماخذِ اصلی قرار دے کر جناب زینبؑ کی سوانح عمری مرتب کر دیں چنانچہ



ایسا ہی کیا۔

۲۔ ”خصائص زینبیہ“ : یہ البید نور الدین بن آقا سید محمد جعفر صاحب

کی تصنیف ہے جو فارسی میں لکھی گئی ہے۔

۱۳۴۱ھ ہجری میں مطبع مرتضویہ نجف اشرف میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب ایک خاص

نوعیت کی ہے۔ اس میں زیادہ تر جناب زینب علیہا السلام کے خصائص سے

بحث کی گئی ہے حالات اور واقعات زندگی ضمتاً بیان کیے گئے ہیں۔ قابل

مؤلف نے اس کتاب کی تصنیف میں بڑی جدوجہد کی ہے اور لطیف نکات اور

مضامین جمع کیے ہیں۔

### ۳۔ ”سلسلہ الذرب فی فضائل حضرت زینب“

یہ خان بہادر سید محمد مظفر علی خان صاحب رئیس جالسہ طلعہ مظفرنگر

کی لکھی ہوئی ہے۔ جو اردو میں ہے اور ۱۹۲۷ء نو لکھنؤ پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی۔

ہمارے خیال میں یہ تالیف نہیں ہے بلکہ اس کو ”خصائص زینبیہ“ کا ترجمہ کہا

جائے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ کتاب ”خصائص زینبیہ“ پڑھ لینے کے بعد جب ہم اس

کتاب کا مطالعہ کیا تو اسے بالکل ”خصائص زینبیہ“ کا ترجمہ پایا۔

### ۴۔ ”سیرت حضرت صدیقہ جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا

المعروف بہ مظلومہ کربلا“

اس کے مؤلف سید اظہار حسین صاحب عرش گوپال پوری ہیں۔ یہ

اردو میں لکھی گئی ہے اور نظامی پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کا ماخذ بالکلیہ

”طراز اللذہب“ ہے۔ ”مؤلف نے ”طراز اللذہب“ کے ہر ایک باب سے چند روایات

لے کر اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اس کتاب کے متعلق اگر یہ کہا جائے تو غیر صحیح نہ ہوگا کہ یہ ”طراز المذہب“ کے خلاصہ کا ترجمہ ہے۔

۵۔ ”سیرت زینب“ اس کے مؤلف سید احمد حسین صاحب ترمذی ہیں۔ یہ مختصر کتاب ۹۲ صفحے کی چھوٹی طبعیت پر ہے اور گیلانی پریس لاہور میں طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ماخذ بھی ”طراز المذہب“ ہے اس سے روایتیں لی گئی ہیں اور اختصار کے ساتھ آسان اردو میں لکھ دی گئی ہیں۔ کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن بچوں اور مبتدیوں کے لیے بے حد مفید ہے۔

۶۔ ”سیدہ کی پٹی“ یہ رازق الخیری صاحب فرزند راشد الخیری صاحب کی اردو تصنیف ہے جو ۱۹۴۴ء میں طبع ہوئی اور عصمت بک ڈپو سے حاصل کی جاسکتی ہے مصنف نے دیباچہ میں وجہ تصنیف یہ بیان کی ہے کہ ان کے والد علامہ راشد الخیری کتاب ”سیدہ کالال“ (امام حسین علیہ السلام کی سوانح عمری) لکھنے کے بعد جناب زینب کے حالات قلمبند کرنا چاہتے تھے لیکن انتقال ہو گیا اور مصنف یعنی رازق الخیری نے اپنے والد مرحوم کی دلی خواہش کو پورا کر دینے کی خاطر یہ کتاب لکھی۔ اس کتاب میں جناب زینب کے بزرگوں کے اور دوسرے خاندانی حالات کے بیان میں ضرورت سے زیادہ طول دیا گیا ہے۔ حضرت آدم سے سلسلہ شروع کیا گیا اور آنحضرت پر ختم کیا گیا۔ روز عاشورا کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے جس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

بعض ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جو ضعیف یا موضوعہ روایات پر مبنی ہیں اور بحث طلب ہیں مثلاً جناب فاطمہ الزہرا کا حضرت علی سے ناراض ہو جانا اور آنحضرت سے حضرت علی کی شکایت کرنا۔ حضرت علی کا جناب فاطمہ الزہرا کے حین حیات

عقدِ ثانی کرنے کا قصد ظاہر کرنا اور اس پر رسول اللہ کا اظہارِ خشکی کرنا۔  
 یہ باتیں خلافتِ واقعہ ہیں۔ حضرت علیؑ سے جو جناب فاطمہ الزہراءؑ کے مراتب و  
 مدارج سے اسی طرح واقف تھے جیسا کہ رسول اللہؐ یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ آپؐ جناب  
 معصومہ کو ایک دقیقہ کے لیے بھی شکایت کا موقع دیتے یا یہ کہ آپؐ کی زندگی میں عقدِ  
 ثانی کا خیال بھی آپؐ کے وہم و گمان میں آتا۔  
 بعض مندرجہ واقعات مجمل اور مبہم ہیں۔

مثلاً صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں :-

”سانہ ہجری میں حضرت عمر فاروق خلیفہ دوم صحابہ کرام  
 کے وظائف مقرر فرمائے تو حضراتِ حسنینؑ کو اصحابِ بدر  
 میں شامل کر کے ان کے وظائف پانچ پانچ ہزار درہم مقرر  
 کیے اور حضرت علیؑ کو بھی اتنا ہی وظیفہ ملا۔ ان وظائف نے  
 گھر کی حالت کو بدل دیا جو عسرتِ سیدۃ النساء کی زندگی میں  
 تھی وہ دور ہوئی۔ اب شیر خدا کے گھر میں خوش حالی نظر  
 آنے لگی۔“

ہماری تحقیق تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ شیر خدا کے گھر میں ہمیشہ تنگ حالی اور  
 فقر و فاقہ ہی رہا۔ اس لیے نہیں کہ آپؐ فقیر و محتاج تھے بلکہ اس لیے کہ جو کچھ مال  
 دنیا سے آپؐ کے پاس آجاتا تھا وہ راہِ خدا میں صرف کر دیتے تھے اپنی ذات پر خرچ  
 نہیں کرتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام کا خلافتِ ظاہری کے زمانہ میں بھی وہی حال رہا  
 جو سیدۃ النساء کی زندگی میں تھا۔

حضرت علیؑ کو اور ان کی اولاد یعنی ائمہ معصومینؑ کو جو روپیہ ملتا تھا وہ ان کے  
 سامانِ راحت و عیش و آرام پر صرف نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ فقراء، مساکین اور مستحقین پر

تقسیم کر دیا جاتا تھا اور یہ خود نانِ جو میں پرکتفا کرتے تھے۔ چنانچہ تاریخ الفری میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک دفعہ فرمایا: وَلَوْ شِئْتُ لَاهْتَدِيتَ اِلٰی مَصْصِفٰی هٰذَا الْعَسَلِ بَلْبَابِ هٰذَا الْبَرِّ یعنی اگر میں چاہوں تو عمدہ روٹی کے ساتھ صاف شہد کھاؤں۔ اس قول کے نقل کرنے کے بعد مورخ مذکور کہتے ہیں کہ یہ لوگ جو زہد و تقویٰ اختیار کرتے تھے اس کا سبب ان کا فقر و فاقہ نہ تھا بلکہ مسکینوں اور فقیروں کی ہمدردی تھی اور کہ نفسِ مدّ نظر تھا ورنہ ان کا ہر ایک فرد کچھ مال و دولت بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی چند زمینیں تھیں جن کی کافی آمدنی وصول ہوتی تھی لیکن یہ سب آپؑ فقر اور ضعف پر خرچ کر دیتے تھے اور آپؑ کے اہل و عیال جو کہ روٹیوں اور موٹے کپڑوں پر قناعت کرتے تھے۔ (الفری صفحہ ۱۷ مطبوعہ مصر)

(۳) صفحہ ۵۸ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا ذکر کیا ہے اور لکھتے ہیں:

” حضرت عثمانؓ کو بھی انہوں نے کھری کھری سنائی

اور ایک گاؤں میں چلے گئے۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے خلیفہ وقت سے گستاخی کی اور خود ہی خفا ہو کر اپنی خوشی سے کسی گاؤں کو چلے گئے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے تواریخ اور کتب اخبار میں تو حضرت ابوذرؓ کے حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ آپؓ مثل حضرت سلمانؓ کے رسول اللہؐ کے عزیز ترین صحابی تھے اور رسول اللہؐ نے آپؓ کے متعلق فرمایا۔ ”یا اباذر انک من اهل البيت یعنی اے ابوذر تم ہمارے اہل بیت سے ہو۔“ (عین الحیوة)

علامہ عبد الرب اور صاحب ”اسد الغابہ فی معرفتہ صحابہ“ لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ”ابوذر میری امت میں زید عیسیٰ ابن مریم رکھتے ہیں۔“

حضرت ابوذرؓ آنحضرتؐ کی زندگی میں اور آپؐ کے بعد کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کبھی چوکتے نہ تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان کی اور ان کے مشیرانِ خاص کی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کو دیکھ کر حضرت ابوذرؓ ان کو متنبہ کرنے لگے اور یہ چیز حضرت عثمانؓ کی ناراضی کا باعث ہوئی اور انہوں نے ان (ابوذر) کو امیر معاویہ کے پاس شام بھیجا دیا۔ حضرت ابوذرؓ شام میں پہنچے تو امیر معاویہ کا ظلم و تشدد صحابہ کبار کے ساتھ بدسلوکی بیت المال کی رقم کا سبب تصرف، حکیم خدا و رسولؐ کی مخالفت دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور یہاں بھی پسند و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت ابوذرؓ کی رات گونی امیر معاویہ کو ناگوار گزرنے لگی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس ابوذرؓ کی شکایت بھیجی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کا جواب یہ دیا: ”اما بعد فاحمل جذباً علی غلظ مرکب و اوعده فوجہ بہ مع من یسیر بہ اللیل والنہار“

(اما بعد جذب (ابوذر) کو ایک بُرے اور بد رفتار ادنیٰ پر ٹھاکر اور ایسے شخص کے ساتھ دے کر جو ادنیٰ کو رات اور دن چلائے میرے پاس بھیج دے) ابوذر اسی طرح مدینہ بھیجے گئے اس وقت یہ ضعیف اور نحیف ہو گئے تھے۔ ادنیٰ پر محمل یا کجاوہ نہ ہونے اور تیز رفتاری کی وجہ سے ان کی رالوں کا گوشت نکل گیا۔ مورخ کے الفاظ یہ ہیں: ”وقد سقط لحمہ فخذہ من المجھد“

جب حضرت ابوذرؓ مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیے گئے تو انہوں نے کہا کہ ابوذرؓ تم اب مدینہ میں نہیں رہ سکتے کہو تمہیں کہاں بھیج دیا جائے۔ ابوذرؓ نے کہا مکہ بھیج دو۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا نہیں اور کوئی قلم

بتاؤ۔ ابوذرؓ نے کہا بیت المقدس بھیج دو حضرت عثمانؓ نے یہ بھی منظور نہیں کیا تو حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ کسی بڑے شہر کو بھیج دو خلیفہؓ نے اس کو نامنظور کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تم کو ریزہ بھجوں گا اور ایسا ہی کیا۔

ریزہ ایک چھوٹا خشک اور چٹیل قریہ تھا جہاں نہ کھیت باڑی ہوتی تھی اور نہ سبزی تھی۔ یہ ایک بدترین مقام سمجھا جاتا تھا بعض مؤرخین لکھتے ہیں سیرہ الی الریزہ ولفاء و قبل ان یرضربہا یعنی حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو ریزہ بھیج دیا اور جلاوطن کر دیا اور بروایت زردوکوب بھی کی۔

حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی، تنگدستی، فقر و فاقہ کی زندگی اور غربت کی توبہ کی داستان بہت دروناک ہے۔

الغرض یہ حقیقی واقعات تھے حضرت ابوذرؓ کے جن کے متعلق "سیرہ کی ٹی" کے مصنف صاحب نے ایک سطر لکھ کر ٹال دیا اور ظاہر کیا کہ حضرت ابوذرؓ خود ایک گاؤں کو چلے گئے۔

(۴) صفحہ ۷۷ سے ۸۸ تک بعض ایسے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو بحث طلب ہیں مثلاً واقعہ قطاس۔ بوقت انتقال آنحضرتؐ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کے گود میں تھا یا حضرت علیؓ کے۔ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین کے حالات۔ قضیہ ذک۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی تعلقات وغیرہ۔ ہمارے خیال میں ان قضیوں کا اصل کتاب سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ان کے بیان کی ضرورت تھی اگر یہ نظر انداز کر دیے جاتے تو مناسب تھا۔ ہم ان واقعات پر جو مؤلف صاحب نے مذہب اور مبہم طور پر بیان کر دیے ہیں روشنی ڈال سکتے تھے اور تاریخ۔ کتب حدیث و اخبار کے ذریعہ اصلی واقعات کو بے نقاب کر کے دکھا سکتے تھے لیکن اس اندیشہ سے کہ مقدمہ طویل ہو جائے گا قلم روک لیتے ہیں۔

(۵) صفحہ ۵۲ پر تحریر کرتے ہیں کہ جناب زینبؑ کا کوئی مرثیہ انتہائی جستجو کے بعد بھی انہیں دستیاب نہیں ہوا۔ مولانا نے اپنی اس کتاب میں بعض جگہ ”طراز المذہب“ کا حوالہ دیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پوری کتاب کا مطالعہ نہیں فرمایا۔ ”طراز المذہب“ مطبوعہ مطبع مصطفوی ممبئی کے صفحہ ۴۰۲ پر جناب زینبؑ کا منظوم مرثیہ ہے جو مترہ اشعار کا ہے۔ صاحب ”طراز المذہب“ نے اس کا فارسی ترجمہ کر دیا ہے اور اس پر شرح بھی لکھی ہے۔ یہ مرثیہ بحار الانوار سے لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ طراز المذہب میں متعدد مقامات پر جناب زینبؑ کے متعدد اشعار درج ہیں جو آپ نے مختلف موقعوں پر بطور مرثیہ ارشاد فرمائے ہیں۔

ان چند امور متذکرہ بالا کے قطع نظر بحیثیت مجموعی مولانا رازق الخیری کی کتاب اردو میں بہترین تصنیف ہے۔ جناب زینبؑ کے حالات زندگی بڑی شرحِ بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور فضائل و مناقب اس خوبی سے لکھے گئے ہیں کہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہم نے بھی اس کتاب سے کافی استفادہ کیا ہے۔ خدا مولانا کو جزائے حیرت دے کہ انہوں نے اس کتاب کی تصنیف سے اہل بیتؑ کی بڑی خدمت انجام دی۔ ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ہماری تالیف کی خصوصیات یہ ہیں کہ ہم نے ”طراز المذہب“ کو اپنا ماخذ اصلی قرار دیا ہے۔ جتنی روایات درج کی گئی ہیں تقریباً وہ سب اسی کتاب سے لی گئی ہیں۔ صاحب طراز المذہب کی تنقید اور شرح سے فائدہ اٹھایا گیا ہے جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی روایات کی صحت اور ضعف کے متعلق مزید بحث کی ہے۔ بعض مقامات پر تاریخی اشارات و کنایات کو واضح کر دیا ہے۔ ابواب کی ترتیب سلسلہ کے ساتھ کر دی ہے تاکہ جناب مظلومہ کے حالات کے مطالعہ

میں ناظرین کو سہولت ہو اور ایک تسلسل قائم رہے۔ چند واقعات دوسری کتب سے بھی لیے اور شریک کیے ہیں۔ ہم صدق دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اگر کتاب ”طراز المذہب“ ہمارے پاس نہ ہوتی تو ہم اپنی کتاب کی تالیف سے شائد قاصر ہی رہتے۔

ڈاکٹر زاہد علی صاحب پروفیسر عربی و وائس پرنسپل نظام کالج کے ہم لے حد مشکور ہیں کہ صاحب موصوف نے کتاب کا مسودہ ملاحظہ فرمایا اور مفید مشورے دیے۔ ہماری دلی آرزو ہے کہ یہ تالیف بارگاہ ذہنیہ میں قبول ہو اور ہمارے لیے زادِ آخرت کا کام دے۔

تالیفِ ہذا اگر ناظرین کے پسندِ خاطر ہو تو مؤلف کے لیے دعا خیر فرمائیں۔  
 اٰخِرُ دَعْوَانَا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ  
 السَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ  
 الطَّاهِرِیْنَ ط

المرقوم ، رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ ہجری  
 ۱۳ اگست ۱۹۴۵ء عیسوی

سید محمد حسین جعفری

جوہلی ہل

(حیدر آباد دکن)۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# باب

## اسم گرامی کنیت و القاب

اسم مبارک آپ کا زینب ہے۔ الیڈلورالدرن اپنی  
 اسم مبارک کتاب ”خصائص زینبہ“ میں لکھتے ہیں کہ زینب کے  
 معنی اگر فریہ یا درخت خوبصورت و خوشبودار کے لیے جاتے ہیں تو غیر مناسب نہیں۔  
 بعض کا قول ہے کہ زینب کے معنی مصیبت زدہ کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ”زینب اب“  
 یعنی زینت پدر کے معنی ہیں۔ یہ سب معنی درست اور صحیح نہیں ہیں۔ لغت میں زینب  
 کے معنی فریہ ہونا نہیں ہیں۔ البتہ زینب کے معنی فریہ کے ہوتے ہیں لیکن زینب  
 سے زینب مشتق نہیں بنایا گیا۔ اسی طرح زینب کے معنی کسی لغت میں بھی  
 مصیبت زدہ کے نہیں پائے جاتے البتہ ”زینب“ کے معنی خوش منظر درخت کے  
 ہیں۔ عربی میں اسم علم میں اشتقاق کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا مثلاً زید کے معنی  
 زیادہ ہونا کسی نے نہیں کہا۔ ”بکر“ ایک اسم علم ہے یہ بکر سے نہیں نکلا

بَکَر کے معنی سویرے اُٹھنے کے ہیں۔ لہذا مختلف مؤلفین اور مصنفین نے جو معنی 'زینب' کے لیے ہیں وہ نظر انداز کرنے کے قابل ہیں۔ اس قسم کی باتیں لطیف گوئی میں جائز ہو سکتی ہیں۔

آپ کا اسم مبارک خود اللہ جلّ شانہ نے تجویز فرمایا۔ روایت ہے کہ جب فاطمۃ الزہراءؑ اس کو ہجرِ عصمت و طہارت یعنی جناب زینب کے حل سے تھیں تو آنحضرتؐ سفر میں تھے جب جناب زینب کی ولادت واقع ہوئی تو حضرت صدیقہ طاہرہؓ نے جناب امیر علیہ السلام سے کہا کہ رسول اللہ تشریف نہیں رکھتے ہیں اس لیے آپ اس صاحبزادی کا نام تجویز فرمادیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس معاملہ میں آپ کے پدر بزرگوار پر میں سبقت کرنا نہیں چاہتا۔ صبر کیجیے کہ آنحضرتؐ سفر سے واپس آئیں اور صاحبزادی کا نام تجویز فرمائیں۔ تین روز بعد آنحضرتؐ واپس آئے اور حسبِ عادت پہلے جناب فاطمۃ الزہراءؑ کے پاس آئے اور جناب امیر علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ کی صاحبزادی کے لڑکی تولد ہوئی ہے اس کا نام تجویز فرمایا جائے۔ رسول اللہؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ اگرچہ فاطمہ کی اولاد میری اولاد ہے لیکن اس معاملہ میں خدا کے حکم کا میں منتظر رہوں گا۔ جبریل امین نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! خداوندیم بعد تحفہ درود و سلام کے حکم فرماتا ہے کہ آپ اس دختر مولود کا نام 'زینب' رکھیں اس لیے کہ لوح محفوظ میں اس لڑکی کا نام یہی لکھا ہے۔ اس وقت جناب رسول خداؐ نے جناب زینبؑ کو طلب فرمایا۔ آپ کو گود میں لے کر لوہہ لیا اور فرمایا کہ اس صاحبزادی کا نام اللہ جلّ شانہ نے زینب رکھا ہے میں سب حاضرین اور غائبین کو وصیت کرتا ہوں کہ اس لڑکی کی عزت اور حرمت کا ہمیشہ لحاظ و خیال رکھیں کیونکہ یہ مثل خدیجۃ الکبریٰ کے ہے۔

صاحب 'خصائص زینبیه' تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند متعال نے چند برگزیدہ حضرات کے نام خود پہلے ہی تجویز فرمادیے تھے مثلاً ارشاد ہوا  
 نَبِيًّا وَلَکَ بَعْلًا هَٰذَا اِسْمُکَ یَحْیٰی یعنی خوش خبری دیتے ہیں ہم تجھ کو ایک لڑکے کی  
 جس کا نام یحییٰ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام یوں معین فرمایا کہ اِسْمُکَ الْمَسِيحُ  
 ابْنُ مَرْيَمَ۔ آنحضرت کا اسم مبارک اس طرح ظاہر کیا گیا یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ  
 بَعْدَی اِسْمُکَ اَحْمَدُ یعنی میرے بعد ایک 'نبی' آئے گا جس کا نام احمد  
 ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن میں اس طرح لیا گیا۔  
 قَالَ هَٰذَا اِصْرٌ عَلٰی مُسْتَقِیْمٍ۔ پھر فرمایا وَجَعَلْنَاهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ  
 عَلَیْہَا پھر ارشاد ہوا اَلدِّیْنَ اَلْعَلٰی حَکِیْمٌ

صاحب 'بحر المصاب' روایت نقل کرتے ہیں کہ جب جناب زینب کی  
 ولادت ہوئی جناب امیر علیہ السلام جناب فاطمہ کے حجروں میں داخل ہوئے اور  
 جناب امام حسینؑ جو اس وقت کم سن تھے آپ کے ساتھ چلے آئے اور خوش ہو کر مسیختہ  
 عرض کیا کہ اے بابا خدا نے مجھے بہن عطا کی ہے۔ جناب امیر علیہ السلام یہ سن کر رونے  
 لگے۔ جناب امام حسینؑ نے سبب گریہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اے نور چشم میرے  
 رونے کی وجہ تم پر عنقریب ظاہر ہو جائے گی۔ چند روز گزرے تھے کہ جناب فاطمہؑ  
 نے جناب امیر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ لڑکی کا نام رکھنے میں کیوں تاخیر فرما رہے  
 ہیں؟ جناب امیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے آنحضرت کا انتظار ہے۔ آپ حبیب  
 سفر سے مراجعت فرمائیں گے تو نام تجویز فرمائیں گے۔ جب آنحضرت واپس تشریف  
 لائے تو جناب زینب کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے انہیں گود میں  
 لے کر بوسہ لیا اس اثنا میں جبریلؑ امین نازل ہوئے اور رسول اللہ کو بعد تحفہ درود  
 سلام کہا کہ اللہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے حبیب اس نومولود لڑکی کا نام زینب رکھا

جائے۔ یہ کہنے کے بعد جبریلؑ رونے لگے، رسول اللہؐ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو کہا کہ یا رسول اللہؐ یہ صاحبزادی آغازِ زندگی سے انتہاءِ عمر تک اس دنیا کا پائیدار میں رنج و بلا میں مبتلا رہے گی۔ سب سے پہلے آپؐ کی مصیبت پر رنج و غم اور پھر ماں کا ماتم کرے گی۔ پھر باپ کی سوگوار ہوگی۔ پھر اپنے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کو روئے گی اور ان سب کے بعد مصائبِ کربلا اور نوائے دشتِ بے لوائی میں مبتلا ہوگی کہ جس سے اس کے بال سفید ہو جائیں گے اور کمر خمیدہ ہو جائے گی جب اہل بیت اطہارؑ نے جبریلؑ کی یہ پیشین گوئی سنی تو سب اندوہ ناک اور اسٹکبار ہوئے اور جنابِ امام حسینؑ کو جنابِ امیر علیہ السلامؑ کے گریہ فرمانے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ بحرِ المصائب میں روایت ہے کہ جب جنابِ زینبؑ کی ولادت باسعادت واقع ہوئی تو جنابِ رسول خداؐ کو اطلاع دی گئی آپ تشریف لائے اور جنابِ فاطمہ الزہراءؑ کو فرمایا ”بیٹی! اپنی لومولود لڑکی کو لاؤ“ صاحبزادی کو حاضرِ خدمت کیا گیا تو آپؐ نے گود میں لے لیا اور اپنے سینہٴ اقدس سے لگایا اور پھر اپنا رخسار صاحبزادی کے رخسار پر رکھ کر باوازا بلند اس طرح رونے لگے کہ آپ کے اشکِ ہائے مبارک آپ کی ریش اقدس پر بہنے لگے۔ جنابِ فاطمہ الزہراءؑ یہ کیفیت ملاحظہ فرما کر بے قرار ہو گئیں اور کہا کہ اے بابا خدا آپ کی آنکھوں کو نہ رلائے، آخر اس گریہ کی کیا وجہ ہے؟ جنابِ رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ”اے بیٹی! فاطمہؑ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لڑکی تمہارے اور میرے بعد ملاؤں میں مبتلا ہوگی اور اس پر گونا گوں مصائب اور رنگارنگ آفات وارد ہوں گی جو اس لڑکی کی مصیبت پر رونے کا بار لائے گا تو اس کو وہی ثواب ملے گا جو اس کے بھائیوں حسنؑ اور حسینؑ پر رونے یا رلانے والے کو ملے گا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے صاحبزادی کا نام ”زینبؑ“ رکھا۔

روایت ہے کہ جب جنابِ زینبؑ کی ولادت کی خبر سلمان فارسی کو پہنچی تو یہ

خوش خوش جناب امیر علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ کو مبارکباد دی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ جناب امیر علیہ السلام بجائے مسرور ہونے کے گریہ فرمانے لگے تو بے حد متاثر اور متعجب ہوئے اور آپ کے گریہ کا سبب پوچھا۔ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت سلمان کو واقعاتِ کربلا تفصیل سے بیان کیے اور اس غمناک سانحے اور واقعے میں جناب زینبؑ پر جو آفات و مصائب وارد ہوئے گئے کہہ دیے۔

### کُنِیت

آپ کی مشہور کنیت ام الحسن ہے بعض مؤرخین ام کلثومؑ کہتے ہیں چنانچہ بعض خطبے اور مثنویے جو جناب ام کلثوم کی طرف منسوب ہیں وہ درحقیقت آپ کے بتاتے ہیں۔ صاحب ”خصائص زینبیہ“ لکھتے ہیں کہ اگر آپ کی کنیت ام کلثوم ہو اور آپ کی بہن کا نام بھی ام کلثوم ہو تو یہ کوئی امر عجیب نہیں۔ اس لیے کہ اکثر اہل عرب چند بھائیوں اور بہنوں کا ایک ہی نام اور ایک ہی کنیت مقرر کرتے تھے۔۔۔۔ چنانچہ امام حسینؑ نے اپنے ہر فرزند کا نام علی رکھا تھا اور آپس میں فرق کرنے کے لیے علی اکبر، علی اوسط، علی اصغر پکارتے تھے آپ کی کنیت ام کلثوم ہونے کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ کی ایک صاحبزادی کلثوم تھیں اس لیے آپ کو ام کلثوم کہا جاتا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ کی کنیت ام المصائب ہو گئی اس لیے کہ آپ پر بے حد مصیبتیں گزریں۔

### القاب

جناب زینبؑ کے القاب متعدد ہیں جن میں چند یہ ہیں :  
عالمہ غیر معلمہ، فہیمہ، فاضلہ، کاملہ، عاقلہ، زاہدہ، عابدہ، شجاعہ، مجتہدہ، مظلومہ، مرضیہ، نائبۃ الزہراء، الفصیحہ، البلیغہ، ولیۃ اللہ، عصمت صغریٰ، الراضیۃ، القدر، القضاء، بالکیمہ۔

السید نور الدین نے خُصاً لُص زینبیہؑ میں بعض القاب کے متعلق وضاحت کی ہے کہ کیوں ان القاب کے آپ ملقب ہوئیں۔ اختصار کے ساتھ ہم چند القاب کے متعلق ان کے بیان کا خلاصہ دیتے ہیں۔

### عصمت صغریٰ و معصومہ : عصمت صغریٰ کے معنی گناہوں اور

خطاؤں سے محفوظ رہنے کے ہیں اور عصمت مخصوص انبیاء و اوصیاء سے جو خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ عصمت کا درجہ اعلیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے مخصوص ہے اور ایہ تطہیر کا ثبوت ہے۔ جناب زینبؓ نے چونکہ طینتِ محمدیہؐ و مجاہدِ نفسانیہ و ترکِ لذاتِ حیوانیہ کی وجہ سے اعلیٰ مقام حاصل کیا تھا اس لیے عصمتِ صغریٰ و معصومہ کہی جاتی ہیں۔ خود آپؐ نے بعض ارشادات و احتجاجات میں اپنی عصمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

### ولیتہ اللہ : آپؐ کی وجہ سے اس لقب کی مستحق ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ

کی عبادت و بندگی خدا کثیر تھی۔ دوسرے یہ کہ بقائے دینِ مبین کے لیے آپؐ نے بے حساب صدقات اٹھائے۔ تیسرے یہ کہ امامتِ مبین سے جو ولی اللہ تھے آپؐ کو خاص محبت و الفت تھی۔ جو حسینؑ کو دوست رکھتا ہے اس کو خدا دوست رکھتا ہے۔

### الراضیۃ بالقدس والقضا : یعنی خدا کی قدر و قضا پر راضی رہنے

والے جو کچھ مصائب اور بلائیں آپؐ پر نازل ہوئیں انہیں آپؐ نے بڑے استقلال و صبر و شکر کے ساتھ برداشت فرمایا۔ آپؐ اس قوت و اقتدار کو جو خدا نے آپؐ کو عطا کیا تھا اگر استعمال فرمائیں تو سپہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے لیے کافی تھا مگر باوجود اس اقتدار و اختیار کے خوشنودی خدا کے لیے بکمال کشادہ پیشانی تنہا عالمِ غربت و کلفت



الہاء فترك الهوى وأما الدال فترك الدنيا۔ (لفظ زہد میں تین حروف ہیں۔ ز، ہ، اور د، ز سے مراد زینت دنیا کو ترک کرنا۔ ہ سے مراد ترک ہوی و ہوس دنیا۔ د سے مراد ترک دنیا ہے۔ باوجود اس کے کہ جناب زینبؓ کے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ متمول تھے جناب معصومہ کی زندگی ہمیشہ سادہ اور تکلفاتِ دنیوی سے خالی تھی۔ مال و زر و خواہرات پر کبھی آپ کی نظر نہ پڑی اور آپ نے ان چیزوں کو ہمیشہ حقیر و ذلیل سمجھا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یعنی مال اور اولاد دنیا کی زینت ہیں۔ مال سے استغناء کا تو یہ حال تھا جو ابھی بیان کیا گیا، اولاد کے متعلق اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا کہ روزِ عاشور نہایت صبر و شکر کے ساتھ دو بیٹے حجتِ خدا امام زمان پر قربان کر دیے۔ اپنا ساز و سامان حتیٰ کہ منقطع و چادر، کانوں کے گوشوارے تک راہِ خدا میں اسلام کی حفاظت کے لیے دیے۔ ترکِ ہوی و ہوس اس طرح کیس کہ باوجود قدرت رکھنے کے رضائے الہی کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی اور مصائب برداشت کیے۔ جمیع علائنِ دنیا گھر بار، شوہر اور اولاد کو چھوڑ کر ترکِ دنیا کا ثبوت دیا۔ المنحقران سب واقعات سے آپ کا بہ ظاہر ہوتا ہے۔

محمدؐ تہ و مولقہ : یہ بھی آپ کے القاب ہیں۔ آپ حافظِ اسرارِ محمدیہ و اماناتِ الہیہ تھیں۔ امام زین العابدینؓ جب کوئی حدیث یا خبر بیان فرماتے تھے تو اس کی سند جناب زینبؓ تک پہنچاتے تھے حضرت ابن عباسؓ باوجودیکہ خود حدیثیں بیان کرتے تھے اور مقبول القول تھے اکثر آپ سے روایتیں بیان کرتے اور کہتے تھے حد ثنا عقیلہ یعنی عقیلہ (جناب زینبؓ) نے یہ حدیث بیان کی ہے۔



**شجیعہ :** یعنی بہادر۔ شجاعت صفات انبیاء میں داخل ہے اور اس سے قوتِ قلب مراد ہے۔ آپ کے والد ماجد امیر المومنین علی علیہ السلام کی شجاعت مشہور ہے اور یہ شجاعت پدری آپ کو ورثہ میں ملی۔ جو مصائب آپ پر گزرے اور جن شدائد کا آپ پر نزول و ہجوم ہوا اور ان کا جس شجاعت یعنی قوتِ قلب کے ساتھ آپ نے مقابلہ فرمایا اور جو ثباتِ قدمی آپ سے ظاہر ہوئی اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ آپ کے ارشادات اور خطبوں سے جو بحالتِ اسیری اور بیچارگی ابنِ زیاد جیسے سنگدل شقی اور یزید جیسے ظالم و جابر بادشاہ کی مجلسوں میں آپ نے دیے آپ کی شجاعت ظاہر ہوتی ہے۔

**عابدہ :** یعنی کثرت سے عبادت کرنے والی۔ حضرت صدیقہ صغریٰ نے اپنی تمام عمر عبادت و اطاعتِ خدا میں صرف فرمائی۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا سب حرکات و سکنات عبادت تھے۔ اہل بصیرت کے لیے یہ چیز کافی ہے کہ جناب امام حسین نے روزِ عاشورہ آخری رخصت کے وقت آپ سے فرمایا کہ یا اختاہ لا تنسینی فی نافلتہ اللیل دے بہن نافلہ شب پڑھنے وقت مجھے نہ بھولنا، عالم جلیل حاجی شیخ محمد باقر اپنی کتاب ”کبریٰ احمر“ میں مقابلِ معتبرہ سے جناب امام زین العابدینؑ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سفرِ شام میں باوجود ان مصائب اور زحمتوں کے جو آپ پر وارد ہوئے آپ نے کبھی نمازِ شب ترک نہیں کی چونکہ آپ نے کثرتِ عبادت سے مقاماتِ غیر متناہیہ حاصل کیے اس لیے عابدہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ آپ عبادت میں امام زین العابدینؑ کے ساتھ شریک ہیں۔ آپ کی عبادت کے متعلق صاحب ”طراز المذہب“ تحریر فرماتے ہیں کہ ”قریب برتبت امام است“ یعنی امام کی عبادت کی شان پائی جاتی ہے۔

## باکیت :

یعنی کثرت سے گریہ کرنے والی۔ یہ لقب آپ کا اس لیے ہوا کہ خوفِ خدا سے اور مصیبتِ حضرت سید الشہداء پر آپ

ہمیشہ روتی تھیں۔ جتنا چاہیے کہ خوفِ خدا سے اور مصائبِ اہل بیت پر رونا بہترین عبادت ہے۔ چنانچہ حدیث ہے کہ کل عین باکیت یوم القیامت الا عین بکت من خشیت اللہ (قیامت کے دن سب آنکھیں روئیں گی سوائے اس آنکھ کے جو دنیا میں خوفِ خدا سے روتی ہو۔) امام حسینؑ اور اہل بیتؑ پر رونے کے متعلق حدیث ہے۔ من بکی ادا بکی او تبکی علی الحسین وجبت له الجنة۔ (جو روئے حسینؑ پر پیرائے یا رونے والے کی سی شکل ہی بنائے اُس جنت واجب ہے) خود امام حسینؑ کا ارشاد ہے ان سمعتم بعزیب او شہید فاندوبونی۔ (اگر تم کسی غریب یا شہید کا حال سنو تو میری مصیبت کو یاد کر کے مجھ پر گریہ کرو۔) جناب زینبؑ خوفِ خدا سے تو ہمیشہ روتی تھیں لیکن بعد شہادتِ امام حسینؑ آخر عمر تک برادرِ مظلوم و مقتول کو بھی روتی تھیں۔ (یعنی مصائبِ امام حسینؑ پر)

**الفصیحت والبلیغۃ :** یعنی فصاحت اور بلاغت رکھنے والی۔ آپ کی فصاحت اور بلاغت کا حال آپ کے ارشادات و خطبات سے ظاہر ہوتا ہے ان صفات میں آپؑ مثل اپنے پدر بزرگوار کے تھیں۔ جب بازارِ کوفہ میں آپؑ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو وہ سننے والے جو صاحبانِ علم و فضل تھے کہہ اُٹھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام تقریر فرماتے ہیں۔ رازق النخیری صاحب اپنی تالیف ”سیدہ کی بیٹی“ میں لکھتے ہیں :

”بی بی زینبؑ کو فنِ خطابت میں کمال تھا۔ ان کا بیان درد اور تاثیر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہوتا تھا کہ سامعین کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آجاتے تھے۔ اسی لیے انہیں فصیحہ و بلیغہ کہا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ قدرت نے اُن کو فصاحت اور بلاغت کا

وہ جو سر عطا کیا تھا جو بہت کم عورتوں کو ملا ہے۔۔۔۔۔ یزید کے دربار میں حاکم کوفہ کے روبرو باز رکوفہ میں بی بی زینبؓ نے جو تقریریں کیں وہ بتا رہی ہیں کہ جن خطابت میں بی بی زینبؓ کا درجہ نہایت بلند ہے۔“

”علم و فضل اور فصاحت و بلاغت میں حضرت علیؓ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ شرف و نظم دونوں میں آپ کا رتبہ بلند تھا۔ آپ کی تقریریں انتہا درجہ کی فصیح و بلیغ ہوتی تھیں اور اتنی ہی دل نشین اور مؤثر حضرت علیؓ کی اولاد میں فصاحت اور بلاغت، صبر و استقامت اور مصائب پر سکون و طمانیت کی صفات آپ سے زیادہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ملی تھیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شہر خدا کی اکثر و بیشتر صفات بی بی زینبؓ میں تھیں۔“

نائبۃ الزہراء : آپ کو نائبۃ الزہرا اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ جملہ صفات و خصائص میں مثل اپنی مادر گرامی کے تھیں صحابہ کی عورتیں آپ کی رفتار و گفتار، عادات و اطوار و اخلاق کو دیکھ کر کہتی تھیں کہ آپ ماں کی جانشین ہیں علاوہ اس کے امام حسینؑ کے ساتھ آپ کا سلوک وہی رہا جو خاتون الزہرا اگر زندہ ہوتیں تو کرتیں۔

## باب

تاریخ ولادت و حالات جناب زینب سلام اللہ علیہا

جناب زینب کے پدر گرامی امیر المؤمنین سید الوصیین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور والدہ ماجدہ جناب فاطمہ الزہرا بنت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں۔

تواریخ بتاتی ہیں کہ جناب فاطمہ الزہرا کے تین صاحبزادے تھے اور دو صاحبزادیاں تھیں یعنی حسن حسین مجسن۔ زینب اور ام کلثوم حضرت محسن کا حاصل ساقط ہو گیا تھا۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ تین صاحبزادے حسن حسین مجسن تھے اور تین صاحبزادیاں زینب۔ ام کلثوم۔ رقیہ تھیں حضرت محسن کا حاصل ساقط ہو گیا اور حضرت رقیہ بچپن میں انتقال کر گئیں۔

بعض اکابر علماء شیعہ نے لکھا ہے کہ جناب فاطمہ کے لطن سے صرف ایک صاحبزادی تھیں یعنی جناب زینب اور آپ کی کنیت ام کلثوم تھی بعض وقت آپ کو زینب اور بعض وقت ام کلثوم کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

بعض صاحبان اخبار کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے دو صاحبزادیاں ہوں۔ جناب زینب ام کلثوم کہری جناب فاطمہ الزہرا کے لطن سے ہوں اور دوسری صاحبزادی ام کلثوم صغریٰ کسی دوسری بی بی کے لطن سے ہوں۔

کتاب بیت الاحزان میں روایت ہے کہ جناب فاطمہ الزہرا اپنی وفات کے وقت جناب امیر علیہ السلام کو جو وصیتیں فرمائیں ان میں ایک وصیت یہ تھی کہ میرے مال سے ام کلثوم کو بھی دینا۔ یہ روایت لکھ کر صاحب ”بیت الاحزان“ کہنے ہیں کہ

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی صرف ایک صاحبزادی تھیں اگر اور بھی ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ جناب فاطمہ الزہراءؑ ان کا نام نہ لیتیں اور انہیں بھی مال سے کچھ دینے کی وصیت نہ فرماتیں۔ یہ روایت ہم کو تو کچھ غیر صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ جناب فاطمہ الزہراءؑ کے پاس مال دنیا سے بظاہر ہی کیا کہ اس کی تقسیم کے لیے آپ کو وصیت کرنے کی ضرورت پڑتی بسط ابن جوزی کتاب "خواص الامم" میں لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہ الزہراءؑ کے فرزندوں میں سب سے پہلے امام حسنؑ پیدا ہوئے اس کے بعد امام حسینؑ اس کے بعد جناب زینبؑ اور پھر جناب ام کلثومؑ۔

سید نعمت اللہ الحجازی اعلیٰ الشہ مقامہ اپنی کتاب الزوار النعمانیہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

اما اولادہ سبعة عشر وولدًا ذکرًا واثنتی الحسن والحسين علیہما السلام وزینب الكبرى وزینب الصغریٰ المکناتہ بام کلثوم امہم فاطمۃ البتول (جناب امیر علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیاں ملا کر جملہ سترہ فرزند تھے جن میں سے امام حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام۔ زینب الكبرى اور زینب الصغریٰ جن کی کنیت ام کلثوم تھی جناب فاطمہ الزہراءؑ کے بطن سے تھیں) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ کے علاوہ ایک اور صاحبزادی تھیں جو زینب صغریٰ کہی جاتی تھیں اور کنیت ام کلثوم تھی سید نعمت اللہ الحجازی نے حضرت محسنؑ کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ آپ کی ولادت واقع نہیں ہوئی حمل ساقط ہو گیا۔

صاحب "طراز المذہب" نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے ان کا میلان اس طرف ہے کہ جناب فاطمہ الزہراءؑ کے بطن سے صرف ایک صاحبزادی جناب زینبؑ تھیں اور آپ کی کنیت ام کلثوم تھی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے بعض اکابر علماء شیعہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جناب زینبؓ کی تاریخ اور سن ولادت کے متعلق تورخین میں اختلاف ہے بعض لکھتے ہیں کہ آپؐ کی ولادت رسول خداؐ کے صین حیات ماہ رمضان ۱۱ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ چنانچہ صاحب طراز المذہب نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

صاحب "خصائص زینبیہ" کا قول ہے کہ پانچویں جمادی الاول ۱۱ھ ہجری یا ۱۱ھ ہجری میں مدینہ میں جناب زینبؓ پیدا ہوئیں یہ تاریخ صحیح تر ہے۔  
الحاج محمد علی ساکن بمبئی نے انگریزی میں جناب زینبؓ کی ایک مختصر سیرۃ لکھی ہے اس میں انہوں نے تاریخ ولادت شعبان ۱۱ھ ہجری بتائی ہے۔  
مولانا رازق الخیر نے اپنی کتاب "سیدہ کی بیٹی" میں اس سلسلہ پر کافی روشنی ڈالی ہے ان کا بیان یہ ہے :-

"بی بی زینبؓ کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں مختلف بیانات ہیں۔ مصنف بحر المصاب لکھتا ہے کہ بی بی زینبؓ پہلی یا اوائل شعبان ۱۱ھ ہجری میں پیدا ہوئی تھیں یعنی امام حسینؑ کے دو سال بعد۔ مصنف طراز المذہب کا بیان ہے کہ رمضان ۱۱ھ ہجری میں چند روز باقی تھے کہ بی بی زینبؓ پیدا ہوئیں..... مصنف خصائص زینبیہ کی رائے میں طراز المذہب کے مصنف کا یہ بیان محض قیاسی اور واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ ۱۱ھ ہجری میں سرور عالمؐ نے رحلت فرمائی اور آپؐ کی رحلت کے وقت جناب سیدہؓ کے ہاں حضرت محسنؑ کے پیدا ہونے میں چند ماہ باقی تھے اور ام کلثومؓ کو دس تھیں اگر یہ مان لیا جائے کہ جناب سیدہؓ کے ہاں اور کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی تھی جیسا کہ طراز المذہب کے مصنف کا خیال ہے۔ جب بھی بی بی زینبؓ کی پیدائش کا سال ۱۱ھ ہجری قرار دینا قطعاً غلط ہے اس لیے کہ بی بی زینبؓ رسول اکرمؐ کی زندگی میں خاصی ہوشیار تھیں۔ لہذا طراز المذہب کے

مقابلہ میں مصنف بحر المصائب کا بیان سلسلہ ہجری قرین قیاس ہے .....  
 اگر امام حسینؑ کا سن پیدائش سلسلہ ہجری تھا تو حضرت زینبؑ سہ ماہی سلسلہ ہجری  
 میں پیدا ہوئی ہوں گی۔ بعض مؤرخین نے جناب سیدہ سے روایت نقل کی ہے کہ بی بی  
 زینبؑ ۵ جمادی الاول سہ ماہی ہجری کو پیدا ہوئی تھیں اور یہی قرین قیاس ہے۔

ہماری رائے میں بھی ۵ جمادی الاول سہ ماہی ہجری صحیح تاریخ ہے۔ کیونکہ بعض  
 تواریخ اور کتب اخبار میں واقعہ کربلا کے وقت جناب امام حسینؑ کا سن مبارک  
 ۷ سال کا اور جناب زینبؑ کا پچھن سال بتایا جاتا ہے یعنی دو سال کا فرق ظاہر  
 کیا جاتا ہے۔

شمائل مبارک : اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کا قد بلند و بالا۔ آپؑ کا  
 چہرہ نورانی تھا۔ وقار و سکینہ میں مثل ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کے تھیں عصمت  
 حیا میں مثل فاطمہ الزہراءؑ فصاحت و بلاغت اور طرزِ تکلم میں مثل علی مرتضیٰ کے حلیم و  
 بردباری میں مثل حسن مجتبیٰ کے شجاعت و اطمینان قلب میں مثل حسینؑ سید الشہداء کے تھیں۔  
 صاحبِ خصائص زینبیہ لکھتے ہیں کہ آپؑ کشیدہ قامت تھیں۔ چہرہ انور سے ربیعہ حیدری  
 اور جلالتِ نبوی آشکار تھے۔ اعضاء متناسبہ آپؑ کی بزرگی و مہابت پر دال تھے۔  
 آپؑ فضائلِ صوریہ و معنویہ کی مجموعہ تھیں۔

# باب

## تعلیم و تربیت جناب زینب سلام اللہ علیہا

ان النوار مقدسہ اور معصومین کا علم درحقیقت وہی ہوا کرتا تھا تعلیم و تعلم سے اس کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ جناب زینب کے علم کے متعلق بھی ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ آپ بھی علم لدنی کی مالک تھیں لیکن بظاہر جناب زینب نے اپنے نانا رسول اللہؐ اپنے والد علیؑ ابن ابیطالب اور اپنی والدہ جناب فاطمہ الزہراؑ سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ چونکہ لڑکیوں کی تعلیم کا زیادہ تر تعلق ماں سے ہوتا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی تعلیم و تربیت کی بڑی حد تک جناب فاطمہ الزہراؑ ذمہ دار تھیں۔ رازق النجری صاحب ”سیدہ کی بیٹی“ میں لکھتے ہیں ”ایشار اور قربانی، فراست اور دانشمندی، استقامت اور استقلال، صداقت اور جرات، تواضع اور مہمان نوازی، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، خلق و کرم، سادگی و پاکیزگی ان تمام صفات کا بی بی زینبؑ میں جمع ہو جانا نہ صرف اثر تھا ان کے بزرگوں کے خون کا جو ان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا بلکہ فیض تھا اس ماحول اور صحبت کا جس میں انہوں نے آنکھ کھولی اور بچپن گزارا۔ پھر سونے پر سپہاگ اس محترم اور مقدسہ ماں کی تربیت تھی جس نے فیروں تک کو جانور دل انسان، پتیل سے سے سونا اور پتھر سے ہیرا بنا دیا۔

آپ کی عمر چھ یا سات سال کی تھی کہ اس کم سنی میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور جناب امیر علیہ السلام نے جناب فاطمہ الزہراؑ کے انتقال کے چند روز بعد حضرت امام سے عقد کیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ حضرت امام نہیں بلکہ حضرت ام البنین سے آپ نے عقد کیا۔ بہر حال جو بھی ہوں وہی بی بی حضرت علیؑ کے گھر دار اور صاحبزادوں کی نگرانی و پرورش کی ذمہ دار ہوئیں۔



صحابانِ اخبار کہتے ہیں کہ جناب ام البنین بنت خزام، صالح، دیندار، پرہیزگار عبادت گزار، رحم دل اور سلیقہ شعار بی بی تھیں۔ ”انہوں نے حضرت علیؑ کے گھر میں داخل ہو کر بی بی زینبؓ کی تربیت میں انتہائی شفقت اور محبت سے حصہ لیا اور انہیں خانہ داری میں جو دلچسپی تھی اس کی حوصلہ افزائی کی۔ جناب ام البنین تربیت میں مشغول رہیں تو جناب امیر علیہ السلام یقیناً آپ کی تعلیم کی طرف توجہ فرماتے ہوں گے۔ جناب زینب کے ارشادات اور خطبات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مختلف علوم یعنی قرآن و تفسیر، ادب، علم کلام و بیان پر پوری طرح حادی تھیں جو نتیجہ تھا جناب امیرؑ کی تعلیم کا اور آپ کی حصول تعلیم کی صلاحیت کا۔ رازق النخیری صاحب کہتے ہیں کہ ”بی بی زینبؓ بچپن ہی میں باعتبار علم و فضل مدینہ کی تمام لڑکیوں میں قابل ترین سمجھی جاتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے گھر میں محلے اور قبیلے کی لڑکیوں کا اکثر مجمع رہتا تھا۔ جو وقت گھر کے کاموں سے بچتا وہ تعلیم میں صرف کرتی تھیں حضرت زینبؓ کا سن رشد اس قدر اعلیٰ اور بہتر اور برتر تھا کہ مورخین کے بیان کے مطابق اس وقت قریش میں اور بنو ہاشم کی خواتین میں بھی یہاں تک کہ عبد المطلب کی اولاد کی تمام لڑکیوں میں ایک بھی ان جیسی نہ تھی۔“

خانہ داری کے مختلف شعبوں میں جناب زینبؓ مہارتِ تامہ رکھتی تھیں۔ ان امور کی تعلیم اپنے اپنی مادرِ گرامی سے حاصل کی۔ شادی سے قبل جب تک گھر میں رہیں گھر کا انتظام آپ کے سپرد رہا اور آپ بھائی بہنوں کے آرام و آسائش کا بید خیال لحاظ رکھتی تھیں۔ شادی کے بعد جب آپ اپنے شوہر کے گھر گئیں تو خانہ داری کے فرائض کی انجام دہی میں آپ کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی بلکہ آسانی اور عمرگی کے ساتھ آپ نے گھر کا انتظام کیا مولانا رازق النخیری لکھتے ہیں :-

”ان کی سلیقہ شعاری میں یہ عادت بھی شامل تھی کہ وہ

فضول اور بریکار کوئی چیز گھر میں نہ رکھتی تھیں۔ کھانا ضرورت کے مطابق تیار کرتیں اور دقت پر تیار کرتیں۔ جب سہ ماہی مرد اور بچے یا مہمان کھانے سے فارغ ہو جاتے تب کھاتیں اور جو بچ جاتا تو اٹھا کر نہ کھتیں بلکہ کسی بھوکے کو کھلا دیتیں۔ کفایت اور نظم ان کے تمام کاموں میں جلوہ گر ہوتا ضرورت سے زیادہ کوئی چیز خرچ نہ کرتیں۔۔۔۔ ان کی خانہ داری میں غریبوں، بے کسوں اور یتیموں کی مدد بھی شامل تھی جن کی امداد میں ہمیشہ فراخوصلگی سے کام لیتیں اپنی محترم ماں کی طرح انہیں بھی اچھے کھانوں کا شوق نہ تھا جو کچھ میسر آتا اس پر صبر و شکر کرتیں حضرت عبداللہ بن جعفر کے یہ الفاظ ”زینبؓ بہترین گھر والی ہے“ بتا رہے ہیں کہ سیدہ کی بیٹی خانہ داری میں کس قدر ماہر تھیں۔“

## باب

جناب زینبؓ اور امام حسین علیہ السلام کی باہمی اُلفت اور محبت کا حال

جناب زینبؓ کو بچپن سے ہی جناب امام حسینؓ سے بیحد انسیت اور محبت تھی۔

صاحب بحر المصائب لکھتے ہیں کہ جناب زینبؓ کی محبت کا یہ حال تھا کہ اپنی مادرِ گرامی کی گود میں رہتیں تو روتیں اور بے چین ہوتی تھیں اور جیسے ہی آپؐ کو امام حسینؓ کی گود میں لے لیتے خاموش ہو جاتیں اور مسلسل بھائی کے چہرہ منور کو دیکھتی رہتیں۔ بھائی کے بغیر تھوڑی دیر بھی آپؐ کو چین و قرار نہ رہتا تھا۔ جناب فاطمہؓ نے ایک روز صاحبزادی کی امام حسین علیہ السلام سے فرطِ محبت و اُلفت کا حال رسول اللہؐ سے عرض کیا تو آپؐ نے ایک آہ سرد بھری اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا اے نورِ چشم یہ میری بچی زینبؓ ہزاروں بلاؤں میں مبتلا ہوگی اور کربلا میں شدید مصائب اٹھائے گی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپؐ کی امام حسینؓ سے محبت و اُلفت کی یہ کیفیت تھی

کہ جب آپؐ نماز کا قصد فرماتیں تو پہلے روئے اقدس کعبہٴ مقصود قبلہٴ اہلِ حاجات حضرت سید الشہداء کو دیکھ لیا کرتی تھیں۔ یہی دلی محبت تھی جس نے آپؐ کو مجبور کیا کہ گھر دار۔ آلِ اولاد۔ امن و راحت کو خیر باد کہیں اور اپنے عزیز بھائی کے ساتھ سفرِ پرخطر اختیار کریں۔ روزِ عاشورا اور بعدِ شہادت امام حسینؓ قید و در بدری صحراِ نوردی کی وہ شدید مصائب برداشت کیے جو اگر پہاڑوں پر پڑتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتے اور پھر ان بلاؤں و مصیبتوں کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا۔ بقول صاحبِ طراز الدینؒ کسی نبی یا ولی کی ذریت سے کسی بی بی پر ایسے مظالم و مصائب نہیں وارد ہوئے جو جناب زینبؓ پر گزرے اور نہ کسی بی بی نے ایسے شدید مصائب واقع ہونے پر

اس طرح صبر و شکر و حلم کا مظاہرہ کیا جو آپ نے کیا۔

امام حسین علیہ السلام بھی جناب زینبؓ کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور آپ کی بڑی عزت و توقیر فرمایا کرتے تھے اور ہر معاملہ میں آپ سے استمراج اور مشورہ فرمایا کرتے تھے جیسی مہر و عطوفت امام حسینؑ اور جناب زینبؓ کے مابین تھی اس کی نظیر و مثال دنیا میں ملنا مشکل ہے۔

عارف فقیہ محدث آقا رضا قزوینی ان بھائی اور بہن کی باہمی محبت کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”روزِ عاشورا جب مظلوم کربلا کثرتِ جراحات گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور خون آلودہ حالت میں آسمان کی طرف دیکھا اور استغاثہ فرمایا تو جناب زینبؓ آپ کی آوازِ استغاثہ سُن کر بے تابانہ خمیرے باہر نکل آئیں اور بھائی کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سینے سے پٹ لگئیں اور بوسہ لیا۔ حضرت امام حسینؑ نے بہن کے سر کا بوسہ لیا اور بیہوش ہو گئے۔ جناب زینبؓ روتے ہوئے یہ کہہ کر آپ کو ہوشیار کرنا چاہا۔ انت الحسین انت اخي انت ابن امی انت نور بصری وانت مہجۃ قلبی وفوادى انت جانا انت رجانا انت ابن محمدؐ المصطفیٰ وانت ابن علیؑ المرتضیٰ انت ابن فاطمۃ الزہرا۔ دم حسین ہو تم میرے بھائی ہو۔ تم میرے ماں جاؤ ہو۔ تم میری آنکھوں کا نور ہو۔ تم میرے تختِ دل و جگر ہو۔ تم ہمارے حمایت کرنے والے ہو۔ تم ہماری امید ہو۔ تم محمد مصطفیٰ کے فرزند ہو۔ تم علی مرتضیٰ کے بیٹے ہو۔ تم فاطمۃ الزہرا کے بیٹے ہو۔ (بوجہ ضعف اور غشی امام حسین علیہ السلام جواب نہ دے سکے تو آپ شدت سے گریہ فرمانے لگیں۔ امام حسینؑ نے مشکل ایک آنکھ کھولی۔ بہن کو دیکھا دونوں ہاتھوں سے کچھ اشارہ فرمایا لیکن منہ سے کچھ نہ کہہ سکے۔ بھائی کا یہ حال دیکھ کر جناب زینبؓ بیہوش ہو گئیں اور قریب

تھا کہ آپ کی روح پرواز ہو جائے۔ جب ہوش آیا تو عرض کیا ”اے بھائی جان آپ کو نانا رسول اللہ کا واسطہ کچھ منہ سے بولے۔ بابا علی مرتضیٰ کا واسطہ زبان کھولے۔ اماں فاطمہ الزہرا کا واسطہ کچھ بات کیجیے۔ امام مظلوم نے یہ کلمات سماعت فرمائے تو کم زور اور ضعیف آواز سے فرمایا: اختی زینب کسرت قلبی و زدنہ کربا علی کربی فبا اللہ علیک الا ما سکنت و سکت (اے بہن زینب تمہاری باتوں نے میرے دل کو توڑ دیا اور میرے کرب میں اضافہ کیا۔ تم کو خدا کی قسم کہ سکون اختیار کرو اور خاموش ہو جاؤ) جناب زینب نے یسین کر کہا اے بھائی میں آپ پر قربان ہو جاؤں کیسے صبر و سکون اختیار کروں۔ جب دیکھ رہی ہوں کہ آپ پر سکرات الموت غالب ہے اور آپ آخری چند سانس لے رہے ہیں۔ شہد عاشورا کا منظر بیان کرتے ہوئے جوش یلج آبادی نے جناب زینب کی امام حسینؑ سے محبت کی حالت کی اپنے الفاظ میں خوب تصویر کشی کی ہے۔

کہتے ہیں :-

وہ مرگ بے پناہ کے سائے میں زندگی	وہ کربلا کی رات وہ ظلمت ڈراؤنی
باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ	وہ اہل حق کی تشنہ دہاں مختصر سپاہ
وہ ایک بہن کی بھائی نیظرِ جمی ہوئی	وہ دل بچھے ہوئے وہ ہوا تھی تھکی ہوئی

# باب

بیان تزویج جناب زینبؓ و اولادِ آلِ معصومہ

جناب زینبؓ کا عقد آپ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا تاریخِ سن کا پتہ نہیں ملتا کہ کس ماہ و سن میں عقد ہوا۔

ابن ابی الحدید "شرح سنخ البلاغہ" میں لکھتے ہیں کہ اشعث بن قیس نے جو قبیلہ بنی کنذہ کا سردار تھا جناب زینبؓ کے لیے جناب امیرؓ کے پاس پیغامِ عقد بھیجا۔ جناب امیرؓ کو یہ سخت ناگوار گذرا آپ نے ارکا فرمادیا اور کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم اگر تو نے دوبارہ اس قسم کا پیغام بھیجا تو تلوار سے گردن اڑا دوں گا۔

رازق الحیری صاحب نے اپنی کتاب "سیرہ کی بیٹی" میں اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد اس پر تنقید کی ہے۔ کہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام سے ایسے سخت جواب کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ آپ نے رسولِ اکرمؐ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی اور آپ کا خلق آنحضرتؐ کا خلق تھا۔ یقیناً آپ نے نرم الفاظ میں انکار فرمادیا ہوگا۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو لیکن علامہ ابن ابی الحدید کے قول کو ہم اس لیے غلط نہیں سمجھ سکتے کہ یہ بڑے صاحبِ تحقیق تھے ان کی معلومات کثیر اور مسلم محیط تھا اور یہ جناب امیر علیہ السلام کے فضائل و مراتب سے ہم سب زیادہ واقف تھے ان کے علم میں اس واقعہ کا صحیح ہونا ثابت نہ ہوتا تو ہرگز ذکر نہ کرتے۔ باوجود حلم و خلقِ نبویؐ رکھنے کے اگر جناب امیرؓ نے ایسا جواب دیا ہو تو تعجب کا مقام نہیں ممکن ہے کہ جناب امیرؓ کو اس کا یقین ہو کہ اشعث پھر گستاخی کرے گا اس لیے ہمیشہ کے لیے اس کا منہ بند کرنے کے لیے ایسا جواب دیا۔

حضرت عبداللہ کی پرورش آنحضرتؐ کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ رسول اللہؐ آپ کو بہت چاہتے تھے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد جناب امیرؑ آپ کے کفیل تھے اور نگران ہے یہاں تک کہ آپ سن بلوغ کو پہنچے حضرت عبداللہ حسینؑ و خواجہ محمد تھے۔ ان کے اخلاق، مہمان نوازی، غربا پروری مشہور تھی۔ مالی حالت اچھی تھی۔

جناب زینبؑ کا نکاح سادگی کے ساتھ ہوا مسجد میں خود جناب امیرؑ نے نکاح پڑھایا۔ ”خاندان کی عورتوں نے دہن کو حضرت عبداللہؑ کے گھر پہنچایا اور دوسرے روز حضرت عبداللہؑ نے دعوتِ ولیمہ کی۔“ تواریخ سے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ جناب زینبؑ کا مہر کیا مقرر کیا گیا تھا۔ مولانا رازق الخیری صاحب نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ جناب زینبؑ کا مہر جناب فاطمہ الزہراءؑ کے مہر سے زیادہ ہو گا۔ اس لیے کہ حضرت عبداللہؑ کی مالی حالت اچھی تھی اور بزرگوار شرع مہر شوہر کی مالی حالت کی مناسبت سے مقرر کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ مولانا کا خیال درست ہو۔ اُن کے خیال کو رد کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی تاریخی مواد نہیں ہے لیکن ہم اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ ائمہ معصومینؑ اور اہل بیتؑ کے معاملات کو مشکل اور لوگوں کے حالات و معاملات کے مطابق سمجھنا درست نہیں۔ ان بزرگواروں نے مالِ دنیا سے کبھی خود فائدہ نہیں اٹھایا جب کبھی مالِ دنیا سے کچھ پایا تو اس کو اپنی ضروریات پر صرف نہیں کیا بلکہ مستحقین اور قومی کاموں پر صرف کر دیا۔ تواریخ میں روایت ہے کہ زمانہ خلافتِ ظاہری میں جناب امیر علیہ السلام ایک دفعہ اپنی نعلین درست کر رہے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ آگئے اور آپؑ سے کہا کہ اے علیؑ اب آپ خلیفہ ہو گئے ہیں مملکت اسلامیہ کے مالک و سردار ہیں اب تو ایسے کام نہ کریں۔ اپنا نیا لباس اور نعلین فراہم کر لیں۔ یہ سن کر جناب امیر علیہ السلام کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپؑ نے جواب دیا کہ اے ابن عباسؓ اس حکومت کو

میں اپنے تعلقین سے کہیں پرست تر اور ذلیل سمجھتا ہوں میں نے حکومت اس لیے قبول نہیں کی کہ اس کے ذریعہ سے اپنے لیے سامانِ راحت و عیش مہیا کر دوں اور اپنا طرزِ زندگی بدل دوں بلکہ میں نے اس کو اس لیے قبول کیا کہ خلقِ اللہ کی خدمت بجا لاؤں۔ مستحقین کو ان کے حقوق پہنچا دوں مظلوم کو ظالم سے نجات دلاؤں۔ دوسرا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک مرد مسافر کو فہ آیا اور مسجد میں پہنچا جناب امیر علیہ السلام وہاں تشریف رکھتے تھے۔ وہ بھوکا تھا اور آپ کھانے کا سوال کیا تو آپ نے وہ کیسہ جس میں آپ کی جو کی روٹی کے سوکھے ٹکڑے رکھے تھے مسافر کے حوالے فرمادیا۔ اُس نے ہر چند کوشش کی کہ روٹی توڑے اور کھائے لیکن کامیاب نہ ہوا تو کیسہ آپ کو واپس کر دیا۔ جناب امیر نے اُس کو امام حسنؑ کے مکان کی نشان دہی کی اور فرمایا کہ اگر تجھ کو تازہ اور نفیس غذا کی خواہش ہے تو وہاں جا۔ وہاں روزانہ غرباء و مساکین کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ بیت الشرف امام حسنؑ پر پہنچا اور دیکھا کہ دسترخوان وسیع ہے سیکڑوں لوگ آتے اور کھانے سے فارغ ہو کر جاتے ہیں۔ اُس مرد مسافر کو بھی دسترخوان پر بٹھا دیا گیا۔ یہ شخص ایک نوالہ خود کھاتا تھا اور ایک لقمہ جمع کرتا جاتا تھا۔ امام حسنؑ کی نظر اُس پر پڑی اور آپ نے بحال شفقت اُس سے کہا کہ اے شخص تو پیٹ بھر کر کھالے اگر تجھ کو تیرے اہل و عیال کے لیے کھانے کی ضرورت ہے تو ہم تجھے اس کی کافی مقدار ساتھ لے جانے دیں گے۔ یہ سن کر مرد مسافر نے کہا کہ قسم خدا کی مجھے میرے اہل و عیال کے لیے نہیں بلکہ میں یہ ایک مرد فقیر کے لیے جمع کر رہا تھا جس کو مسجد میں میں نے دیکھا ہے اُس کے پاس سوائے سوکھی روٹی کے سخت ترین ٹکڑوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر امام حسنؑ رونے لگے اور فرمایا کہ اے مرد غریب وہ فقیر نہیں ہیں بلکہ تیرے مولا اور آقا امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین علی ابن ابیطالب



اس گھر کے مالک ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اے چاندی اور اے سونے تو میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے“ ان واقعات کے ذکر سے ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مالی حالت کی بہتری یا ابتری کا ان بزرگواروں، ان مقدس ہستیوں کی زندگیوں پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا۔ اس لیے یہ گمان کرنا کہ محض مالی حالت بہتر ہونے کی وجہ سے جناب زینبؓ کا مہر جناب فاطمہؓ الزہراءؓ کے مہر سے زیادہ مقرر کیا گیا ہو گا صحیح نہیں ہو سکتا۔

جناب زینبؓ کو جہیز کیا دیا گیا اس کی تفصیل بھی کتب تواریخ میں نہیں ملتی۔ رازق النخیری صاحب نے اس بارے میں بھی وہی خیال ظاہر کیا ہے جو مہر کے متعلق کیا۔ لکھتے ہیں :-

سمیل سیکنہ حیدر آباد لطیف آباد

”البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے دستور کے مطابق انہوں نے اس سے ضرور زیادہ دیا ہو گا جو جناب سیدہ کو رسول اللہؐ سے جہیز میں ملا تھا۔ اس وجہ سے کہ رسول اللہؐ نے سیر ہو کر کبھی ایک وقت بھی طعام تناول نہیں فرمایا اور حضرت زینبؓ کی شادی کے دنوں میں حضرت علیؓ کی مالی حالت اچھی تھی۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے جو جہیز بی بی زینبؓ کو دیا ہو گا۔ یعنی گھڑے اور رکابیاں چھاگل، مشکیزہ، تخت، چمڑے کے تیکے، چمکی، بستر اور سادے کپڑے“

بقول رازق النخیری صاحب اگر رسول اللہؐ نے ایک وقت بھی سیر ہو کر طعام تناول نہیں فرمایا تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے کب ایسا کیا۔ تواریخ بتاتی ہیں کہ آپؐ پر اور آپ کے اہل بیتؓ پر کئی کئی دن فاقہ گزر جاتے تھے اور خلافت کے زمانہ میں بھی آپ کی غذا جو کی روٹی کے سوکھے ٹکڑے ہوتے تھے۔

سورہ ہل اتی میں جو آیت ہے وَلْيَطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (اور وہ کھاتے ہیں اُس کی (اللہ کی) محبت میں مسکین،

یتیم اور قیدی کو) یہ آیت کب، کیوں اور کس کی شان میں نازل ہوئی۔ اس پر مسلمان مفسرین نے کافی روشنی ڈالی ہے۔ یقیناً مومنین اور اکثر مسلمین واقف ہیں۔ جناب امیر، جناب فاطمہ الزہراء، حضرات حسنین علیہم السلام پر تین دن فاقے گزر جانے کے بعد یہ آیت ان بزرگواروں کی شان میں نازل ہوئی۔ کیا اس سے ثابت اور ظاہر نہیں ہوتا کہ مثل آنحضرتؐ کے ان بزرگواروں پر بھی فاقے گزرتے تھے۔ جناب امیر خود بھوکے رہ کر بھوکوں کو سیر فرمایا کرتے تھے۔ میرا نیک علیؑ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں :-

خود کیے فاقے کیا بھوکوں کو سیر میرے مطلب میں شہاکیوں اتنی دیر ایسی صورت میں یہ فرض کر لیا کہ مالی حالت بہتر ہونے کی وجہ سے زیادہ مقرر کیا گیا اور چیز بھی بہ نسبت جناب فاطمہ الزہراء کے بہتر دیا گیا ہوگا مناسب نہیں ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ان امور میں ضرور آنحضرتؐ کی تاسی کی ہوگی اور حضرت عبداللہؑ نے بھی اس کو پسند کیا ہوگا۔

اولاد : جناب زینبؓ کے پانچ فرزند تھے۔ چار صاحبزادے علی، عون، محمد اور عباس اور ایک صاحبزادی ام کلثوم۔

ابن قتیبہ کتاب ”المعارف“ میں لکھتے ہیں کہ جعفر ابن عبداللہ جن کی کنیت عبداللہ تھی جناب زینبؓ کے لطن سے تھے لیکن سبط ابن جوزی اور بعض دوسرے مؤرخین ان کی والدہ کا نام ام عمر بنت خراش بتاتے ہیں۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ جناب زینبؓ کی کوئی لڑکی نہ تھی لیکن یہ قول مقبر نہیں بعض صاحبان اخبار نے لکھا ہے کہ جناب ام کلثوم صاحبزادی جناب زینبؓ کے لیے امیر معاویہ نے یرزیک پیغام نکاح بھیجا تھا۔ امام حسینؑ نے جو بزرگ خاندان تھے انکار کر دیا اور جناب ام کلثوم کا عقد قاسم بن محمد بن جعفر سے کر دیا۔

مقاتل میں ہے کہ یوم عاشورا جناب زینبؓ کے دو صاحبزادے شہید ہوئے  
یعنی حضرت عون اور حضرت محمد۔ ناسخ التواریخ میں ہے کہ روز عاشورا جناب زینبؓ  
کے دو صاحبزادے یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ حضرت محمد بن عبد اللہ اور حضرت عون  
بن عبد اللہ۔ لکھا ہے کہ حضرت محمد بن عبد اللہ کی شہادت کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی  
حضرت عون میدان جنگ میں تشریف لائے ان کا سن نو یا دس سال کا تھا حسرت  
پرٹھنے کے بعد لڑنا شروع کیا اور آٹھ اشقیا کو قتل کرنے کے بعد زخمی ہو کر گھوڑے سے  
گرے اور عبد اللہ بن بطہ الطائی نے آپ کو شہید کیا۔

سید نعمت اللہ الجزائری 'الوار النعمانیہ' میں لکھتے ہیں :-

وأما زینب الکبریٰ بنت فاطمة البتول علیہما السلام  
فزوجها عبد الله بن جعفر بن ابي طالب وولد له

منہا علی جعفر وعون الاکبر وأحمد کلثوم (جناب زینب  
الکبریٰ بنت جناب فاطمہ البتول علیہما السلام کی شادی حضرت عبد اللہ بن جعفر  
بن ابی طالب سے ہوئی اور ان کے لڑکے علی، جعفر اور عون الاکبر اور اُم کلثوم  
پیدا ہوئے۔

حضرت محمدؐ کا نام نہیں ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اسی کتاب میں  
نعمت اللہ الجزائری نے فہرست شہداء رکیزہ جودی ہے اس میں محمد وعون فرزندین  
عبد اللہ بن جعفر کے نام دیے ہیں۔ لکھتے ہیں "و محمد وعون ابنا  
عبد الله بن جعفر بن ابی طالب" ممکن ہے کہ پہلی عبارت میں کاتب کی  
سہولت سے حضرت محمدؐ کا نام چھوٹ گیا ہو۔ حضرت عون کے نام کے قبل محمد  
لکھنا معمول کیا ہوا اور صحیح کی نظر اس پر نہ پڑی ہو۔

سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب امام حسینؑ عراق کی طرف روانہ

ہوئے اور منزلِ پیغم پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو صاحبزادوں حضرت محمدؑ اور حضرت عونؑ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور خط بھیجا جس میں یہ لکھا :-

” اما بعد میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ یہ خط دیکھتے ہی مدینہ واپس ہو جائیں اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ جہاں جا رہے ہیں وہاں ہلاک ہو جائیں گے اور آپ کے اہل بیت بتلائے آلام ہوں گے۔ اگر آپ کی ہلاکت واقع ہو تو دنیا سے نذرِ خدا مٹ جائے گا۔ آپؑ علمِ ہدایت اور مومنین کی امید ہیں پس چلنے میں تیزی اور عجلت نہ فرمائیے اور میں بھی انشاء اللہ جلد حاضر خدمت ہوں گا۔“ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ خط حضرت عبداللہ نے اپنے صاحبزادوں کے ذریعہ نہیں بھیجا بلکہ کسی قاصد کے ذریعہ روانہ کیا اور بعد خود عمر ابن سعید والی مدینہ کا خط اور امان نامہ لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ واپس چلنے کے لیے اصرار کیا۔ جب امامؑ نے خدا اور اپنے نانا رسول اللہ سے عہد و میثاق کا ذکر فرمایا تو عاجز اور مجبور ہو کر اپنے دو صاحبزادوں حضرت محمدؑ اور حضرت عونؑ کو امام علیہ السلام کی خدمت میں چھوڑ کر خود مدینہ واپس ہوئے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ اس وقت کسی مرض کی وجہ سے معذور ہو گئے تھے کہ ان کے قابل نہ تھے اس لیے صاحبزادوں کو اپنے عوض امام علیہ السلام پر فدا ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے آپ کو مدینہ واپس کیا تاکہ وہاں مالِقی اہل بیت اور بنی ہاشم کی نگرانی اور حفاظت فرمائیں۔ یہاں سے خیال میں حضرت عبداللہ کی واپسی کی یہی وجہ معقول معلوم ہوتی ہے اور یہاں سے اس خیال کی تائید صاحب ”خصائص زینبیہ“ کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ بلحاظ

مقام و درجہ حضرت عبداللہ معمولی آدمی نہ تھے۔ امامؑ کے حقوق کے عارف تھے اس کے علاوہ امام حسینؑ کو ان سے اور ان کو امامؑ سے بیدرحبت و انسیت تھی اس لیے امامؑ کا عہدؑ ساتھ چھوڑ دینا ان کے لیے ناممکن تھا۔ یقیناً امام حسینؑ نے بنی ہاشم کی حفاظت کی غرض سے انہیں مدینہ واپس کیا ہوگا۔۔۔۔۔ جیسا کہ جنگ تبوک کے وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ یہ بات کسی طرح قیاس میں نہیں آتی کہ جو شخص اپنے دو صاحبزادوں کو قربان کرنے پر راضی ہو اپنی جان سے دریغ کرے عقل سلیم کہتی ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہؑ کو امام حسینؑ اور آپ کے صاحبزادوں کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون فرمایا۔ آپ کا ایک غلام تھا جس کی کنیت ابوالسلاسل تھی اُس نے آقا زادوں کی شہادت کی خبر سُن کر کہا کہ یہ مصیبت ہم چھین بن علیؑ کی وجہ سے پڑی۔ یہ سُن کر حضرت عبداللہؑ برہم ہوئے اور جوتے سے اُس کے منہ اور سر کو پٹیا اور کھالے ولد الزنا حسینؑ کے متعلق تو ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اُن کے ساتھ ہوتا تو اپنی جان اُن پر فدا کرتا۔ ہائے میں نے اپنی جان اُن پر کیوں نہ قربان کی بچے، میرے بھائی میرے ابن عم اُن کے ساتھ شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہؑ کے ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس قدر طالب شہادت تھے لیکن کسی سخت مجبوری کی وجہ سے مدینہ واپس ہوئے تھے۔

ابن اثیر نے تاریخ کامل میں اور ابن صبار نے الفصول المهمہ میں شہداء کربلا کے ناموں کی فہرست میں حضرت محمدؐ اور حضرت عونؑ کا ذکر کیا ہے لیکن کہتے ہیں یہ حضرت زینبؑ کے صاحبزادے نہ تھے بلکہ حضرت عبداللہؑ کی دوسری بیبیوں کے بطن سے تھے۔ ہمارے خیال میں یہ خبر صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ جناب زینبؑ کو امام حسینؑ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کبھی گوارا نہ فرماتیں کہ روز عاشورا اپنی اولاد کو

آپ پر فدا نہ کریں خصوصاً جب کہ دوسری بیبیاں قربانی دے رہی تھیں۔ یقیناً حضرت محمد اور حضرت عون جناب معصومہ کے ہی صاحبزادے تھے۔ صاحب ”عمدة المطالب“ نے لکھا ہے کہ روزِ عاشور جناب زینب کے دو صاحبزادے شہید ہوئے لیکن نام نہیں بتائے۔

کتاب ”اعلام الوری“ میں ہے کہ یومِ عاشور حضرت عبداللہ کے دو فرزند شہید ہوئے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کس کے لہن سے تھے۔

ابوالفرج اصفہانی کتاب ’آغانی‘ میں لکھتے ہیں کہ روزِ عاشور حضرت عبداللہ کے دو فرزند شہید ہوئے ایک عون بن عبداللہ جو جناب زینب کے لہن سے تھے دوسرے محمد بن عبداللہ جن کی والدہ خواہ بنت حفصہ بنت ثقیف تھیں۔

ناسخ التواریخ میں ہے کہ روزِ عاشور جب جناب جعفر طیار کی اولاد کی باری جہاد کی آئی تو سب سے پہلے حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر، جناب زینب کے صاحبزادے میدانِ جنگ میں آئے اور جنگ شروع کی اس طرح کہ خود کو لشکرِ اعدا پر ڈال دیا اور دس اشقیا کو واصلِ جہنم کیا۔ زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے اور آپ کو عادیٰ بن ہاشم نے شہید کیا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عون بن عبداللہ شہید ہوئے اور یہ بھی جناب زینب کے لہن سے تھے۔

مقتل ابی مخنف میں جناب زینب کے صرف ایک صاحبزادے حضرت عون کی شہادت کا ذکر ہے۔

بعض صاحبانِ اخبار نے لکھا ہے کہ یومِ عاشور جناب زینب کے تین صاحبزادے شہید ہوئے۔

مولانا سید اولاد حیدر فوق بلگرامی ذبحِ عظیم میں تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن جعفر طیار کی شہادت کے بعد حضرت عون ابن عبداللہ ابن جعفر میدانِ کارزار

میں لگے اور رجز پڑھنے کے بعد جنگ شروع کی، تین سوار اور آٹھ پیادوں کو قتل کیا اور عبداللہ ابن بطہ الطائی کے ہاتھ شہید ہوئے۔

المختصر کتب سیر و مقاتل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام طور پر تو یہی مشہور ہے کہ روزِ عاشور اجنب زینب کے دو صاحبزائے حضرت حمزہ اور حضرت عون شہید ہوئے، ذکرین مجالس میں بھی یہی بیان کرتے ہیں اور مرثیوں اور نوخوں میں بھی یہی ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں صاحبزادے کم سن تھے ان کی عمریں دس اور نو سال کی تھیں۔ مولانا رازق النجری نے اپنی کتاب ”سیدہ کی بیٹی“ میں صاحبزادوں کی عمر کے متعلق تفصیلی بیان دیا ہے جو قابل ذکر اور لائق غور ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”بی بی زینبؑ کے کون کون سے بچے کس کس سن میں پیدا ہوئے  
 باوجود انتہائی تلاش اور کوشش اور تاریخ کی ورق گردانی  
 کے پتہ نہ چل سکا۔ بی بی کی شادی اگر سنہ ہجری میں ہوئی تھی  
 تو سنہ ہجری میں جب ان کی عمر ۵۶ سال تھی، ان کے بچے  
 عون و حمزہ کربلا کے میدان میں شہید ہوئے تھے، ان بچوں  
 کی عمریں بعض مورخین ۱۱ اور ۱۲ بعض ۹ اور ۱۰ اور بعض  
 ۶ اور ۸ سال بیان کر رہے ہیں لیکن پچاس کے لگ بھگ  
 عورت کی وہ عمر ہے جب بچوں کی پیدائش بالعموم بہت  
 ہو جاتی ہے پھر اگر ان بچوں کی پیدائش سنہ ۳۵ھ اور سنہ ۴۵ھ  
 تسلیم کی جائے تو اس کے معنی ہوں گے کہ سنہ ہجری ۳۵ھ  
 تک ۳۶ سال میں صرف تین بچے ہوئے اور ادھر جب  
 بی بی زینبؑ کی عمر ۴۸ یا ۵۰ تھی۔ اوپر تلے دو بچے ڈیڑھ  
 دو سال کے فرق سے پیدا ہوئے لیکن ننھے ننھے بچے ماموں

کی کیا مدد کر سکتے تھے جو ان کے باپ عبداللہ بن جعفر نے  
 تیغ کے مقام پر انہیں بھیجا۔ اگر بی بی زینب ان بچوں کو مدینہ  
 سے مکہ اپنے ساتھ لے جاتیں تو بھی عون و محمد کی عمریں ۱۶ اور  
 ۸ تسلیم کی جاسکتی تھیں اس وجہ کہ چھوٹے بچے ماں کے  
 ساتھ رہتے ہیں۔ ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ  
 نکل سکتا ہے کہ عون و محمد جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے  
 نا سمجھ نہ تھے ہوشیار ہو گئے تھے۔“

مولانا رازق الخیری نے یہ فرض کیا ہے کہ جناب زینب کی شادی سترہ ہجری میں  
 ہوئی۔ ہم کو اس سے اتفاق کرنے میں تاویل ہے۔ اگر جناب زینب کی تاریخِ ولادت  
 سترہ ہجری صحیح ہو تو سترہ ہجری میں آپ کی عمر ۱۲ سال کی ہوتی ہے۔ اگرچہ عرب میں  
 کم سنی کی شادی کا رواج تھا اور اس سن میں اکثر لڑکیوں کی شادیاں ہو جاتی تھیں  
 لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اس رواج کی پابندی کی ہوگی۔  
 اور جناب زینب کی شادی اس عمر میں کر دی ہوگی یہ ہمارا خیال ہے۔ ممکن ہے  
 کہ ایسا ہوا بھی ہو۔

اکثر معتبر مؤرخین اور صاحبانِ اخبار نے جناب زینب کی تاریخِ ولادت  
 سترہ ہجری بتائی ہے جو صحیح بھی معلوم ہوتی ہے تو بوقتِ واقعہ کہ بلا آپ کی عمر ۵۶  
 برس کی تھی۔ اب اگر آپ کے دو صاحبزادوں کی عمریں بوقتِ شہادت نو اور  
 دس سال قرار دی جائیں تو ایک صاحبزادے کی ولادت سترہ ہجری میں اور دوسرے  
 کی سترہ ہجری میں ہوئی اور اس وقت جناب زینب کا سن مبارک ۴۴ اور ۴۵  
 سال ہوتا ہے اور یہ عمر ایسی ہے کہ اس وقت تک تو والد کا سلسلہ جاری رہتا ہے  
 اس سن میں بچے ہونا ناممکن بات نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرت عبداللہ نے



اس قدر کم سن بچوں کے ذریعہ امام حسینؑ کے پاس کیوں خطر روانہ فرمایا خود آپ کیوں ساتھ نہ لائے اور پھر امام حسینؑ کی خدمت میں چھوڑ کر چلے گئے تو اگر آپ نے ایسا کیا ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ محمدؐ اور علیؑ کے بچوں کو عام بچوں کے مثل سمجھنا ہمارے خیال میں کئی ایمان و عرفان کی علامت ہے۔ اس گھرانے کے بچے اور بڑے صفات و کمالات میں سب یکساں ہوتے تھے یہاں چھوٹے بڑے کا فرق نہ تھا۔ صغار دنیا کبار دنیا پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا۔ تواریخ میں ہے کہ جب امام حسینؑ نے حضرت مسلم کو کوفہ روانہ کیا تھا تو آپ اپنے دو کم سن صاحبزادوں کو ہمراہ لے گئے جو دونوں باپ کی شہادت کے بعد شہید ہو گئے۔ اسی طرح حضرت عبداللہؑ نے بھی اپنے دو کم سن نو اور دس سال کے صاحبزادوں کو چھوڑ دیا ہو گا اور کیا تعجب کہ خود جناب زینبؑ نے باہر از تمام صاحبزادوں کو اپنے ساتھ رکھ لیا ہو تاکہ مریضیت کے وقت اپنے عزیز بھائی پر قربان کریں۔ بہر حال ہمارے خیال میں بوقت شہادت صاحبزادوں کی عمریں نو اور دس ہو سکتی ہیں اور یہ صحیح مانا جاسکتا ہے۔

# باب

## بیانِ پارۂ فضائل و مراتبِ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا

صاحبِ طرازِ المذہب تحریر فرماتے ہیں کہ شہواتِ باطنیہ اور مقاماتِ معنویہ جنابِ صدیقہ صغریٰ نائبہ زہرا - امینۃ خدا جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کی یہ کیفیت ہے کہ ان کا احاطہ تقریر اور تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ آپ کے فضائل کا حصار کرنے کے لیے لکھنے والوں کے قلم عاجز ہیں۔

مورخین اور صاحبانِ اخبار لکھتے ہیں کہ آپ فضائل و فواضل، خصائل و جلال، علم و عمل، عصمت و عفت، نور و ضیا، شرف و بہا میں اپنی مادرِ گرامی جنابِ صدیقہ کبریٰ جنابِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے مانند تھیں اور ان صفات میں آپ کی ہر طرح وارث اور جانشین تھیں۔

روایات ہیں کہ آنحضرتؐ نے جنابِ زینبؑ کے متعلق بطورِ خاص وصیت فرمائی اور آپ کو جنابِ خدیجۃ الکبریٰ سے تشبیہ دی۔ ان دو امور سے آپ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ ”خدا نے چار عورتوں کو برگزیدہ کیا ہے۔ مریم بنت

عمران، آسیہ بنت مزاحم، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ۔ حضرت خدیجہؑ نے قیامِ دین کے لیے اپنا مال و متاع صرف کر دیا۔ جنابِ زینبؑ نے بقائے دین کے لیے اپنا تمام مال و اسبابِ یہاں تک کہ متاع و چادر، دولتِ اولاد لٹا دی۔ حضرت خدیجہؑ رسول اللہ کی مونس و مددگار تھیں تو جنابِ زینبؑ نے بھی اپنے مظلوم بھائی کا ہر امتحان و بلا میں ساتھ دیا اور آپ کی خدمت گزاری سے نازک ترین

وقت میں بھی دریغ نہیں کیا۔

آپ کے جلالت مقام، قوت نفس، صدق ایمان، حلم و علم، مراتب و فہم کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام زمان جناب علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام نے آپ کو عالم غیر معلم، فہیمہ غیر مفہم، عارف، زاہدہ اور کاملہ وغیرہ کے القاب سے خطاب فرمایا۔

وہ معظمہ جس نے رسول اللہ کے زیر سایہ اور فاطمہ الزہرا کی آغوش میں پرورش پائی ہو اور جناب امیر حبیبہ باپ کے زیر تعلیم رہی ہوں ان کے علم و فضل کا کیا پوچھنا۔ رازق الخیری صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”جس کا باپ شہر علم کا دروازہ تھا، جس کی ماں مسجد نبوی میں وعظ کہتی تھیں اور جس کی علمی قابلیت کا سکہ تمام عرب میں سیٹھا ہوا تھا . . . . . مدینہ اور کوفہ میں خواتین کا بی زینب کی زبانی قرآن مجید کے رموز و نکات سن کر زار و قطار رونما علم و فضل میں ان کا درجہ بہت بلند ظاہر کر رہا ہے۔“

پھر ایک جگہ کہتے ہیں :-

”سنہ ہجری میں جب حضرت علی کوفہ تشریف لائے تو ان کے ہمراہ بی بی زینب اور ان کے شوہر بھی آگئے۔ کوفہ پہنچ کر بی بی زینب نے درس و وعظ کی مجلس روزانہ منعقد کی اور بعد نماز ظہر قرآنی احکام و ارشادات نبوی کی تفسیر و تشریح سے خواتین کو مستفید فرمایا۔ بی بی زینب کی فصاحت اور شیریں بیانی کا ڈنکا مدینہ میں بچ رہا تھا۔ کوفہ میں بہت سی خواتین ان کی مشتاق تھیں۔ یہاں پہنچیں اور روزانہ

مجلس وعظ منعقد کی تو خواتین کو نہ پروانہ دار گریں۔ مجلس  
میں کثیر تعداد میں خواتین شریک ہوئیں اور بی بی کا بیان جو تاثیر  
اور درد سے لبریز ہوتا پوری توجہ سے سنتیں اور ان کے دلوں  
پر ان مواعظ اور ارشادات کا گہرا اثر پڑتا۔“

زمانہ دراز تک شیعیان اہل بیت جناب زینبؑ کے احکام و اسرار نقل کرتے  
تھے اور آپ کے روایات بیان کرتے تھے۔ آپ کے خطبات و ارشادات کے دیکھنے  
سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بڑی عاملہ، فاضلہ، محدثہ اور فصاحت و بلاغت کی  
مالک تھیں اور ان امور میں اپنے پدر بزرگوار جناب امیر علیہ السلام کی حقیقی وارث تھیں۔  
فاضل در بندی اعلیٰ اللہ مقامہ کتاب ”اسرار المشاہدہ“ میں تحریر فرماتے  
ہیں کہ جناب زینبؑ کے اس خطبے کو جو آپ نے یزید عنید کی مجلس میں ارشاد فرمایا اور  
اس میں جو احتجاجات پیش کیے اگر کوئی بغور پڑھے اور سمجھے تو اس کو معلوم ہوگا کہ  
آپ کا علم محض اکتسابی نہیں تھا بلکہ دہی تھا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ جناب زینبؑ امام حسینؑ کی جانب سے  
مجزرہ مؤلفہ تھیں جیسے جناب امام محمد تقیؑ علیہ السلام کی جانب سے جناب حکیمہ تھیں۔  
”بجاء الانوار“ اور ”اکمال الدین“ میں احمد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ  
ایک دفعہ میں نے جناب حکیمہ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو وصیت کر  
جائے تو کس کی اقتدار کی جائے تو جناب حکیمہ نے فرمایا کہ اس بارے میں ہمارے  
ایہ امام حسینؑ نظیر چھوڑ گئے ہیں۔ قبل شہادت آپ نے جناب زینبؑ کو وصایا فرمائے  
اور آپ کی شہادت کے بعد جناب زینبؑ حدیثیں بیان فرماتی تھیں تاکہ امام زین العابدینؑ  
کو دشمن نقصان نہ پہنچائیں اور اس طرح آپ امام عباسؑ کی نیابت فرماتی تھیں۔ اس  
سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ از روئے مقام و منزلت نیابت امامت تھیں

اور اس سے آپ کا علوم مقام ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے آپ کو عالم غیر معلمہ کہا یعنی ایسی عالم جس نے کسی تعلیم نہ پائی ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مثل رسول اور امام کے آپ کا علم بلا واسطہ من جانب اللہ تھا کسی سے آپ نے کسبِ علم و کمال نہیں کیا۔ دوسرے الفاظ میں آپ کا علم وہی تھا یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر نفس و روح میں صلاحیت نہیں ہوتی کہ مبداء فیض سے راست علم و کمال حاصل کرے بلکہ یہ بات نفوسِ قدسیہ اور ارواحِ نورانیہ کے لیے مخصوص ہوتی ہے پس جناب علی رضی اللہ عنہ اور جناب فاطمہ الزہرا کی صاحبزادی جناب زینب الکبریٰ نفسِ قدسیہ اور روحِ نورانیہ رکھتی تھیں اور علم و فضل، مراتب و درجاتِ عالیہ میں اپنے پدربزرگوار اور مادری گرامی کی وارث و جانشین تھیں۔ آپ شعر بھی کہتی تھیں چنانچہ کتبِ مقاتل میں آپ کے اشعار ہیں جو اپنے بطورِ نوحہ ارشاد فرمائے ہیں۔ صاحب ”طراز المذہب“ نے آپ کا ایک طویل مرثیہ لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ کر کے شرح لکھی ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم آلِ محمد کو علم و کشفِ خدا سے عطا ہوا اللہ عزوجل نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ کو علم عطا فرمایا اور آنحضرتؐ نے اپنے مرض الموت کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کو طلب فرمایا اور جب آپ حاضرِ خدمت ہوئے تو فرمایا یا علی میرے قریب آؤ تاکہ میں تم کو ان اسرار سے مطلع کروں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم فرما دیے ہیں اور وہ علوم و اسرار تم کو سپرد کروں جو اللہ نے میرے سپرد کیے ہیں اور رسول اللہ نے ایسا ہی کیا حضرت علیؑ نے امام حسینؑ اور امام حسینؑ کو وہ اسرار و علوم تعلیم فرمائے۔ امام حسینؑ نے میرے والد امام زین العابدینؑ کو تعلیم فرمائے اور انہوں نے مجھے تعلیم فرمائے۔

عبادت زہد و تقویٰ : جناب زینبؓ کا ایک لقب زاہدہ اور ایک عابدہ بھی ہے جن کی بوجہ کثرت زہد و عبادت آپ مستحق ہوئیں۔ آپ کے زہد و اتقار کے متعلق کتاب ”سیدہ کی بیٹی“ میں مولانا راز نقی لکھتے ہیں :-

”زینبؓ کبریٰ کا زہد و اتقار اس درجہ کا تھا کہ بہت کم عورتوں کو نصیب ہوا ہوگا۔ دنیا کی زینتوں، دنیا کی لذتوں، دنیا کے ساز و سامان سے انہیں دلچسپی نہ تھی۔ دنیاوی خوشحالی، دنیاوی عشرت اور دنیاوی راحت پر وہ ہمیشہ ابدی راحت کو ترجیح دیتی تھیں۔۔۔۔۔ اُن کا قول تھا کہ دنیا کی زندگی بالکل ایسی ہے جیسے کوئی مسافر چند لمحوں کے لیے مکان دور کرنے کے واسطے آسائش کی جگہ ٹھہر جائے۔ بی بی زینبؓ کا تقویٰ اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ کسی مشتبہ چیز کو احتیاط کی بنا پر ہتھال نہیں کیا۔ خدائی رضا مندی کے حصول میں کوشاں رہیں اور خدا کے بندوں کی دل آزادی کی کبھی روادار نہ ہوئیں۔“

جناب زینبؓ کی عبادت کثیر تھی۔ آپ کا اکثر وقت عبادتِ الہی میں گزرتا تھا۔ ہم نے آپ کی عبادت کا کچھ حال آپ کے ’عابدہ‘ کے لقب میں دیا ہے۔

معرفت و تقربِ الہی : آپ کے تقربِ الہی کا وہ درجہ تھا کہ جب حضرت سید الشہداء علیہ رحمۃ اللہ کی

شہادت واقع ہوئی اور بھائی کا خون ٹپکتا ہوا سر مبارک نیزہ پر بلند دیکھا تو دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں عرض کیا : ”بار الہا یہ آلِ محمدؐ کی قربانی

قبول فرما۔ آپ کا یہ قول اور فعل آپ کے مراتبِ عالیہ اور تقربِ الہیہ کو ظاہر اور ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اس لیے کہ ایسی سخت مصیبت کے وقت ایسے بزرگِ رضا کے کلمات رسول اللہ، علی مرتضیٰ اور فاطمہ الزہراء کے منہ سے نکل سکے تھے ایسی مصیبتِ عظمیٰ کے ظہور کے وقت حضرت زینب کی زبان سے ایسے کلمات کا جاری ہونا آپ کی معرفت الہی کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو خداوندِ جلیل سے کس قدر تقرب حاصل تھا اور خدا کے پاس آپ کی کیا منزلت تھی اور کیا مقام تھا اور کس درجہ کا نفسِ مطمئنہ رکھتی تھیں۔

ہمارا خیال ہے کہ حضرت زینب کے مصائبِ جناب امام حسین کے مصائبِ بظاہر عظیم تر تھے جناب امام مرد تھے، بہادر تھے اور سب بڑھ کر امام معصوم تھے۔ آپ اپنے نانا کے دین کی حفاظت کے لیے لڑے اور شہید ہو گئے جناب زینب عورت تھیں روز عاشورا اپنے عزیز بھائی، بھائیوں، بھتیجیوں، اصحاب و انصار کو شہید کرتے دیکھا۔ اولاد کا داغ اٹھایا۔ بعد شہادت امام خیمے جلے، سامان لٹے، بچوں کو آگ میں جلے، بیمار بھتیجے کو طوق و زنجیر پہنتے دیکھا، خود قید ہوئیں اور کسمپرسی کے عالم میں بیسیوں اور بچوں کے ساتھ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام شترمانے بے کجاوہ پر گئیں سفر کی سخت تکالیف اٹھائیں، کوفہ میں ابن زیاد علیہ العن اور دمشق میں یزید بن ابی سفیان کی مجلسوں میں پیش ہوئیں اور ان دونوں کے طعن و تشنیع کو سنا۔ مدت دراز تک قید کی زحمتیں برداشت کیں اور ان سب حالات و بیلیات میں اسی درجہ کے حلم و صبر و استقلال تسلیم و رضا کا مظاہرہ فرمایا جو ایک نبی کریم یا امام معصوم سے ہو سکتا تھا۔ جناب زینب کی اس زیارت میں جو آپ کے روحِ مقدس میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے اور جو یقیناً امام سے منقول ہے آپ کے حالات خوب بیان کیے گئے ہیں۔ زیارت میں ہے:-

السلام علیک یا عَصْمَةَ الصَّغْرٰی اَشْهَدُ اَنْکَ

كنت صابرة شاكسة مجللة معظمة مكرمة  
 محدثة مخدرة موقرة في جميع حالاتك و  
 منقلبائك ومصباتك وبلباتك وافتاناتك  
 حتى في اشدّها وامرها وهي وقودك في هذا  
 المكان واخوتك عطشان مصرع في عمق  
 الحائر من كثرة الجراحات السيف والسان  
 والشمر جالس على صدره -

ترجمہ : سلام ہو آپ پر اے عصمتِ صغریٰ، میں گواہی دیتا ہوں اس بات  
 کی کہ آپ نے جمیع حالات، گردشوں، مصائب، بلیات اور امتحانات میں صبر و شکر  
 سے کام لیا۔ عظمت و جلال ظاہر فرمایا۔ وقار و حلم کا مظاہرہ فرمایا یہاں تک کہ اس  
 سخت ترین وقت پر جب آپ کے بھائی حائر ہیں ایک گڑھے میں پیاسے اور تیغ و  
 سنان کے متعدد زخم کھلے پڑے تھے اور شمر ان کے سینہ پر بیٹھا تھا اور آپ  
 کھڑی ہوئی یہ دلخراش اور جاں گداز منظر دیکھ رہی تھیں

صاحب ”خصائص زینبیه“ لکھتے ہیں کہ جتنے کمالات انسانیت اور  
 مقاماتِ عالیہ ہیں وہ امتحانات کے بعد معین کیے گئے ہیں۔ اہل معرفت اس  
 مقام کو میزان اور فصل الخطاب کہتے ہیں۔ جناب زینبؑ کے جو امتحانات خوف  
 بھوک، پیاس، نقص اموال و اولاد، غارتگری اور قید وغیرہ سے لیے گئے وہ  
 ظاہر ہیں۔ ان امتحانات میں آپ کس طرح کامیاب رہیں اس سے بھی تاریخِ ازل و اقب  
 ہیں۔ جناب زینبؑ سے جیسا سخت امتحان متجانب اللہ لیا گیا ویسا انبیاء و انبیاء سے  
 نہیں لیا گیا۔ انبیاء مقررین میں سے کسی پر ایسی مصیبتیں اور بلائیں نازل نہیں ہوئیں۔  
 یہ امتحانات امام حسینؑ، جناب زینبؑ اور جناب امام زین العابدینؑ اور اہلبیتؑ



کے لیے مخصوص تھے۔

بعض مورخین اور محدثین نے لکھا ہے کہ انبیاء و اوصیاء اور اولیاء مثلاً حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ایوب، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت عیسیٰ کا خدائے تعالیٰ نے مصائب اور بلیات سے امتحان لیا لیکن جب ان انبیاء کے مصائب اور امتحانات کا جناب زینب کے مصائب سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو میچ نظر آتے ہیں اور جناب زینب سے بلاؤں اور مصیبتوں پر جو صبر و شکر، تسلیم و رضا کا مظاہرہ ہوا وہ ان انبیاء کے مظاہرہ سے کم نہیں بلکہ بڑھ کر ہی نظر آتا ہے۔

ہم کو ان مورخین اور محدثین سے پورا اتفاق ہے۔ درحقیقت جناب زینب کے مصائب اور امتحانات انبیاء کے مصائب اور امتحانات سے کہیں سخت تر تھے جن انبیاء کے نام اوپر لکھے گئے ہیں جب ان کے مصائب اور امتحانات کا حال ہم کتب میں دیکھتے ہیں اور ان کا مقابلہ جناب زینب کے مصائب اور امتحانات سے کرتے ہیں تو حقیقت مثل روز روشن کے کھل جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ کی نواسی، علی مرتضیٰ، فاطمہ الزہرا کی صاحبزادی نے واقعہ کربلا میں کیسے کیسے شدید اور سخت امتحانات دیے اور کسی کیسی شدید مصیبتیں جھیلیں اور پھر صبر و شکر، تسلیم و رضا کا کیسا عظیم الشان مظاہرہ کیا اور کیا شان دکھائی اور کس طرح دنیا پر ثابت کر دیا کہ محمد کے گھرانے کے مرد اور عورتیں، چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے اور ایک ہی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر عورت کے لیے امامت ہوتی تو ہم جناب زینب کو امام کہتے۔

بات یہ ہے کہ محمد و آل محمد کے مراتب و مقامات کتابیں پڑھ لینے یا منطق و دلائل سے سمجھ میں نہیں آسکتے بلکہ ان کے سمجھنے اور ماننے کے لیے نعمت

ایمان و عرفان کی ضرورت ہے اور اس نعمت کا عطا کرنے والا اللہ جل شانہ ہے۔ پس اگر کوئی طالب ایمان اپنے خالق سے اس نعمت کا سوال کرے اور وہ اسے عطا ہو جائے تو اس وقت اس کے قلب کی آنکھوں میں اتنی بصیرت پیدا ہوگی کہ وہ نورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ضیاء کو دیکھ سکے۔ بغیر نعمتِ ایمان و عرفان حقیقتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی جستجو بیکار اور اُن کی ولایت کا دعویٰ باطل ہے ہزاروں علامہ فہام باوجود کثرتِ علم کے مراتب و منازلِ محمد و آلِ محمدؐ کو نہ پہچان سکے اور نہ سمجھ سکے بلکہ اس بارے میں دمناس اور شکوک دلوں میں لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔

یہ محض ہمارا خیال نہیں بلکہ امام کا ارشاد ہے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ علی اللہ مقامہ نے جلد اول "بحار الانوار" میں اسناد کے ساتھ یہ حدیث تحریر فرمائی ہے :-

عن ابن الحسین . . . . . عن شعيب الحداد

قال سمعت الصادق يقول ان حديثنا صعب

مستصعب لا يخله الا ملك مقرب او نبي مرسل

او عبد امتحن الله قلبه بالايمان او مدينة

حصينة - قال عمرو والشعيب يا ابا الحسن واتي

شيئ المدينة الحصينة قال فقال سألت

الصادق عنها فقال لي القلب المجتبع -

ترجمہ :- شعيبؒ روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہماری (آلِ محمدؐ) کی حدیثیں (باتیں) مشکل ہیں اور مشکل کر دی گئی ہیں نہیں سمجھ سکتا اور برداشت کر سکتا اُن کو کوئی مگر فرشتہ مقرب یا نبی مرسل یا وہ بندہ جس کے دل کا خدا نے ایمان کے ذریعہ امتحان لے لیا ہو یا شہر

محفوظ۔ ایک شخص عمر نے شعیب (سے یہ حدیث سنی) تو پوچھا کہ شہر محفوظ سے کیا مراد ہے تو شعیب نے جواب دیا کہ میں نے بھی یہی سوال امام علیہ السلام سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ شہر محفوظ سے مراد قلب مجتمع ہے۔

مجلسی علیہ الرحمۃ نے قلب مجتمع کے معنی بتائے ہیں کہ وہ قلب جو دس او س باطلہ و فاسدہ، شکوک و شبہات سے خالی اور محفوظ ہو اور اس میں گمراہ کرنے والے خیالات نہ آتے ہوں۔

حدیث متذکرہ بالا سے ظاہر ہوا کہ ان مقدس ہستیوں یعنی حضرات معصومین علیہم السلام کی باتیں، اُن کے اُمور و معاملات، فضائل و مراتب صرف فرشتہ مقرب، انبیاء مرسل یا وہ لوگ جن کے دلوں کا خدا نے ایمان کے ذریعہ امتحان لیا ہو اور جو قلب مجتمع رکھتے ہوں سمجھ سکتے ہیں۔

سائل سوال کر سکتا ہے کہ آخر یہ ایمان ہے کیا کہ اس کے بغیر کوئی شخص محمدؐ و آلِ محمدؐ کے معاملات کو سمجھ ہی نہیں سکتا؟ کیا اسلام کافی نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اور ایمان دو بالکل علیحدہ اور جدا چیزیں ہیں۔ خود اللہ عز و جل نے قرآن میں یہ بات بتادی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ (عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ کہہ دو ان سے (اے رسول) کہ تم ایمان نہیں لائے، اس لیے کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ہرگز ہرگز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا) اس آیت قرآنی سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اسلام اور ایمان ایک نہیں بلکہ دو بالکل جدا چیزیں ہیں۔ اسلام ابتدائی درجہ کی چیز ہے اور ایمان کا درجہ اعلیٰ ہے۔ اسلام لانے کے بعد چند اُمور کی تکمیل کرنی پڑتی ہے اور اس کے بعد ایمان کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اسلام میں ایمان داخل نہیں ہے۔ ایمان میں

اسلام داخل ہے۔ ہر مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اسلام لانے کے بعد حجہ عالیہ ایمان پر فائز نہ ہو لیکن ہر مومن کا مسلم ہونا لامحالہ اور ضروری ہے۔

اسلام کے معنی تابع اور مطیع ہونے کے ہیں یعنی کسی کے زیر حکم ہو جانا، خواہ اس میں دل سے تصدیق ہو یا نہ ہو۔ بسا اوقات انسان کرباً و مصلحتاً ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے مثلاً آنحضرتؐ کے زمانہ میں یوسفیان اور بنی امیہ نے مصلحتاً اسلام کی رعایتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے طوعاً و کرہاً اسلام قبول کیا۔

ایمان یہ ہے کہ کسی چیز پر دل سے اعتقاد رکھنا یقین رکھنا اور اس کی زبان سے تصدیق کرنا اور عمل کرنا۔

آنحضرتؐ نے بھی بتا دیا کہ ایمان اور اسلام جدا چیزیں ہیں۔ ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھا ہوا ہے۔ غزوہ خندق میں جب جناب امیر علیہ السلامؑ شکرِ مشرکین کے مشہور بہادر، دیو سہیل پہلوان عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لیے میدان کاؤار میں تشریف لائے تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ذہب الایمان کلہ علی الشرک کلہ یعنی ایمان کل شرک کل کے مقابلہ کو گیا یعنی مومن کا مسل مشرک کا مسل کے مقابلہ کے لیے گیا۔ آنحضرتؐ نے ذہب الاسلام کلہ نہیں فرمایا بلکہ ذہب الایمان کلہ ارشاد فرمایا جس سے صاف ظاہر اور ثابت ہوا کہ آپ اسلام کو ایک معمولی اور ابتدائی شے اور ایمان کو اعلیٰ و اولیٰ تصور فرماتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلام کے عوض حضرت علیؑ کی شان میں ایمان کا لفظ ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ آنحضرتؐ کو جناب امیرؑ سے جو محبت و الفت تھی اور جس قدر ان کے مراتب کا لحاظ آپ رکھتے تھے اس سے سب باخبر اشخاص بخوبی واقف ہیں۔

امام رضا علیہ السلام نے ”صحیفہ رضویہ“ میں ایمان کی تعریف فرمائی ہے۔  
الایمان اداء الفرض واجتناب المحارم

وهو معرفة القلب اقرار باللسان و  
عمل بالاركان -

ترجمہ :- ایمان یہ ہے کہ فرائض بجالائے جائیں اور محارم (ہرام چیزوں) سے پرہیز کیا جائے۔ معرفت دل میں پیدا کی جائے اور پھر زبان سے اس کا اقرار کیا جائے اور ساتھ ہی اعضا و جوارح سے عمل بھی کیا جائے۔

اب ہم دو تین مثالوں کے ذریعہ واضح کر دیتے ہیں کہ ایمان کیا ہے۔

۱ :- غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو فتح ہونے لگی تو مسلمان لوٹ کھسوٹ میں لگ گئے اور مسلمان جن کو رسول اکرم نے درہ پر مامور فرمایا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ کسی حالت میں بھی وہاں سے نہ ہٹیں وہ بھی مالِ غنیمت کے لالچ میں حکمِ رسول کو پس پشت ڈال کر لوٹ مار میں شریک ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتح مبدل بہ شکست ہو گئی اور مسلمان رسول کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ رسول اللہ ہر چند بلاتے تھے بلکہ نام بنام یہ کہہ کر پکارتے تھے۔ اِلٰیّٰی یا فلان اِلٰیّٰی یا فلان انا رسول اللہ۔ یعنی اے فلاں میرے پاس آ۔ اے فلاں میرے پاس آ، میں اللہ کا رسول ہوں۔ لیکن کوئی پلٹ کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ بعض تو ہتھیار پھینک کر فرار ہو گئے۔ یوں حضرت حمزہ اور دو چار مخصوص حضرات کے رسول اللہ کے پاس کوئی نہ رہا اور انہی بزرگواروں کی وجہ سے رسول اللہ محفوظ رہے اگرچہ زخمی ہوئے اور دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ تواریخ میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی اس عدولِ حکمی، نقصِ عہد اور فرار سے آنحضرتؐ بہت ملول و محزون ہوئے اور جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا کہ یا علی تم نے نبی اپنے بھائیوں (یعنی دوسرے مسلمانوں) کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ (یعنی فرار کیوں نہ اختیار کی) یہ سن کر حضرت علیؑ نے سجدہ کی، متانت و اطمینان سے عرض کیا۔ لا کفر بعد الايمان انی بلک اسوۃ (ایمان لانے کے بعد کفر اختیار نہیں کیا جاسکتا مجھے آپ کی تائید

مقصود و مطلوب ہے، یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ حضرت علیؑ نے ایمان کا لفظ استعمال فرمایا، اسلام نہیں کہا اور اس کو ظاہر فرمادیا کہ اسلام کا درجہ بالکل ابتدائی اور سب سے ہے اور ناقابل ذکر اور یہ کہ ایمان کا درجہ اسلام سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

ہمارے خیال میں وہ لوگ جو محض مسلمان تھے بھاگ کھڑے ہوئے اور جو مومن تھے وہ آخر تک ثابت قدم رہے۔ وہ چیز جس نے جناب امیر علیہ السلام کو رسول اللہؐ کا ساتھ چھوڑ دینے سے باز رکھا وہ بقول حضرت کے ایمان تھا اور دوسرے لوگ جو اسلام تولانے تھے لیکن بے ایمان تھے فرار ہو گئے۔

۲:- اسی قرنہ کو جب معلوم ہوا کہ غزوہ اُحد میں آنحضرتؐ کے دو دانت شہید ہو گئے تو اس قدر صدمہ ہوا کہ خود بھی اپنے دو دانت پتھر سے توڑ کر پھینک دیے۔ حالانکہ کبھی رسول اللہؐ کو دیکھا بھی نہ تھا۔ وہ چیز جس نے انہیں اپنے دانت توڑنے پر مجبور کیا وہ ایمان تھا اور وہ چیز جس نے رسول اللہؐ کے ہمراہیوں کو روزِ غزوہ اُحد راہِ فرار دکھائی وہ بے ایمانی تھی۔ حالانکہ وہ مسلمان تھے۔

۳:- جب امام حسینؑ کو بلا پہنچے ہیں تو آپ کے ساتھ کافی تعداد میں لوگ تھے بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ کئی ہزار کا مجمع تھا۔ شبِ عاشورا بعد نمازِ مغرب امام حسینؑ نے سب کو جمع فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا اور یقین دلایا کہ صبحِ عاشورا آپ کو شکست ہوگی آپ شہید کیے جائیں گے اور جو بھی آپ کے ساتھ رہے گا وہ یقیناً مارا جائے گا۔ پس کروہ چند مقدس نفوس جن کے نام شہداءِ کربلا کی فہرست میں محفوظ ہیں، جن کے قلوب کا اللہ نے ایمان کے ذریعہ امتحان لے لیا تھا باقی رہ گئے اور باقی سب مسلمان رفوچکے ہو گئے اور منہ کالا کر گئے دوسرے الفاظ میں وہ چیز جو ان چند خاص نفوس کو ثابت قدم رکھ سکی وہی ایمان تھا اور جو لوگ ساتھ چھوڑ کر چلے وہ اسلام رکھتے تھے لیکن ایمان سے معرا تھے۔ یہ لوگ امام زمان کی محبت کی وجہ سے

ساتھ نہیں آئے تھے۔ بلکہ مالی غنیمت کی لالچ انہیں کھینچ لائی تھی جب اُس کی توقع نہ رہی تو نقص بیعت کر کے چل دیے۔

قضائے الہی پر راضی رہنا اور ہر حالت میں شکر بجالانا قوتِ ایمان اور بزرگیِ نفس کی بڑی علامت ہے۔ جب ہم جنابِ زینبؓ کے مصائب اور ملیات پر نظر ڈالتے ہیں اور ساتھ ہی دیکھتے ہیں کہ کس صبر و شکر کے ساتھ آپ نے ان کو برداشت کیا نیز ان پر راضی رہیں تو ہم کو آپ کے مراتبِ رضا و تسلیم درجہ کمال پر پہنچے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

کتاب ”محاسن المتیقن“ میں ملا محمد تقی شہید ثالثِ اعلیٰ اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں :-

عرفان مراتبِ توحید حضرت زینبؓ خاتونِ سلام اللہ علیہا  
 قریبِ امامت بود چنانکہ در آں ہنگام کہ امام زین العابدین  
 صلوات اللہ علیہ را در قتل گاہ نظر بر حیدرِ نور پیر و برادرِ افتاد  
 قلب مبارکش از جہانے کندہ و بحدِ چہرہ مبارکش زرد شد بود  
 کہ گفتی روح مقدسش با شیانِ قدس پرواز جست۔ زینب  
 سلام اللہ علیہا آنحضرت را تسلی ہی داد و ہی گفت ای جانِ  
 برادرِ زادہ ام آرام باش کہ ایں عہدِ لیت کہ در ازل بود و  
 حدیث اُمّ ایمن را مذکور فرمودند :-

ترجمہ :- جنابِ زینبؓ خاتون کی معرفتِ الہی و توحید کی شانِ امام کی معرفت سے قریب تھی۔ چنانچہ بعدِ شہادتِ امام حسینؓ جب اہل بیتؑ کا گزر قتل گاہ سے ہوا اور جنابِ امام زین العابدینؓ کی نظر اپنے پیرِ بزرگوار اور بھائی علی اکبرؓ کے جسدِ ہائے نور پر پڑی تو آپ بیقرار ہو گئے اور چہرہ اقدس پر ایسی زردی چھا گئی

کہ معلوم ہوتا تھا گویا آپ کی روح پرداز ہونے کو ہے۔ جب جناب زینبؓ نے آپ کا یہ حال دیکھا تو آپ کو تسلی دی اور یہ فرمایا کہ بیٹا صبر کرو اس لیے کہ یہ وہ وعدہ تھا جو روزِ ازل تمہارے باپ نے خدا سے کیا تھا اور وہ پورا کیا پھر اُمّ المؤمنین کی حدیث بیان فرمائی۔

**رُعب و جلال :** جناب زینبؓ کے رُعب و جلال کا یہ حال تھا کہ جب آپ کلام فرماتیں تو مخاطب اس قدر

مرعوب ہو جاتا تھا کہ جواب دینا مشکل ہو جاتا تھا۔ یزید پلید جیسا طاعی اور کُرش آپؐ مرعوب ہو کر سکوت اختیار کیا کرتا اور آپ کے سامنے دم نہ مارتا تھا۔

فاضل دربندی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جناب زینبؓ کے ان ارشادات سے جو آپؐ نے ابن زیاد اور یزید کے دربار میں فرمائے آپ کے رُعب و جلال اور دلیری کا حال ظاہر ہوتا ہے۔ آپؐ نے بھرے دربار میں یزید کو کافر و زندقہ کہا۔ اس کے باپ دادا کے مشابہت کے ساتھ بیان فرمادیے۔ اس کے تخت و تاج کی تباہی کی پیشین گوئی فرمائی اور یزید پلید اور اس کے درباری منہ تکتے رہ گئے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ آپ کے سامنے زبان کھولے حالانکہ یزید پلید اس وقت مالک تخت و تاج تھا۔ قوت و اقتدار رکھتا تھا جواب دینا تو کچا چاہتا تو آپ کو قتل کر سکتا تھا لیکن کچھ نہ کر سکا۔ یزید پلید کے اس سکوت کی وجہ سوائے اس کے کہ امیر المؤمنین علیؑ ابن ابیطالبؑ کی صاحبزادی کے اقتدار نفسیاتی اور روحانی کا اثر ہو اور کیا ہو سکتی ہے یہ اقتدار اور قہاریت درحقیقت خواص اور خالص نبوتِ مطلقہ اور ولایتِ مطلقہ سے ہے ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں ہو سکتا۔

جناب زینبؓ کے شہواتِ جلیلہ اور مقاماتِ جمیلہ کے ثبوت میں یہ بھی واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ آپ کی وہ شخصیت تھی جس نے امام زمان علیؑ ابن الحسینؑ زین العابدینؑ



کو تین دفعہ قتل ہو جانے سے بچا لیا۔

ایک وہ وقت تھا کہ بعد شہادت منطوم کر بلا جب اہل بیت کے خیموں کو لوٹنے کے لیے ملا عین داخل ہوئے تو شمر ملعون نے بیمار علی ابن الحسین کو بستر پر لیٹے ہوئے دیکھا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ جناب زینبؓ اس وقت بھیچے سے لپٹ گئیں اور شمر شقی سے کہا کہ اس لڑکے کے ساتھ میں بھی قتل ہوں گی۔ جب شمر ملعون نے یہ حال دیکھا تو قتلِ امامؑ سے باز آیا۔ دوسرا وقت وہ تھا جب کہ ابن زیادؓ العین نے اپنی محفل میں امام زین العابدینؑ کی صاف گوئی سے ناراض ہو کر آپ کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت بھی جناب معصومہ نے وہی کیا جو دفعہ اول کیا تھا تسبیح شروع یزید پلید کے دربار کا تھا کہ امام زین العابدینؑ نے یزید کے روبرو اس کے باپ دادا کے معائب اور مثالب بیان فرمائے تو اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا لیکن جناب زینبؓ کے احتجاج پر اس حرکتِ شنیعہ اور امرِ عظیم سے باز آیا۔ اس کے علاوہ جناب زینبؓ کا بعض موقعوں پر امام زان علی ابن الحسین کو تسلی و دلا سے دینا۔ محذراتِ عصمت و طہارت اور اطفال کی پاسبانی و نگرانی کرنا۔ ابن زیادؓ اور یزید پلید جیسے جبار و سفاک، بے دین کی محفلوں میں دندان شکن گفتگو فرمانا۔ خطبات دینا اور پھر کسی وقت ایک دقیقہ کے لیے بھی جزع و فزع، عجز و انکساری نہ کرنا اس بات کی بین اور روشن دلیل ہے کہ جناب زینبؓ معمولی عورت نہ تھیں بلکہ وارث اعتبارات و اختیارات و اقتدارات نبوت و ولایت تھیں۔

بحر المصائب میں لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ کا زمانہ وفات قریب ہوا تو جناب امیر المؤمنینؑ و جناب فاطمہ الزہراءؑ نے ایسے خواب دیکھے کہ جو آنحضرتؐ کی وفات پر دلائل تھے۔ اسی زمانہ میں جناب زینبؓ نے (جن کی عمر پانچ سال تھی) خواب دیکھا کہ ایک تیز و تند آندھی آئی اور آسمان و زمین کو تار یک کر دیا۔ اس ہوا

اور آندھی کی تیزی اور شدت سے آپ (جناب زینبؓ) ادھر ادھر اڑنے لگیں یہاں تک کہ ایک بڑے درخت سے آویزاں ہو گئیں اور ہوا کی شدت کی وجہ سے وہ درخت گر پڑا اور آپ نے اُس کی ایک شاخ کو تھام لیا وہ بھی ٹوٹ گئی تو اور دو شاخوں کا سہارا لیا اور وہ دونوں بھی ٹوٹ گئیں۔ آپ سہارا ہو گئیں اور آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ بیدار ہو گئیں۔ جناب رسول خدا کی خدمت میں خواب عرض کیا۔ رسول اللہ نے خواب سن کر سخت گریہ فرمایا اور کہا اے بیٹی یہ درخت میں ہوں جو عقرب اس دارِ فانی سے کوچ کرنے والا ہوں اور شاخیں تمہاری ماں فاطمہ الزہراءؓ باپ علیؓ مرتضیٰؓ بھائی حسنؓ و حسینؓ ہیں جو یکے بعد دیگرے تمہارے سامنے دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اور تم سب کو روڈ کی اور سب کی سوگاری کر دو گی۔ اس خواب اور رسول اللہ کی تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب زینبؓ کی نفسیاتی اور روحانی بلندی پہنچ ہی ہیں کیا تھی۔

”بحر المصائب“ میں مسطور ہے کہ خلافتِ ظاہرہ کے زمانہ میں جناب امیر المومنینؓ کو فہ تشریف لائے تو اس کو دار الخلافہ قرار دیا اور یہاں قیام فرمایا۔ ایک سال گزرنے کے بعد کوفہ کے بعض ذی وجاہت و ثروت زنانِ کوفہ نے جناب امیر المومنینؓ سے درخواست کی کہ ہماری آرزو و تمنا ہے کہ آپ کی صاحبزادی جناب زینبؓ جگر گوشہؓ رسولؐ جو مثلِ اپنی مادرِ گرامی جناب صدیقہؓ ظاہرہ فاطمہ الزہراءؓ کے بڑی عالمہ اور محدثہ ہیں اور عادات و اخلاق میں زمانہ کی عورتوں سے افضل و برتر ہیں، کا شرفِ دیدار حاصل کریں۔ پس یہیں حضوری کی اجازت مرحمت ہو۔ جناب امیر علیہ السلامؓ نے عورتوں کا معروضہ قبول فرمایا اور اجازت دی۔ عورتیں جناب زینبؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بحال شوق و ذوقِ خضوع و خشوع آپ کی زیارت سے مشرف ہوئیں، اپنے مطالبہٴ مقاصد عرض کئے اور اپنی اس خوش بختی پر فخر و مباہات کرتی ہوئی گھروں کو واپس گئیں۔

**خلق :** باوجود اس رُعب و جلال کے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے جنابِ زینبؓ بے حد صاحبِ خلق تھیں اور کیوں نہ ہوتیں۔ جن کے نانا کے لیے ارشادِ باری ہوا کہ ”اے رسولِ مَہمِ خلقِ عظیم کے مالک ہو، جب ایسے نانا سے تربیت پائی ہو تو پھر کیونکر خلیق نہ ہوتیں۔ ماں کا خلق مشہور تھا۔ باپ کے خلق کا دشمنوں نے اعتراف کیا۔ کتاب ”سیدہ کی بیٹی“ میں لکھا ہے کہ ”کوئی آپ سے ملنے آتا تو عاجزی اور فروتنی اور ہنسی پشیمانی سے ملتیں۔ بہتر جگہ بٹھاتیں اور مناسب طریقہ پر خدمت کرتیں۔ سادہ زندگی بسر کرنے کی عادی تھیں۔ سادہ لباس پہنتیں۔ سادہ غذا کھاتیں اور اپنے گھر کو سادگی کو مصفاۂ سحرانی کا بہترین نمونہ بنائے رکھتیں اور اس کا عملی سبق دوسروں کو بھی دیتی رہتیں۔“

پھر ایک جگہ راقی الخیری صاحب اپنی کتاب ”سیدہ کی بیٹی“ میں لکھتے ہیں

بی بی زینبؓ ایک مسلمان کی حیثیت سے ایثار، صداقت

عزم، استقامت اور صبر و رضا کا جو رنگ عقلِ سلیم،

دماغِ صحیح اور چشمِ بینا کو دکھا گئیں ان کے بعد میں کسی

مسلمان میں نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔ ان کی عملی زندگی اور

اُن کے اسلام کو پیش نظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ پیغمبرؐ تو

نہ تھیں پیغمبرؐ کی لڑکی تھیں لیکن انہوں نے پیغمبرؐ کے فرائض

انجام دیے اور اُن کی شخصیت میں پیغمبرؐ جھلک رہی ہے۔“

جنابِ زینبؓ کے فضائل و مراتب کا ضبط تحریر میں لانا ہمارے امکان سے

باہر ہے۔ آپ کے حالات اور واقعاتِ زندگی کو نظرِ غائر سے دیکھنے کے بعد کہنا پڑتا

ہے کہ آپ اُس بلند مقام پر فائز تھیں جو مقامِ ولایت و امامت کے برابر تھا۔ آپ

کیا کچھ مصائب نہ گزرے۔ بچپن میں نانا اور ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ باپ کو

شمیر زہرِ کبود سے قتل ہوتے، بھائی حسنؓ کو زہرِ ہلاہل سے شہید ہوتے دیکھا۔ نانا کا

روضہ، گھر اور وطن چھوڑ کر اپنے عزیز بھائی حسین کے ساتھ کربلا کا سفر اختیار کیا۔ کربلا میں عزیز واقرباء و اصحاب و انصار۔ اولاد اور بھائی کو قتل ہوتے، خمیے جلتے، مال و اسباب لٹتے دیکھا اور پھر حالت اسیری میں کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کے صعوبات اور مجلس ابن زیاد اور یزید پلیدی کی ذلتیں برداشت کیں لیکن ان سب حالات منقلبیات اور امتحانات میں ثابت قدم رہیں۔ صبر و شکر، حلم و بردباری، عظمت و جلال کا وہ عظیم الشان مظاہرہ فرمایا جو نبی مرسل یا امام معصوم ہی سے ہو سکتا تھا۔

جناب زینبؓ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، عصمت و عفت، عبادت و قناعت، امانت و صیانت، عرفان و ایقان، فصاحت و بلاغت، عظمت و جلالت کے مقامات اس قدر بلند تھے کہ آپ امام حسینؓ کی ہر مصیبت و بلا میں ہر وقت شریک رہیں اور جو امائمؑ نے چاہا وہی کیا حتیٰ کہ بھائی کے خیال سے اولاد کی فرقت میں بھی غم و الم ظاہر نہ ہونے دیا۔ صاحبؒ خصائص زینبیہؓ تحریر فرماتے ہیں کہ کتب تاریخ و حدیث عامہ و خاصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ عورت قریش و دختران و خواتین بنی ہاشم و دختران آل عبدالمطلب میں کثرت زہد و عبادت، عفت و عصمت و دفور عقل و فراست و آداب، جلالت و بزرگی، مکارم اخلاق میں امتیازی حیثیت رکھتی تھیں بلکہ آپ ملیکہ العرب و العجم حضرت خدیجہ الکبریٰ اور صدیقہ طاہرہ جناب فاطمہ الزہراءؑ کا نمونہ تھیں۔ جناب امیرؑ بھی آپ کا خاص احترام فرماتے تھے۔ جب آپ اپنے نانا رسول اللہؐ کی زیارت کے لیے رات میں تشریف لے جانا چاہتی تھیں تو جناب امیرؑ علیہ السلام خود اہتمام فرماتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ مسجد کے چراغ گل کر دیے جائیں اور خود آپ اور حضرات حسینؑ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے اور بعد زیارت گھر واپس لاتے تھے۔

## باب

حالات جناب یزید لام اللہ علیہا بوقتِ ونگی از مد و حالاتِ سفر

جب مدینہ میں امام حسین سے بیعت یزید کا سوال کیا گیا تو آپ نے بیعت سے انکار فرمایا اور مدینہ چھوڑنے کا ہتھیہ کر لیا۔ اُس وقت جناب زینب اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر سے اجازت حاصل کی اور امام کے ساتھ ہو گئیں۔ مولانا رازق الکجیری نے اس اجازت کے واقعہ کو اپنی کتاب ”سیدہ کی بیٹی“ میں تفصیل سے اور بڑے اچھے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہی ہم کتبہ نقل کر رہے ہیں:-

”بی بی زینب نے حضرت عبداللہ سے اجازت طلب کی محض آفات و مصائب کے خیال سے جب حضرت عبداللہ نے آپ کو اس سفر سے منع کیا تو حضرت زینب نے کہا میرے بھائی کا دنیا میں کوئی رفیق نہ رہا پاؤں تلے کی چوٹی بھی جان کی دشمن اور خون کی پیاسی ہے میں اس حالت میں اپنے بھائی کو کیسے اکیلا چھوڑ دوں۔۔۔۔۔ جب حضرت عبداللہ نے انہیں آفات و مصائب سمجھائے تو ان کی ہچکی بندھ گئی اور انہوں نے کہا اماں مجھے اس دن کے لیے نہیں چھوڑ کر گئی محقق کہ جب میرا بھائی بے یار و مددگار میکہ و تنہا اور دشمنوں کے زرعہ میں پھنس جائے تو میں دور بیٹھی سیریکھا کروں۔ عبداللہ نہیں معلوم ہے کہ میرا اور حسین بھائی کا پچھن برس کا ساتھ ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے

جدا نہیں ہوئے اب ہمارا بڑھاپا اور زندگی کا آخری دور ہے اگر اس وقت حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیا تو امان کو کیا منہ دکھاؤں گی جہنم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ ”زینبؑ میرے بعد حسینؑ کی ماں بھی ٹو ہے اور بہن بھی۔“ تمہاری اطاعت میرا فرض ہے لیکن اگر میں حسینؑ بھائی کے ساتھ نہ گئی تو جدائی نہ سہا سکوں گی۔ حضرت عبداللہؑ پر ہیوی کی اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے کہا ”بنتِ مفضلؑی تم اپنا دل بھاری تم کو تمہاری خوشی ہے تو میری طرف سے اجازت ہے تم حسینؑ کے ساتھ چلی جاؤ۔“

روایت ہے کہ جب امام حسینؑ کی روانگی کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو ہوئی تو انہوں نے امامؑ کو مدینہ چھوڑنے کے لیے منع کیا اور جب امامؑ نے اُن کی رائے سے اتفاق نہیں فرمایا تو اہلبیتؑ یعنی بی بیوں اور بچوں کو چھوڑ جانے کی رائے دی جناب زینبؑ نے جو بیس پردہ تھیں یہ سن کر کہا کہ اے ابن عباسؓ افسوس کہ آپ بھائی کو یہ رائے دے رہے ہیں کہ ہم کو یہاں چھوڑ جائیں، اے ابن عباسؓ ایسا ہرگز نہ ہوگا میں تو بھائی کا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گی اور انہیں تنہا نہ جانے دوں گی۔

مدینہ سے روانگی سے قبل یقیناً آپؑ کو آنے والے واقعات اور مصائب کا پورا علم تھا آپؑ جانتی تھیں کہ بھائیؑ مع عزیز و انصار زمینِ کربلا پر بھوکے پیاسے شہید ہوں گے اور آپؑ کی شہادت کے بعد اسیری و درپردگی کی مہیتیں اٹھانی پڑیں گی۔ باوجود اس علم کے اپنے بھائیؑ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس سے دو امر منکشف ہوتے ہیں ایک یہ کہ جناب زینبؑ کو امام حسینؑ سے اس قدر محبت تھی کہ بلاؤں اور مصیبتوں

کا برداشت کرنا منظور کر لیا مگر فرصت کی تلخی گوارانہ کی۔ دوسرے یہ کہ آپ کو بھی امام کے اس الہی مشن میں حصہ لینا تھا اور اس کی تکمیل بغیر آپ کی شرکت اور موجودگی کے ممکن نہ تھی۔ اگر یزید کے کفر و استبداد کا قلع قمع کرنے کے لیے امام حسینؑ کو جہاد بالعیف کرنا تھا تو جناب زینبؑ کو جہاد باللسان یعنی زبان سے جہاد کرنا تھا اور یہی آپ نے کیا اور کامیاب ہوئیں۔

صاحب ”ناسخ التواریخ“ لکھتے ہیں کہ جب امام حسینؑ نے سفر کا ارادہ فرمایا تو حکم دیا کہ محذراتِ عصمت و طہارت یعنی بہنوں، صاحبزادیوں اور دوسرے عزیزوں کے لیے محلیں تیار کی جائیں۔

فاضل دربرہی اعلیٰ اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو چالیس محلیں تیار تھیں جو دیبا و حریر سے مزین کی گئی تھیں۔ امام نے حکم دیا کہ بنی ہاشم اپنے محارم کو محلوں میں سوار کریں اور جب بیبیاں سوار ہو گئیں تو میں نے دیکھا کہ ایک جوان ہاشمی جو بلند قامت تھے اور جن کا چہرہ مثل مہتاب درخشاں تھا دولت سرا سے باہر تشریف لائے اور باواز بلند سرباشی مردوں کو کہا کہ ہٹ جائیں اور پردہ کا پورا انتظام و اہتمام کیا اس کے بعد دو بیبیاں برآمد ہوئیں جو نہایت شرم و وقار کے ساتھ چل رہی تھیں اور جن کے جسم از سر تا پا چھپے ہوئے تھے اور ان کے اطراف کنیزیں حلقہ کیے ہوئے تھیں۔ جب یہ بیبیاں محل کے قریب پہنچیں تو اس خوبصورت اور بلند قامت ہاشمی بزرگ نے ان دونوں کے ہاتھ تھام کر یکے بعد دیگرے محل میں سوار کرایا۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ بیبیاں جن کو اس قدر اہتمام و انتظام کے ساتھ سوار کیا گیا ہے کون ہیں اور وہ جوان ہاشمی کون ہے تو معلوم ہوا کہ بیبیاں جناب زینبؑ اور ام کلثومؑ جناب امیر علیہ السلام اور جناب فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی صاحبزادیاں ہیں اور جوان ہاشمی قمر بنی ہاشم

حضرت ابی الفضل العباس ابن علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اُن بیسیوں کے بعد دکنس لڑکیاں سوار کرائی گئیں جو جناب امام حسینؑ کی صاحبزادیاں جناب فاطمہؑ کی اور جناب سکینہؑ تھیں۔

جناب زینبؑ کی سواری کے واقعہ کو میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ نے کیا خوب بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں :-

پہنچی جو نہی ناتے کے قریں دختر حیدرؑ خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبطِ پیہرؑ  
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشہ چادرؑ تھے پردہ محل کو اٹھائے علی اکبرؑ  
فرزند کمر بستہ چپ و راست کھڑے تھے  
نعلین اٹھالینے کو عباسؑ کھڑے تھے

جب امام علیہ السلام کا قافلہ منزلِ خزیمہ میں پہنچا تو ایک رات یہاں قیام ہوا صبح کو جناب زینبؑ امّکم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور فرمایا کہ بھائی جان آدھی رات گزری ہوگی جب میری آنکھ کھلی تو ہاتھ کی میں نے آواز سنی کہ کہہ رہا ہوں  
الایا عین فاحتفلی بمجھدؑ ومن یہبکی علی الشہد ابعدیؑ  
علی قوم یشوقھم المناہیاؑ بمقدار الیٰ انجاز وعدیؑ  
ترجمہ :- اے میری آنکھ تو خوب آنسوؤں سے بھر جا۔ اور کون روئے گا شہیدوں پر میرے بعد اور ان چند لوگوں پر جن کو موت شوق دلاتی ہے تاکہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں جو ان کے لیے مقسوم ہو چکا ہے۔

امام حسینؑ نے یہ اشعار سن کر فرمایا یا اختاہ کل الذی قضی فھو کاشن یعنی جو چیز قضا و قدر میں مقرر ہو چکی ہے وہ ہو کر رہے گی۔

جب امام علیہ السلام منزلِ ربیمہ پر پہنچے اور حرّ ابنِ ریحی سے ملاقات ہوئی اور یہ آپؑ کے سدا راہ ہوئے تو امّکم نے ان پر نفیر کی حضرت سکینہؑ فرماتی ہیں کہ میں



یہ واقعہ دیکھ کر پھوپھی اماں کے پاس گئی اور روتے ہوئے سارا ماجرہ بیان کیا اور پھوپھی زینب نے ان الفاظ میں مذہب اور استغاثہ فرمایا :-

” واجداه واعلیا واحسناء واحسینا واقلة  
ناصرہ لا ادری کیف المخلص من ایدی  
الاعادی ولیت الاعادی یرضون ان  
یقتلون بدلا عن اخی۔“

ترجمہ :- ہائے نانا۔ ہائے بابا علی۔ ہائے حُسن۔ ہائے حسین  
ہائے انصار کی قلت معلوم نہیں دشمنوں سے کیونکر نجات ملے گی۔ اے کاش دشمن  
اس بات پر راضی ہو جائیں کہ میرے بھائی کے بدلے ہم سب کو قتل کر دیں۔

جناب زینب کے ان الفاظ سے امام حسین سے آپ کی شدتِ محبت کا اظہار  
ہوتا ہے۔ آپ تمنا کر رہی ہیں کہ اعداء سب مرد اور عورتوں کو قتل کر دیں اور امام حسین  
علیہ السلام کو زندہ چھوڑ دیں۔ جب جناب امام حسین کو بہن کی بیقراری اور اضطراب کا  
حال معلوم ہوا تو آپ خیمے میں تشریف لائے اور جناب زینب نے آپ سے فرمایا اے  
بھائی ان اشقیاء سے تمام حجت فرمائیے اور رسولؐ سے اپنی قربت و قرابت کا اظہار  
کیجیے۔ امامؑ نے فرمایا اے بہن میں نے انہیں بہت سمجھایا، پند و نصیحت کی، ان کے  
خطوط بتائے لیکن یہ ایسی گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور طمع دنیا ان پر ایسی غالب  
ہو گئی ہے کہ یہ اپنے فاسد ارادوں سے باز نہ آئیں گے اور مجھے قتل کریں گے اور خاک و  
خون میں لوٹا دیکھیں گے۔ اے بہن میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ آنے والی بلاؤں  
اور مصائب پر صبر کرنا میں تم کو آگاہ کیے دیتا ہوں کہ نانا رسولؐ اللہ نے مجھے میری شہادت  
کی خبر دے دی ہے اور یہ غلط نہیں ہو سکتی۔

امام حسینؑ دوسری محرم کو کوہِ مطہ پر پہنچے اور جب خیمے نصب ہو چکے اور آپ نے اپنے

خیمہ میں قیام فرمایا تو اس روز شام میں تلوار کو صیقل کرتے جاتے اور اشعارِ ذیل پڑھتے جاتے تھے:

یاد دھرائے لک من خلیل	کہ لک بالاشراق ولا صیل
من صاحب و طالب قتیل	والدھر لا یقنع بالبدیل
وکل حی سالد سبیل	ما اقرب الوعد من الرحیل
دائما الامر الی المجلیل	سبحان ربی مالہ مثیل

ترجمہ :- اے زمانے تیری دوستی پر تفت ہے صبح و شام تیرے کئی ساتھی خون کے طالب ہیں اور زمانہ معاوضہ قبول نہیں کرتا۔ ہر زندہ وہی راستہ چلے گا جو میرا ہے۔ کوچ سے وعدہ کتنا ہی قریب ہے۔ بیشک حکم رب جلیل کا ہے اور پاک ہے رب جس کی کوئی مثال نہیں۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار بار بار یہ اشعار پڑھتے تھے اور میں سُن کر مغموم و محزون اور آبِ دیدہ ہوتا تھا کہ آپ اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ میں نے تو اس وقت صبر سے کام لیا اور اضطرابِ ظاہر نہیں کیا اس لیے کہ اہلبیت پر نشان نہ ہوں لیکن جب پھوپھی زینبؓ نے اشعار سُن لیے تو اُن سے ضبط نہ ہو سکا اور روتی ہوئی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور فرمایا یا اخی و قرة عینی لیت الموت اعدمتی یا خلیفۃ الما صیین و جمال الباقین (اے بھائی اے میری آنکھوں کے نور اے خلیفہ پیشین اے طلیعہ جمال و اسپس کاش موت مجھے دنیا سے اٹھالے اور میری زندگی ختم ہو جائے)

صاحبِ اعلام الوریؑ کہتے ہیں کہ جناب امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ یہ اشعار امام حسینؑ نے شبِ عاشورا ارشاد فرمائے اور جناب زینبؓ سُن کر بہ قرارِ ہو گئیں اور روتی ہوئی ایسی حالت سے کہ آپ کی چادر زمین پر لٹک رہی

تھی، درخیم پر تشریف لائیں اور فرمایا۔ وَاَتَكْلَاهُ لَيْتَ الْمَوْتُ اَعْدَمَتْنِي  
 الْحَيَوَةُ الْيَوْمَ مَا تَتَّحِي فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ وَالْبِي عَلَى وَاحِي الْحُسَيْنِ  
 يَا خَلِيفَةَ الْمَاضِيَيْنِ وَتَمَالِ الْبَاقِيْنَ (اے جانشین گذشتگان آ  
 ملجا وادائے باقی ماندگان، افسوس ہے اس مصیبتِ جاں سوز پر اے کاش  
 کہ موت میری زندگی کا خاتمہ کر دے، آج اماں فاطمہ الزہراء، بابا علیؑ اور بھائی حسینؑ  
 کی موت واقع ہوتی۔)

ہم اے خیال میں امام حسینؑ کا شبِ عاشورا ان اشعار کا پڑھنا قرین قیاس  
 صاحب "اعلام الوری" کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کتاب منتخب وبعض تواریخ  
 میں بھی یہ اشعار اور جناب زینبؑ کی گفتگو درج ہے۔

کتاب "مبکی البیون" میں روایت ہے کہ ایک روز جناب زینبؑ نے حضرت  
 سید الشہداءؑ سے سوال کیا کہ اے بھائی کیا آپ کی مصیبت حضرت آدمؑ کی مصیبت سے  
 بزرگ تر ہے تو اماں نے جواب دیا اے بہن آدمؑ چند روز کی جدائی کے بعد حضرت جوا  
 سے مل گئے تھے لیکن میں نانا اور مادرِ گرامی کی وفات کے بعد شہید ہوں گا پھر جناب  
 زینبؑ نے پوچھا کہ حضرت خلیل اللہ ابراہیمؑ کی مصیبت کو آپ کی مصیبت سے کیا امتیاز  
 ہے؟ اماں نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ جب آگ میں پھینکے گئے تو ان پر آگ سرد ہو گئی  
 اور گلستاں ہو گئی لیکن آتشِ حرب مجھ پر تیز ہوگی تو مجھے ہلاک کر کے چھوڑے گی۔

پھر جناب زینبؑ نے پوچھا کہ حضرت زکریاؑ کی مصیبت عظیم تر تھی یا آپ کی تو حضرت  
 نے جواب دیا کہ حضرت زکریاؑ کو بعد شہادت دفن کر دیا گیا تھا لیکن میری لاش  
 تین روز تک بلا گور و کفن رہے گی اور لاش کا شلہ کیا جائے گا (یعنی اس پر گھوڑ  
 دوڑا کر اس کو پاش پاش کیا جائے گا) پھر جناب زینبؑ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰؑ  
 کی مصیبت سے آپ کی مصیبت کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت

یحییٰؑ کا سر بیغِ ظلم سے کاٹا گیا لیکن بعدِ شہادت اُن کے اہل بیت پر ظلم و ستم نہیں کیا گیا اور نہ اُن کو قید کیا گیا، لیکن میرا سر قطع کرنے کے بعد اعداء اُسے نیزہ پر چڑھائیں گے اس کی تشہیر کریں گے اور تم کو اور میرے اہل و عیال و اطفال سب کو قید کریں گے پھر جناب زینبؑ نے پوچھا کہ حضرت ایوبؑ کی مصیبت زیادہ تھی یا آپ کی، تو امامؑ نے فرمایا کہ حضرت ایوبؑ کے زخم درست ہو گئے تھے لیکن میرے زخم درست اور مندمل نہ ہوں گے۔ لکھا ہے کہ بعدِ شہادتِ امام حسینؑ جب جناب زینبؑ قتل گاہ پہنچیں تو اُن انبیاء کے مصائب سے اپنے بھائی کی مصیبتوں کا مقابلہ فرما کر اور یہ بتا کر کہ آپ کے مصائب اُن انبیاء کے مصائب سے شدید تر اور عظیم تر ہیں نوہ فرمایا۔

یہاں ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسلام میں جو سب سے پہلا سر نیزہ پر بلند کیا گیا وہ سراقہؓ حضرت امام حسین علیہ السلام سید الشہداء کا تھا۔ سید نعمت اللہ الجزائر کی کتاب ”الوار النعمانیہ میں تحریر فرماتے ہیں رُوی عن عاصم وعن زرقا اول راس حمل فی الاسلام علی راس الحسین بن علی علیہما السلام۔ (عاصم اور زرقا راوی ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلا سر جو نیزہ پر بلند کیا گیا وہ سر حسین ابن علی علیہما السلام تھا۔)

# باب

## حالات و واقعاتِ کربلا قبل و بعد شہادتِ امام حسین علیہ السلام

واقعاتِ شبِ عاشورا : ابن اثیر تاریخِ کامل میں لکھتے ہیں کہ شبِ عاشورا

جب امام حسین اپنے اصحاب و انصار سے گفتگو

فرما چکے اور جانے والے ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور رہتے والے رہ گئے تو آپ اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے اپنی تلوار پر قتل فرماتے ہوئے یہ اشعار یاد دہرائے کہ فی خلیل پڑھتے جا رہے تھے۔ جناب زینبؓ نے جب یہ سنا تو جناب امام حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ کلمات عرض کیے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

بعض کتبِ معتبرہ میں ہے کہ جب جناب زینبؓ نے امام حسینؓ کے یہ اشعار سنے تو گریہ فرمایا اور اظہارِ اضطراب و بیقراری کیا تو امام حسینؓ نے فرمایا: اختاکہ لایذہبن بحلمک الشیطان دے بہن شیطان کہیں تمہارا حلم و صبر نہ چھین لے۔ جناب زینبؓ نے فرمایا کیا یہ ممکن ہے کہ میں قتل ہو جاؤں اور آپ پر قربان ہو جاؤں اور آپ نک جائیں۔ امامؓ نے جواب دیا: لو ترک القطام لتام (یعنی اگر صیاد مرغِ قطام کو اُس کی حالت پر چھوڑ دے تو وہ سو سکتا ہے) اس ارشاد سے امام علیہ السلام کا بظاہر یہی مقصد تھا کہ اگر دشمنانِ دین مجھے میری حالت پر چھوڑ دیں تو اللہ زندگی ممکن ہے لیکن ایسا نہ ہو گا۔ لکھا ہے کہ امامؓ کا یہ کلام سن کر جناب زینبؓ اس قدر متاثر ہوئیں کہ پیش ہو گئیں اور جب آپ کو ہوش آیا تو امامؓ نے فرمایا کل شیء ھالک الا وجہہا لما الحکم والید تترجعون فاین ابی وجدی الذان خیرتی

وَلِكُلِّ مَسْلَمَةٍ اُسُوَّةٌ حَسَنَةٌ ( ہر چیز ہلاک و فنا ہونے والی ہے سوائے ذاتِ خدا کے اور اسی کے لیے حکم و اقتدار ہے اور سب اُسی کی طرف لوٹائے جانے ہیں۔ کہاں ہیں میرے باپ اور میرے نانا جو مجھ سے بہتر تھے۔ میرے اور میرے مسلم کے لیے ان کے اُسوۂ حسنہ کی تقلید ضروری ہے۔ ) یہ فرما کر آپ نے جنابِ زینبؓ کو تسلی و تسفی دی اور خدا کی قسم دے کر فرمایا کہ اے بہن صبر کرنا۔ میری موت پر نالہ و فریاد نہ کرنا، اگر سیان چاک نہ کرنا اور لطم نہ کرنا (منہ پر طمانچہ مارنے کو لطم کہتے ہیں) اس کے بعد جنابِ زینبؓ کو ساتھ لیے ہوئے جنابِ امام زین العابدینؓ کے پاس آئے اور بہن کو یہاں بٹھا کر خود اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اگر ہم غور و فکر سے کام لیں کہ جنابِ زینبؓ کو بھائی کی گفتگو سے آپ کی موت کا یقین ہو گیا ہوگا تو آپ کے قلب پر کیا گزری ہوگی اور پھر کس بلا کا صبر کیا ہوگا۔ یہ ایک تصورِ عمر بھر خون کے آنسو رلانے کے لیے کافی ہے۔

میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس روایت کے مضمون کو خوب بانڈھا لکھتے ہیں :-

وہ حمد کے لائق ہے سزاوارِ ثنا ہے      ہے اس کو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے  
راخت نہیں دنیا میں کہ یہ دارِ فنا ہے      آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے  
ہے کوئی بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو ؟

دنیا میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں      جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں ؟  
ہم سب جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں      پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں ؟  
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا

جب احمد مرسل نہ رہے کون رہے گا ؟

تھے مجھ سے بھی بہتر مرے جڑو پڑوائے      کیا ہو گئے اب ان کو کہیں بچتی ہو تم  
 رہتا ہے سدا بحر جہاں میں یہ تلاطم      اک چشمِ زون میں کوئی پیدا تو کوئی گم  
 دشمن ہے کبھی دوست کبھی دوستِ عدو ہے

ہم لوگ زمانے میں جناب لب جو ہیں

کتاب ”اسرار الشہادۃ“ اور بعض دیگر کتب میں لکھا ہے کہ نویں محرم  
 کی شام کو عمر سعدؓ نے شمر ملعون کے اصرار پر لشکر کو حکم دیا کہ مسلح ہو جائے اور شور و  
 غوغا مچاتے ہوئے امام علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں پر حملہ کر دے چنانچہ ایسا  
 ہی ہوا۔ اُس وقت نہایت حالت پریشانی میں جناب زینبؓ امام حسینؓ کے خیمے  
 میں آئیں تو دیکھا کہ آپ تلوار پھیل کرتے کرتے زانو پر سر رکھ کر آرام کر رہے ہیں  
 جناب زینبؓ خاموش کھڑی ہو گئیں۔ اتنے میں امامؓ بیدار ہوئے اور فرمایا آ  
 بہن ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے نانا محمد مصطفیٰ اور بابا علی مرتضیٰؑ اماں  
 فاطمہ الزہراؑ اور بھائی حسنؓ مجھے کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ آ  
 حسینؓ جلد ہمارے پاس آؤ۔ اور بعض روایات میں ہے کہ فرمایا ”کل ہمارے  
 پاس چلے آؤ۔“ اور بعض روایات میں ہے کہ ان بزرگواروں نے فرمایا املک  
 ستروح الینا۔ یعنی ”تم عنقریب ہمارے پاس آؤ گے۔“ جناب زینبؓ  
 نے پس کر صیغہ فرمایا اور اپنے رخسار پر طمانچہ مارے۔ امام علیہ السلام نے بہن  
 کو تسلی دی اور فرمایا کہ ”اے بہن خدا کی رحمت تم پر ہوگی اس قوم جفا کار کی ایذا  
 رسانی اور شہادت کا خیال نہ کرو۔“

حالات روزِ عاشورا : روزِ عاشورا جناب زینبؓ کے دو صاحبزادے  
 اور بہر روایت تین صاحبزادے شہید ہوئے

تواریخ و مقاتل میں لکھا ہے کہ روزِ عاشورا جب میدانِ قتال و جدال گرم ہوا اور

امام علیہ السلام کے اصحاب انصار اور بعض بنی ہاشم کام اچکے تو جناب زینب اپنے دو صاحبزادوں حضرت محمد اور حضرت عون کے ہاتھ پکڑے ہوئے حضرت سید الشہداء کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ”اگر عورتوں کے لیے جہاد اور قتال جائز ہوتا تو میں خود اپنی جان ایک نہیں ہزار بار آپ پر فدا کرتی لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے اس لیے میرے عوض ان میرے دو بیٹوں کی قربانی قبول ہو۔ امام علیہ السلام نے بہ مشکل آپ کی استدعا قبول فرمائی۔ دونوں صاحبزادوں نے جہاد کیا اور شہید ہو گئے۔ تواریخ میں ہے کہ جب ان صاحبزادوں کی شہادت کی خبر جناب زینب کو ہوئی تو آپ نے بڑے صبر و تحمل سے کام لیا۔ نہ تو خیمہ سے باہر آئیں اور نہ آواز سے گریہ و لوہہ فرمایا تاکہ امام کو رنج و ندامت نہ ہو۔

ناسخ التواریخ میں ہے کہ روز عاشورا جب جناب علی اکبر شہید ہو گئے تو امّ نے اُن کی نعش لا کر اہل بیت کے خیمے کے در پر رکھ دی۔ حمید ابن مسلم جو لشکر ابن سعد علیہ العن کا واقع نگار تھا بیان کرتا ہے کہ جب حضرت علی اکبر کی لاش درخیمہ پہنچی تو ایک بی بی حالت اضطراب و انتشار میں خیمہ سے باہر نکل آئیں اور یا شمرؓ فوادؓ یا قترؓ عیناؓ (اے میرے جگر کے ٹکڑے، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک) کہتی ہوئی نعش سے لپٹ گئیں اور سخت نالہ و گریہ فرمایا۔ امام حسینؓ آپ کا بازو محکم کر آپ کو خیمہ میں لے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بی بی جناب زینبؓ خاتونؓ امیر المؤمنین علیؓ علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں تواریخ و مقاتل بتاتے ہیں کہ جناب امام حسینؓ کو بھی اپنے نوجوان صاحبزادے سے بید محبت تھی چنانچہ جب صاحبزادہ شہید ہو گیا تو امامؓ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا ”خداوند! تو گواہ رہنا کہ اس قوم نے آج اس جوان رعنا کو قتل کیا ہے جو خلق میں، خلق میں سب سے زیادہ تیرے نبیؐ سے مشابہ تھا اور عمر بن



کو مخاطب کر کے فرمایا ”اے سعد کے بیٹے تو نے میری نسل قطع کی خدا تیری نسل قطع کرے“ غور کرو کہ امام علیہ السلام کی دعا کس طرح قبول ہوئی کہ امامؑ کی نسل تو اب تک باقی ہے لیکن دنیا میں عمر بن سعدؓ کا کوئی نام لیا بھی نہیں ہے کتب مقاتل اور تاریخ میں سوائے اس ایک موقع کے امامؑ کا عمر ابن سعدؓ یا لشکر اعدا کو بے عادی نہ کیا پتہ نہیں چلتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوان علی اکبرؑ کی شہادت کا امامؑ کو کس قدر صدمہ ہوا ہوگا اور یہ آپؑ کا کس قدر عظیم و شدید امتحان تھا جو خدائے تعالیٰ نے آپؑ کا لیا۔

کتاب ”اسرار الشہادۃ“ میں مسطور ہے کہ بروایت، جب حضرت علی اکبرؑ کی لاش اہل بیتؑ کے خیمہ کے قریب پہنچی تو سب سے پہلے ایک بی بی جن کا چہرہ مثل چوڑھویں رات کے چاند کے درخشاں تھا خیمہ سے باہر نکل آئیں اور اولادہ و امہ ہجرت قلباہ یا لیستی کنت قبل ہذا الیوم عمیاء او کنت و سدت تحت اطباق الثریٰ (ہائے بیٹا ہائے میرے دل کے ٹکڑے کاش میں پہلے ہی اندھی ہو جاتی یا زمین میں دھنس جاتی اور یہ دن نہ دیکھتی) فرماتی ہوئی لاش سے لپٹ گئیں اور شدت سے رونے لگیں۔ امام حسینؑ نے بازو مضام کر ان کو خیمہ میں پہنچایا، یہ بی بی جناب زینبؑ خاتون علیہا السلام تھیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ کتب مقاتل و تاریخ سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ جب دوسرے اعزاء اور اقربا رہا نہ تھے کہ خود جناب زینبؑ کے صاحبزائے شہید ہوئے تو آپؑ خیمہ سے باہر نہیں نکلیں جب اٹھارہ برس کے کربیل جوان علی اکبرؑ (جو صورت و سیرت، چال اور آوازیں رسول اللہؐ سے سیدمشاہ تھے) کی لاش خیمہ کے قریب آئی تو چادر و مقنع کا بھی آپؑ کو لحاظ نہ رہا اور بے پردہ بیساختہ خیمہ سے نکل پڑیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپؑ کو اپنے جوان بھتیجے سے کس قدر محبت و الفت تھی

اور ان کی شہادت کا کس قدر آپ کو صدمہ ہوا حضرت علی اکبر کی لاش پر حضرت زینب کی آمد اور اس وقت آپ کی حالت جو ہوئی اس کی میرا نسیں اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنے الفاظ میں کیا خوب تصویر کشی کی ہے۔ کہتے ہیں :-

ہلتے تھے درگوش کھلا تھا سر انور اک دوش پہ اک خاک پہنھا گوشہ چادر  
گرتی تھیں کبھی اک بھی چلائی تھیں اٹھ کر ہے بے علی اکبر علی اکبر علی اکبر

منزل کا پتہ مجھ کو نہ دیتے گئے واری

اس پالنے والی کو نہ لیتے گئے واری

کتاب "اسرار الشہادہ" اور "ہیج الاحزان" میں لکھا ہے کہ روز عاشورا جب امام حسین کے سب اعلان والنصار، عزیز و اقارب جام شہادت نوش فرما چکے اور آپ تنہا رہ گئے تو جہاد کا قصد فرمایا اور میدان کارزار میں جانے سے قبل اہل بیت کے خیمہ میں رونق افروز ہوئے اور سب محذرات عصمت و طہارت کو وداع کرنے کے بعد جناب زینب سے فرمایا "اے بہن میرے شیر خوار بچے علی اصغر کو میرے پاس لاؤنا کہ میں اس سے بھی رخصت ہوں" جناب زینب نے صاحبزادے کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا اور فرمایا کہ یہ بچہ تین روز سے بھوکا پیاسا ہے اگر ممکن ہو تو اس قہر سنگدل سے اس کے لیے حقوڑا سا پانی طلب کیجیے۔ یہ سنکر امام علیہ السلام صاحبزادہ کو گود میں لے کر میدان جنگ میں تشریف لائے اور عمر ابن سعد اور لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا "اے قوم تم نے میرے انصار و اقربا کو قتل کیا مجھ سے نکت عہد بیعت کیا میرا شیر خوار بچہ پیاسا ہے اس کو پانی پلا دو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شدت پسں سے اس کی کیا حالت ہو گئی ہے اور یہ معصوم بے خطا ہے" یہ بھی روایت ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا "کہ" میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم مجھے پانی دو کہ میں بچے کو پلاؤں۔ نہیں تم خود چند قطرے اس کے منہ میں ڈال دو" میرا نسیں اعلیٰ اللہ مقامہ

نے اسی روایت کے مضمون کو یوں نظم کیا ہے۔ کہتے ہیں :-

میں یمنہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لادو تم آپ اسے آن کے چلو سے پلا دو  
مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچے کو جلا دو اللہ کیلئے میرے آگ بجھا دو  
جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے  
اے ظالمو اٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

امام علیہ السلام ابھی تقریر فرما رہے تھے کہ حرمہ بن کاہل علیہ العن نے ایک تیر  
سہ پہلو تاک کر مارا جو مصوم کے حلقوم مبارک پر لگا اور صاحبزادہ باپ کی گود میں  
شہید ہو گیا۔ میرا تیس کہتے ہیں :-

سمیل سکینہ حیدر آباد سندھ پاکستان

اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح ڈھل آئے  
نٹھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

امام حسین اپنے چھوٹے اور نٹھے شہید کو سینہ سے لپٹائے ہوئے نیمہ میں آئے  
اور ننھی لاش جناب زینب کو دیکھی اور بچے کے گلے سے خون جاری تھا وہ اپنے  
دلوں ہاتھوں میں لیا اور لیش مبارک پر لیا اور فرمایا کہ روز قیامت نانا رسول  
اللہ سے اسی شکل و حالت سے ملاقات کروں گا۔

کتاب ”لور العین“ میں چند اشعار درج ہیں۔ لکھا ہے کہ جناب ام کلثوم نے  
یہ اشعار حضرت علی اصغر کی شہادت پر کہے۔ صاحب ”طراز المذہب“ فرماتے ہیں  
کہ یقیناً یہ اشعار جناب زینب کے ہیں ام کلثوم آپ کی ہی کنیت تھی شعر درج ہے  
ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے :-

”اے لوگو اس چھوٹے اور نٹھے پیا سے کے لیے میرا دل کس طرح روتا اور افسوس  
کرتا ہے۔ اس کی دودھ چھڑائی تیروں سے ہوئی اور وہ جوان ہوئے بھی نہ پایا۔ اُن  
لوگوں نے اس کے والدین کے دلوں کو جلا دیا۔ ان کی تذلیل کی اور ان سے انتقام لیا۔

اللہ ہمارے اور ان کے درمیان حشر کے دن فیصلہ فرمائے گا، جب جھگڑے چڑکائے جائیں گے۔“

مروی ہے کہ امام حسینؑ لاش علیؑ اصرافؑ اپنے سینہ سے لگائے ہوئے خیمہ اہلبیتؑ پر پہنچے تو آپ موصوم کے خون میں بھرے ہوئے تھے اور اس سے مخضب تھے۔ بیسیاں یہ حال دیکھ کر آپ کے اطراف جمع ہو گئیں اور لوحہ اور گریہ کرنے لگیں۔ جناب زینبؑ نے نفی سی لاش امامؑ سے لی اور سینہ سے لگا کر کہنے لگیں وا محمد اہ واعلیا ہ ما ذالقینا بعد کما من الاعدا ء والیضاۃ علی طفل بدما واسفاہ علی ضیح قطع لبسہام الاعدا وواحدناہ علی قریحہ الحجن والاحشاء ترجمہ :- وا محمد اہ واعلیا دیکھیے آپ کے بعد دشمنوں نے ہم سے کیا سلوک کیا! ہائے افسوس ہے اس بچے پر جو اپنے خون میں رنگ دیا گیا۔ ہائے افسوس اس شیر نوار پر جس کا دودھ تیروں سے چھڑایا گیا۔ ہائے افسوس اس پر جس کی آنکھیں اور انٹریاں پارہ پارہ ہو گئیں۔ یہ الفاظ جناب زینبؑ کے ہوں یا جناب ام کلثومؑ کے آخری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اصغر کو مرنے لگا تھا بلکہ اُن پر وقت واحد میں کئی تیر چلا دیے گئے جن سے آپ کی آنکھیں اور اعضاء زخمی اور ضائع ہوئیں اور صاحبزادہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

امام حسینؑ کے اس دودھ پیتے بچے کے اس بے رحمانہ قتل سے سردارانِ بزمِ اور لشکریوں کی (جو خود کو مسلمان کہتے تھے) چند کیفیات کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ مسلمان نہ تھے اور اگر مسلمان تھے بھی تو بڑے نام مسلمان تھے۔ انہوں نے مجبوراً یا مصلحتاً ذاتی نفع اور حصولِ دنیا کے لیے اسلام قبول کر رکھا تھا۔ اُن کے دلوں میں نہ خوفِ خدا تھا نہ رسولؐ کی محبت اور نہ یہ اسلامی تعلیم پر چلتے تھے۔ دوسرے یہ ان کا ظاہری اسلام ان سے ایامِ جہالت و کفر کی شقاوت، عدالت اور نبیست

کو دُور نہ کر سکا۔ چونکہ ان لوگوں نے اور اُن کے باپ داداؤں نے رغبت و شوق سے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لیے اُن کے قلوب کی صفائی اور طہارت کبھی نہیں ہو سکی جہالت کی ناپاکی میں مبتلا ہے اور واصلِ جہنم ہوئے۔ تیسرے یہ کہ اس ارشادِ باری کی **الْاَکْفَرَاتِ اَسْتَكْفَرْنَ وَتُفَاکَا** کی تفسیر و تصدیق ہوتی ہے۔ خاندانِ رسولؐ کے ایک معصوم بے خطا شیرِ خوار کا قتلِ عمدیہ ظاہر کرتا ہے رسول اللہؐ علیٰ اور اولادِ علیؑ سے ان اشقیاء کے دلوں میں اس قدر بغض و کینہ اور دیرینہ عداوت تھی کہ اسلام لانے کے بعد بھی دُور نہیں ہوئی بلکہ اس میں اور شدت و زیادتی ہوئی غور کرو کہ آخر یہ بغض و کینہ کس لیے تھا؟ اس لیے کہ دینِ الہی یا اسلام کے قیام اور حفاظت کے لیے رسول اللہؐ کو چند لڑائیاں لڑنی پڑیں اور اُن لڑائیوں میں حضرت علیؑ مرتضیٰ کی تلوار سے چند سردارانِ کفار مارے گئے اور بس۔ ہمارا آئے دن کا تجربہ ہم کو بتاتا ہے کہ اب بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ایسے ہیں جن کے دلوں میں آلِ محمدؐ کی عداوت ایسی شدت کے ساتھ ہے جیسا کہ بنی اُمیہ اور یزیدیوں کے دلوں میں تھی۔ اگرچہ لعنتِ ملامت کے خوف سے اُس عداوت کو وہ کھلم کھلا ظاہر نہیں کر سکے نفاق سے کام لیتے ہیں۔ منہ سے آلِ محمدؐ اور اہلِ بیتؑ کی دوستی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے اعمال و کردار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے قلوب میں محبت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ **يَقُولُونَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ** (یہ لوگ منہ سے جو کہتے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے) ہم اپنی آنکھوں سے ہر سال دیکھتے ہیں کہ روزِ عاشوراء یعنی دسویں محرم کو بہت سے مسلمان عید مناتے اور اس دن کو یومِ العید کہتے ہیں اور سب مرد اور عورتیں خصوصاً عورتیں لباسِ فاخرہ پہنتی ہیں۔ عطر مٹی، کا جل لگاتی ہیں۔ بچوں کو عید کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ اُن کی بعض عورتیں مجالسِ حضرت سید الشہداءؑ میں آتی ہیں تو ایسا لباس پہن کر جو شادی بیاہ یا کسی خوشی کی تقریب

کے لیے مزدوں ہوتا ہے نہ کہ غم و ماتم کی مجلس سے مناسبت رکھتا ہے۔ ہم ان مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ کیا محبت و تولا کے یہی معنی ہیں کہ جس روز محمد مصطفیٰ کا گھرتباہ و برباد کر دیا گیا اُس روز بجائے سیاہ پوش ہونے، غم و سوگ کرنے اور خاک اڑانے کے عید منائی جائے، اظہارِ مسرت و شادمانی کیا جائے اور جو لوگ غم منائیں، خاک اڑائیں، سروِ پا برہنہ رہیں، روئیں بیٹیں تو اُن کی علانیہ طور پر دل آزاری اور تذلیل کی جائے ہم ان مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا کسی گھر میں ایک موت بھی واقع ہو جاتی ہے تو اس گھر میں اس خاندان میں اُس روز عید منائی جاتی ہے اور سامانِ مسرت شادمانی فراہم کیے جاتے ہیں؟ اسلام یا کوئی اور مذہب اس خلافِ فطرت طریقہ کو کہ غم میں خوشی اور خوشی میں غم کیا جائے جائز نہیں رکھتا۔ دوست و دوست اگر کسی سلیم الطبع، بادین، باایمان کا دشمن بھی مر جائے تو وہ اخلاقاً اظہارِ مسرت کرنا کم ظرفی، کمینہ پن اور جہالت تصور کرتا اور اس سے پرہیز کرتا ہے۔ الغرض حضراتِ محمد و آلِ محمد کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کی مصیبت پر ایسے افعال و اعمال کا بجالانا جن سے اظہارِ خوشی و مسرت ہو قابلِ افسوس ہے۔ چوتھے یہ کہ بعض علماءِ متقدمین و متاخرین کا نظریہ اور خیال کہ ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ کو دیکھا یا آپ کی صحبت میں رہا وہ خیر پر تھا۔ ہماری رائے میں غلط اور نحوستِ تاریخ بتاتی ہے کہ روزِ عاشوراکر بلا میں رسول اللہ کے بعض اصحاب امام حسین کے ساتھ تھے اور بعض یزید کے لشکر میں تھے یعنی بعض اسلام و ایمان کے حامی تھے تو بعض کفر و الحاد کے یار و مددگار تھے۔ اگر محض رسول اللہ کی صحبت ہر شخص کے دل کو نورِ محمدی کی شمعوں سے روشن و منور کر سکتی تو ممکن نہ تھا کہ کربلا میں روزِ عاشوراکر بعض اصحابِ رسول لشکرِ یزید یعنی کفر و الحاد میں نظر آتے۔ ایسا نظریہ رکھنے والے

علماء نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ آفتاب جہاں تاب دنیا کی ہر شے پر اپنی شعاعیں اپنا نور ڈالتا ہے لیکن وہی شے اس کے نور کو اخذ کر سکتی ہے اور اسے روشن ہوتی ہے جو خود مصطفیٰ و مجتبیٰ ہو۔ ایک صاف آئینہ میں آفتاب کا عکس پڑ کر وہ آب و تاب دکھاتا ہے کہ انسان کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اس کے عکس ایک سیاہ آئینہ پر آفتاب کی شعاعیں بے اثر ہوتی ہیں، ایسا کہ گویا آفتاب نے اپنا نور اس پر ڈالا ہی نہیں، حالانکہ اس نے ڈالا اور اسی طرح ڈالا جیسا کہ شفاف آئینہ پر ڈالا تھا۔ اسی طرح انسانی قلب کی حالت ہے کہ جو قلوب مصطفیٰ و مجتبیٰ ہوتے ہیں وہی یہ قابلیت رکھتے ہیں کہ نورِ دلائل محمد و آل محمد کو قبول کر سکیں اور جو قلوب سیاہ و کثیف ہوں ان پر اس نور کا کچھ اثر نہیں ہوتا پس رسول اکرم کے وہ صحابہ جو صفائی قلب اور سچے دل سے آپ پر ایمان لائے وہ تو آپ کے نور سے فیض یاب ہوئے اور جن کے قلوب سیاہ و مکدر تھے اور جنہوں نے طوعاً و کرہاً یا مصلحتاً آپ پر ایمان لانے کی زحمت گوارا کی تو وہ آپ کے نور سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے اور ان کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ:

خمر عیسیٰ اگر بسکہ رود چوں بیاید منور خرم باشد

بروایت طبری علیہ الرحمۃ حضرت علی اصغر کا اسم مبارک عبد اللہ تھا اور آپ کو علی اصغر پکارتے تھے جناب علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام علی اکبر کہتے جاتے تھے اور عام طور سے جن کو علی اکبر کہتے ہیں وہ درحقیقت علی اوسط تھے۔

بحر الصائب میں لکھا ہے کہ روز عاشورا جب امام حسین اہل بیت اور امام زین العابدین سے رخصت ہونے کے لیے خمیر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ امام زین العابدین ایک چمڑے پر سخت تکلیف کی حالت میں لیٹے ہیں اور جناب زینب

آپ کی تیمارداری کر رہی ہیں۔ جناب امام زین العابدین نے پدر بزرگوار کو دیکھا تو تعظیم کے لیے اٹھنا چاہا لیکن شدت ضعف و نقاہت سے اٹھ نہ گیا اور جناب زینب سے عرض کیا کہ سہارا دے کر اٹھائیں۔ جناب زینب نے آپ کو اٹھایا اور اپنے سینہ پر تکیہ دے کر بٹھایا۔ امام حسین نے مزاج پُرسی کی۔ امام زین العابدین شکر خدا بجالائے اور عرض کیا کہ اے بابا اس گروہ منافقین نے آپ کے کسا بڑا سلوک کیا۔ امام حسین نے جواب دیا **قد استحوذ علیہم الشیطان فانسہم ذکر اللہ المتان** (غالب آگیا شیطان ان پر اور مہلادیا ان کے دلوں سے ذکر اللہ المتان) پھر امام زین العابدین نے پوچھا کہ اے بابا چچا عباس کہاں ہیں؟ آپ کا سوال سن کر جناب زینب کا چہرہ زرد ہو گیا اور امام حسین کے چہرہ اقدس سے حزن و ملال ظاہر ہوا اور آپ نے فرمایا بیٹا تمہارے چچا عباس کتارہ فرات شہید کر دیے گئے۔ پھر جناب امام زین العابدین نے حضرت علی اکبر اور ہر ایک عزیز کا فردا فردا نام لیا اور ان کے متعلق دریافت کیا تو امام حسین نے فرمایا کہ بیٹا سب شہید ہو گئے اب مردوں میں سولے تمہارے اور دیگر کوئی باقی نہیں اور میں بھی اب وعدہ شہادت پورا کرنے جا رہا ہوں۔ امام زین العابدین نے یہ سن کر بہت گریہ فرمایا اور جناب زینب سے کہا کہ اے چھوٹی ایک عصا اور ایک تلوار مجھے عنایت فرمائیے۔ امام حسین نے پوچھا کہ بیٹا یہ چیزیں لے کر کیا کر دے گا تو آپ نے عرض کیا کہ عصا پر تکیہ کر دوں گا اور تلوار سے فرزند رسول کی حمایت میں جہاد کروں گا۔ اس سے نیک تر مقصد زندگی کیا ہو سکتا ہے۔ امام حسین نے فرمایا کہ اے فرزند تم میری ذریت میں سے افضل و طیب عترت ہو اور میرے بعد میرے وحی و جانشین اور خلیفہ ہو گے ان عورتوں اور بچوں کی میرے بعد قید و بلا کی مصیبت و غربت میں حفاظت کرنا۔ ان کو تسلی و دلاسا دینا۔ اور اے بیٹا میرے شیعوں کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ تمہارا امام غربت میں شہید کیا گیا اس کا ماتم کریں اور اس پر روتیں یہ فرما کر آپ نے



ایک بلند صحیحہ کیا اور پھر جناب زینبؓ اور دوسری بیبیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا  
 ”منو اور یاد رکھو کہ یہ میرا فرزند میرا دھی، میرا خلیفہ اور امام مقرر فی الطاعة ہے۔“  
 اس کے بعد جناب زینبؓ سے فرمایا کہ میری شہادت کے بعد اشقیاء میرے بدن کے  
 کپڑے تک اُتار لیں گے پس میرے لیے ایک جامہ کہتہ و فرسودہ لاؤ کہ میں اس کو  
 پہن لوں تاکہ اشقیاء کم از کم وہ میرے بدن پر چھوڑ دیں اور میری لاش عریاں نہ رہے  
 جناب زینبؓ نے جامہ کہتہ حاضر کیا اور امامؑ نے اس کو جا بجا چاک فرما کر بطور زیر  
 جامہ پہن لیا۔ تواریخ اور مقاتل بتاتے ہیں کہ کلمہ گو مسلمانوں نے اُس کہتہ و فرسودہ  
 چاک شدہ زیر جامہ کو بھی اُتار لیا اور رسولؐ کے نواسے کی لاش عریاں اور برہنہ  
 جلتی ریگ پر چھوڑ دی۔

ترجمۃ المصاب میں روایت ہے کہ روزِ عاشورِ البعد شہادت حضرت علیؑ اصغر  
 جب امام حسینؑ نے شہادت کے لیے جانے کا قصد فرمایا تو جناب فضہؑ سے فرمایا  
 کہ وہ جامہ کہتہ جو آپؑ نے ایک خاص لفافہ میں رکھوایا تھا اور جس پر حیدرِ مہرِ شہادت  
 تھیں، حاضر کریں لیکن اس کی اطلاع جناب زینبؓ کو نہ ہونے پائے جناب فضہؑ  
 روتی ہوئی جامہ لینے کیلئے چلیں تو جناب زینبؓ نے اُن کو روٹنا دیکھ کر وجہ گریہ دریافت  
 کی لیکن جناب فضہؑ نے کچھ جواب نہ دیا تو جناب زینبؓ نے اپنی مادرِ گرامی کی قسم  
 دی اور جناب فضہؑ نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ یہ سن کر جناب زینبؓ روتے روتے  
 بیہوش ہو گئیں۔ جناب امام حسینؑ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپؑ آئے اور پانی طلب  
 فرمایا جو میسر نہ ہوا اور آپؑ رونے لگے۔ آپؑ کے آنسو جناب زینبؓ کے چہرہ پر گر گئے اور  
 آپؑ ہوش میں آئیں اور عرض کیا۔ یا اخی این توح واحتلک غریبۃ بلا  
 محرم وانیس وناص (اے بھائی اپنی بہن کو بلا کسی محرم، مونس و ناصر د  
 فرما درس کے غربت میں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو) امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایک

ایسے امر محترم کی تکمیل کے لیے جاتا ہوں جس سے فرار ممکن نہیں جب جناب زینبؓ نے سنا تو کہا ”اے بھائی آپ کے اس کلام نے میرا دل جلا کر کباب کر دیا۔ اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتیں اور نہ پالیتیں اور آج میں آپ کے ساتھ نہ ہوتی اور روزِ بد نہ دیکھتی۔ روایت ہے کہ یہ پیرا ہن جو امام علیہ السلام نے جناب فقہ سے طلب فرمایا

تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا جو رسول اللہ تک پہنچا تھا اور جناب فاطمہ الزہراؓ نے اپنی وفات سے تین روز قبل جناب زینبؓ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا کہ تھا کہ اسے محفوظ رکھیں اور جب جناب امام حسینؓ طلب فرمائیں تو دے دیں اور سمجھ لیں کہ اب ان کی زندگی کی ایک گھڑی باقی رہ گئی ہے

جناب امام حسینؓ کی آخری رخصت کے لیے اہل بیت کے خیمہ میں تشریف لائے اور جناب زینبؓ اور بیویوں کو دلاسا اور تسلی دے کر میدانِ و غا کی طرف جانے کی کیفیت میرا نہیں اعلیٰ اللہ مقامہ نے کیا خوب نظم فرمائی ہے۔ کہتے ہیں:

خیمہ میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت  
آنا تو غنیمت تھا یہ جانا تھا قیامت تھوڑا سا وہ رخصت کا زانا تھا قیامت

واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں

افسانہ ماتم تحقیق بہن بھائی کی باتیں

مردی ہے کہ جب امام حسینؓ نے جہاد فرمایا تو آپ زخمی ہو گئے اور زخموں کی کثرت کی وجہ سے آپ پر شدید ضعف طاری ہوا اور آپ گھوڑے سے زمین پر شریف لائے۔ اشقیانے آپ کو رُغز میں لے لیا اور شمشیر و تیر و نیزوں سے آپ پر وارِ پُر وار کرنے لگے اور آپ کا جسم اقدس چور چور ہو گیا۔ میرا نہیں اعلیٰ اللہ مقامہ نے ان عزروں اور ان حملوں کی کیفیت کو نہایت فصیح و بلیغ اور جامع طور پر ایک مصرعہ میں کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں:- ”لو ہا برس رہا تھا تمہارے امام پر“

گردن بھکائے برچھیاں کھایا کیے امام خوں میں قبار رسول کی تر ہو گئی تمام  
 مینہ کی طرح برسنے لگے شاہ دیں یہ تیر تھراتے تھے لگ کرتن نازنیں پہ تیر  
 دامن پہ تیر جیب پہ تیر استین پہ تیر پہلو پہ تیغ سینہ پہ نیزہ جبیں پہ تیر  
 داغوں سے خوں کے رخت بدن لالہ زار تھا

شکلِ فریج سینہ اقدس فگار تھا

ترقی ہوئی زلف شکن دشمن جدا مجروح لعل لب تھے جد اور دہن جدا  
 درپے تھے نیزہ دار جدا تیغ زن جدا کٹ کٹ کے ہو گیا تھا ہر ایک عضو تن جدا  
 سی پارہ تھا نہ صدر فقط اس جناب کا  
 پرزے ورق ورق تھا خدا کی کتاب کا

جناب زینب امم کی لڑائی درخیم سے دیکھ رہی تھیں جب آپ نے بھائی کا یہ  
 حال دیکھا کہ نرغہ اعدا میں گھرے ہوئے زخم پر زخم کھا رہے ہیں تو خیمہ سے باہر نکل  
 آئیں اور آپ کے پاس تشریف لائیں اور کہا : والیہ واسیہ لیت  
 السماء اطبقت علی الارض ولیت الجبال تدکدک علی السہل  
 (ہائے بھائی، ہائے سید و سردار اے کاش آسمان زمین پر گر جاتا اور پہاڑ پارہ  
 پارہ ہو جاتے) پھر آپ نے عمر سعد کو مخاطب کیا اور فرمایا اے عمر ابن سعد  
 ابو عبد اللہ الحسین قتل ہو رہے ہیں اور تو دیکھ رہا ہے۔ عمر ابن سعد یہ سن کر  
 آبدیدہ ہوا اور کچھ جواب نہیں دیا تو آپ دوسرے سرداران لشکر سے مخاطب  
 ہوئے اور فرمایا۔ کہ کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں جو رسول اللہ کے نواسے کی مدد  
 کرے لیکن کسی شقی نے کچھ جواب نہیں دیا۔

روایت ہے کہ جب مالک بن لیسر علیہ السلام نے سراقس امام حسین پر تلوار ماری اور  
 سر مبارک زخمی ہو گیا تو آپ نے خود اتار دیا اس لیے کہ یہ خون سے بھر گیا تھا اور خیمہ میں نشر

لاکر جناب زینب سے کپڑا طلب کیا اور زخم پر باندھ لیا اس کے بعد فرمایا کہ اے زینب اے ام کلثوم اے رقیہ اے سکینہ تم سب پر میرا آخری سلام ہے۔ حضرت زینب یمن کے قتل کے قریب آئیں اور کہا یا اخی القنت بالقتل رے بھائی کیا آپ کو اپنے قتل ہو جانے کا یقین ہو گیا؟ امام نے فرمایا کہ وہ شخص جس کا کوئی معین و ناصر نہ ہو کیونکر قتل ہو جانے کا یقین نہ کرے۔ جناب زینب نے یہ سنا تو آپ سے لپٹ گئیں اور کہا فھلا یا اخی قیل الممات ہنیئتم لتبرد منی لوعة وغلبة (اے بھائی مرنے سے قبل تھوڑی دیر یہاں ٹھہر جائیے تاکہ آپ کے رُخِ النور کی زیارت سے دل کی بھرپور ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر لوں) پھر آپ کے دونوں ہاتھوں اور پیروں کے بوسے لیے اور سب بیبیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

بحر المصائب میں روایت مسطور ہے اور جناب زینب راوی ہیں کہ جب امام حسین اہل بیت اطہار اور امام زین العابدین کو دواع کرنے خیمہ میں تشریف لائے اور کچھ پر ٹھہرے رہے تو نیزیہ کے لشکر سے آوازیں بلند ہوئیں کہ اے حسین عورتوں میں کیا پیٹھے ہو باہر آؤ اور نیزیہ کی بیعت کرو یا مائے جاؤ۔ امام علیہ السلام یہ صدائے کرم سے رخصت ہوئے اور باہر جاتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ ”اے بہن میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ تاکہ میں تم کو ایک عجیب و غریب منظر دکھاؤں“ میں حضرت کے پیچھے چلی یہاں تک کہ ہم قتل گاہ میں شہداء کے لاشوں پر پہنچے۔ بھائی حسین نے جوں ہی لاشہائے شہداء کو دیکھا تو ان کو مخاطب کیا اور فرمایا۔ ”اے حبیب ابن مظاہر اے زہیر ابن قین، اے ہلال ابن نافع اور اے شجاع ابن عرصہ صفا و سوارانِ بہنہ بیجا تم کو کیا ہو گیا کہ میں تم کو پکارتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے میں تم کو بلاتا ہوں تم نہیں آتے۔ کیا تم سو گئے ہو کہ میں ممتہاری بیداری کی پھر توقع رکھوں یا تم کو موت نے ہمیشہ کے لیے سُلا دیا ہے اور اب تم اپنے امام کی مدد نہ کر سکو گے؟ سنو خاندانِ

رسولؐ کی یہ محذرات تمہارے نہ ہونے سے نزار و دلفکار ہیں۔ کیا تم وہی نہ تھے جو میری نصرت کرنے اور میرے ساتھ فیضِ شہادت حاصل کرنے کے لیے اپنی سیہوں کو طلاق دے کر اور گھر دار مال و اسباب چھوڑ کر میرے ساتھ ہو گئے تھے؟ اے اصحابِ کرام اس گہری نیند سے چونکو اور اس قوم کا فرکیش و بداندیش کو حرمِ رسولؐ سے دور کرو۔ ہاں ہاں اگر تم زندہ ہوتے تو حاشا و کلام میری نصرت سے باز نہ آتے۔ خدا کی قسم موت نے تم کو عاجز و لاچار کر دیا ہے۔ زمانہ نے تم سے عذر و فریب کیا۔ میں تمہاری جدائی پر روتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں بہت جلد تم سے ملوں گا۔ جنابِ زینبؓ فرماتی ہیں کہ جب بھائی نے تقریرِ ختم کی تو خدا کی قسم لاشہائے شہداء متحرک اور مضطرب ہو گئیں گویا وہ اٹھ کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ پھر امامؑ نے ابی الفضل العباسؑ کے جبِ مطہر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”اے بھائی یہ قوم شرم سمجھتی ہے کہ میں جہاد سے خائف ہوں اور پزیریدِ پلید کی بیعت کر لوں لاواللہ ایسا نہیں ہے۔ اس کے بعد بھائی نے مجھے خیمہ کی طرف بھیج دیا اور خود مصروفِ قتالِ جدال ہوئے اور دو ہزار پانچ سو اشتقیا کو واصلِ جہنم کیا۔ بعض ضعیف الایمان اور بدعقیدہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک ایسے انسان کے لیے جو تین دن بھوکا و پیاسا ہو کیونکر ممکن تھا کہ ہزاروں کو قتل کر سکتا ہے۔ بہارِ جواب یہ ہے کہ عزرائیلؑ فرشتہ اگر وقتِ واحد میں لاکھوں کی روح قبض کر سکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ جنمِ زون میں ساڑھے آسمانوں کی سیر کر کے اپنے مقام پر آ سکتے ہیں تو حسینؑ ابن علیؑ بھی ہزاروں کو قتل کر سکتے ہیں۔

مصائبِ الابرار میں روایت ہے کہ جب امام حسینؑ کے انصار شہید ہو گئے اور آپؑ نے تنہا جہاد کا قصد فرمایا تو آپؑ نے سنا کہ کوئی بی بی کہہ رہی ہیں۔  
یا سبط الرسول ارجع انظر الی الغریبان کیف عولن بالحمرات۔

اے فرزندِ رسول! ایک دفعہ پھر واپس آئیے اور دیکھیے کہ یہ غریب سبکیں عورتیں کس طرح مالہ و زاری کر رہی ہیں۔ امامِ یسن کر پلٹے اور ملاحظہ فرمایا کہ جنابِ زینبؓ ہیں۔ آپ خیمہ میں داخل ہوئے اور اہلِ حرم کی حالتِ اضطراب اور گریہ و زاری دیکھ کر خود بھی روئے۔ جنابِ زینبؓ نے آپ سے معاف فرمایا اور آپ کے گلوئے مبارک کے بوسے لیے اور کہا: ”اے بھائی جان آپ کی دوری کا تصور میرے دل کو جلاتا ہے اور آپ کی جدائی کا خیال میرے جگر کو کچھلاتا ہے اور آپ کی شہادت کا خیال مجھے رُلاتا اور میرے آنسو بہاتا اور میرے ہم و غم کو ہیجان میں لاتا ہے۔ اے بھائی آپ کو کیوں کر گوارا ہے کہ آپ کے بعد آپ کے خیام لوٹے جائیں اور آپ کے عیال و اطفال کی چادریں چھین لی جائیں“ امام علیہ السلام نے یہ جانکدار تقریر سُن کر فرمایا: ”اے بہنِ مصائب اور بلاؤں پر صبر کرو۔ بابا اور مادرِ گرامی کی پروردگی کرو کہ انہوں نے نزولِ مصائب پر صبر و شکر کیا۔ یہ فرما کر پھر میدانِ جنگ کی طرف لوٹے۔ ”مفتاح البکا“ میں بھی روایت کا مضمون یہی ہے لیکن آخر میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؓ جنابِ زینبؓ کو صبر و شکر کی تلقین فرما کر جانے لگے تو جنابِ زینبؓ نے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے تاکہ میں مادرِ گرامی کی وصیت پوری کر لوں۔ امامؓ ٹھہر گئے اور آپ قریب آئیں اور گلوئے مبارک کے بوسے لیے اور کہا کہ اماں کی یہی وصیت تھی کہ جس جگہ رسول اللہؐ بوسے لیتے تھے میں بھی اسی جگہ کے بوسے لوں اس کے بعد بھائی بہن گلے مل کر خوب روئے۔

کتبِ مقاتل میں ہے کہ جب امام حسینؓ زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور اعدا نے آپ کے اطراف حلقہ باندھ کر آپ پر وار کرنا شروع کیا تو امام حسن علیہ السلام کا ایک کسں صلحِ جزاءہ عبد اللہ ابنِ حسنؓ خیمہ سے آپ کی طرف دُڑا جنابِ زینبؓ نے ہر چند روکنے کی کوشش کی لیکن صاحبِ جزاءہ یہ کہتا ہوا کہ میں چپا کو

اس عالم مکی میں نہیں دیکھ سکتا، اُن کی نصرت کروں گا ورنہ امام کے پاس پہنچ گیا اور آپ کی گود میں بیٹھ گیا۔ ایک ملعون شقی نے امام پر تلوار کا دار کیا تو چپا کو بچانے کے لیے صاحبزادے نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے ہاتھ قلم ہو گئے اور امام کی گود میں گرے امام نے جو کثرتِ حراحت کی وجہ سے حالتِ غشی میں تھے کوئی چیز گود میں گرتی ہوئی محسوس فرما کر آنکھ کھولی تو دیکھا کہ بچے کے کٹے ہوئے ہاتھ گود میں پڑے ہیں اور بچہ ترپ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا ”خدا یا آلِ محمد کی یہ قربانی بھی قبول ہو“ شہداء کربلا میں یہ صاحبزادہ آخری تھا جس نے اپنی جان امام علیہ السلام پر قربان کی۔ ہمارے بعض اصحاب نے خیال کیا ہے کہ یہ امام حسن علیہ السلام کا صاحبزادہ نہیں ہو سکتا بلکہ حضرت کا نواسہ تھا اور استدلال پیش کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کی شہادت ۳۰ ہجری یا ۳۱ ہجری میں بتائی جاتی ہے اور کربلا کا واقعہ ۱۰ ہجری میں یعنی آپ کی شہادت کے گیارہ یا بارہ برس بعد پیش آیا، تو کیونکر ممکن ہے کہ اس وقت آپ کا ایک کس صاحبزادہ جس کی عمر بالعموم چار یا پانچ سال بتائی جاتی ہے موجود ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں امکانی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی یہ صاحبزادہ امام حسن کا بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان کی عمر گیارہ یا بارہ سال یا اس سے زیادہ کی مان لی جائے لیکن اگر صاحبزادہ کی عمر گیارہ یا بارہ سال یا اس سے زائد تصور کر لی جائے تو سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ پھر اس صاحبزادہ نے مثل حضرت محمد و حضراتِ عون اور حضرت قاسم کے جہاد کیوں نہیں کیا اور آخری وقت تک خیمہ میں کیوں رہا۔ روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحبزادہ کس تھا اسی لیے جناب زینبؓ نے فرمایا چاہا یا پس اگر صاحبزادہ کا کس ہونا مان لیا جائے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ صاحبزادہ جیسا کہ بعض اصحاب کا خیال ہے امام حسن علیہ السلام کا نواسہ تھا۔ جملہ امور اور پہلوؤں پر غور

کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صاحبزادہ امام حسن علیہ السلام کا لواحدی تھا۔ اس لیے کہ اگر فرزند ہوتا تو عمر گیارہ یا بارہ سال کی ہوتی اور ضرور مثل اپنے بھائی قاسم ابن الحسن کے جہاد کرتا اس طرح اپنے خاندانی روایات کے خلاف گھر میں بیٹھا نہ رہتا۔

روایت ہے کہ جب امام حسین شہید ہو گئے تو جبریل امین نے صدادی کہ الا فتن قتل الحسين بکربلا اور آثارِ ظلمت و غبارِ نمایاں ہوئے۔ جناب زینبؓ آواز سن کر اور آثارِ غضبِ الہی دیکھ کر امام زین العابدینؓ کے پاس آئیں اور فرمایا کہ ”بیٹا اٹھو اور دیکھو کہ کیا سانحہ ہوا۔ امام زین العابدینؓ نے پھوپھی سے کہا درخیمہ کا پردہ تو اٹھائیے۔ جب پردہ اٹھا تو آپ نے میدانِ جنگ کی طرف دیکھ کر کہا ”پھوپھی اماں میرے بابا شہید ہو گئے اور ان کے ساتھ جو دو کرم کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اہل حرم کو خبر دیدیجیے اور کہدیجیے کہ صبر و ہمت و استقلال سے کام لیں۔ لٹنے اور قید ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔

کتبِ مقاتل میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام تنہا ہزاروں کا مقابلہ کر رہے تھے تو جناب زینبؓ درخیمہ سے آپ کی جنگ دیکھ رہی تھیں جب آپ زخمی ہو گئے تو ایک نشیب میں داخل ہوئے اور آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو آپ خیمہ سے باہر نکل آئیں اور ایک بلند مقام پر پہنچیں تو بھائی کو ایک گڑھے میں لیٹا ہوا دیکھا اس بلند مقام کا جہاں جناب زینبؓ کھڑی ہوئی تھیں اب بھی نشان ہے اور اس کو تل زینبیہ کہا جاتا ہے۔





# باب

## حالات جناب زینب علیہا السلام بعد شہادت امام حسین علیہ السلام

مقتل ابی مخنف میں روایت ہے کہ بعد شہادت امام آپ کا گھوڑا اپنی پیشانی خون میں رنگین کر کے فریاد و صہیل کرتا ہوا خیمہ اہل بیت کی جانب دوڑا ہوا آیا۔ جناب زینب نے گھوڑے کو دیکھ کر جناب سکینہ کا ہاتھ تھام لیا اور خیمہ سے باہر آئیں۔ جناب سکینہ نے گھوڑے کی حالت دیکھی اور گھوڑے کو بلا سوار کے پایا تو شدید گریہ فرمایا اور جناب زینب نے مرثیہ کے طور پر چند اشعار کہے۔

اصول کافی۔ الوار الشہادۃ اور بعض کتب مقاتل و تاریخ میں لکھا ہے کہ جب امام حسین شہید کر دیے گئے اور آپ کا سر اقدس تنِ مطہر سے جدا کر دیا گیا تو عمر ابن سعد ملعون نے حسب الحکم ابن زیاد علیہ العن والعذاب حکم دیا کہ آپ کی نعش مطہر پر گھوڑے دوڑا دیے جائیں اور اس کے لیے گھوڑوں کی از سر نو نعل بندی کی گئی۔ اس کی اطلاع جب جناب زینب کو ہوئی تو آپ سخت بے قرار ہوئیں اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا ”بارِ الہا بنی امیہ نے میرے بھائی کو پیسا سا شہید کیا اُن کے سر مقدس کو نیزہ پر چڑھایا۔ اُن کے بدن کو برہنہ کیا جو دھوپ میں جل رہا ہے اب گھوڑے دوڑا کر بدنِ مطہر کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ بارِ الہا اس بیاباں میں ہم پر کوئی رحم کرنے والا نہیں۔“ بالآخر جسمِ اقدس پر گھوڑے دوڑائے گئے اور جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ الشیخ سید الشیخی مصری اپنی کتاب ”لوزالایصار فی مناقب آلِ بیت النبی المختار“ میں لکھتے ہیں کہ جب جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کا وقت انتقال قرب

ہوا تو آپ نے امام حسن علیہ السلام کو وصایا فرمائیں۔ جن میں ایک یہ وصیت بھی تھی کہ قاتل کو صرف ایک ضرب شمشیر لگانا اس لیے کہ اس نے بھی ایک ہی ضرب حضرت کو لگائی تھی۔ اس کے جسم کا مثلہ نہ کرنا اس لیے کہ رسول اللہ کو آپ نے کہتے ہوئے سنا تھا کہ ایا کھو والمثلہ ولو بالکلب العفور یعنی خبردار تم کبھی کسی کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا چاہے وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کو رسول نے تو یہ تاکید فرمائی لیکن انہوں نے اس کی تعمیل یوں کی کہ خود ان کے نواسے کے جسمِ مطہر پر گھوڑے دوڑے اور اس کو پاش پاش کر دیا۔

ناسخ التواریخ میں جناب زینب سے روایت ہے کہ بعد شہادت امام حسینؑ عمر بن سعد نے خیموں کو لوٹ لینے کا حکم دیا تو اشتیاء خیاام اہل بیت میں داخل ہوئے اور ایک شخص رزق العینین بیمار علی ابن الحسین کے خیمہ میں داخل ہوا اور وہ چڑا جس پردہ لیٹے ہوئے تھے ان کے نیچے سے کھینچ لیا اور وہ خاک پر رہ گئے پھر اس شقی نے میرے کانوں سے گوشوارے اس بیدردی سے کھینچے کہ کانوں سے خون جاری ہو گیا اور یہ دیکھ کر رونے لگا۔ میں نے پوچھا کہ اے شقی روتا کیوں ہے؟ تو کہا کہ تم لوگوں کی بے بسی اور سبکی پر روتا ہوں۔ مجھے یہ سن کر بچہ رنج و ملال ہوا اور میں نے اس کو کہا قطع اللہ ید یدک ورجلیک واحترقک بنار الدنیا قبل نار الاخرۃ (خدا تیرے ہاتھ اور پاؤں قطع کرے اور تجھے آخرت کی آگ میں جلانے سے قبل دنیا کی آگ کا مڑا جکھائے)۔ جناب معصومہ کی برعاقبول ہوئی۔ لکھا ہے کہ یہ شقی گرفتار ہو کر جب حضرت مختار کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں اور یہ آگ میں جلا دیا جائے۔

کتاب "اخبار الدول" میں روایت ہے کہ بعد شہادت امام حسینؑ جب شمر علیہ لعن واللعاب امام زین العابدینؑ کے خیمہ میں داخل ہوا اور آپ کو بستر

مرض پر پایا تو آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ جناب زینبؓ مجھے سے لپٹ گئیں اور تھمرے کہا ”خدا کی قسم اس نوجوان کے ساتھ میں بھی قتل ہوں گی۔ شمرؓ نے یہ حال دیکھا تو اپنے ارادے سے باز آیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جناب زینبؓ نے امام زین العابدینؓ کی حمایت کی اور آپ کو قتل ہونے سے بچایا۔

جلالہ العینین میں جناب فاطمہؓ بنت الحسینؓ سے منقول ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ ”بعد شہادت حضرت سید الشہداء میں درخیمہ پر مدہوش کھڑی تھی اور بیابانِ ناپیدا کنار اور لشکرِ ہائے بیشمار کا نظارہ کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میرے پردہ نگوار اعظام اور بھائیوں کے لاشہائے بے سرمثل کو سفندِ اہلِ قربانی زمین پر پڑے ہیں اور اُن کے جسمِ ہرینہ، کوفتہ و فرسودہ پامالِ سمِ اسپاں ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب اشقیاء ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے، اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک سوار نیزہ ہاتھ میں لیے آیا اور زنانِ اہلِ بیت کو مار مار کر لوٹنا شروع کیا۔ اس اشارے میں دوسرا اشقیاء بھی لوٹ پڑے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک شقی نے میری طرف رُخ کیا، میں دوڑی کہ بھوپتی زینبؓ کے پاس پناہ لوں لیکن اُس نے دوڑ کر میرے شانوں پر پشتِ نیزہ سے مارا اور میں منہ کے بل گر پڑی اور اس نے میرے کانوں سے گوشوارے کھینچ لیے جس سے میرے کان شگافتہ ہو گئے سر سے متقن اور پاؤں سے خلائل اُتار لیے..... میرے سر اور کانوں سے خون بہہ رہا تھا اور میں یہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ بھوپتی زینبؓ میرے سر ہانے بیٹھی ہیں اور کہہ رہی ہیں بیٹی اٹھو، دیکھو اور بیبیوں پر کیا گزری۔ میں نے کہا، کوئی کپڑا ہوتا تو سر ڈھانپتی، تو فرمایا یا بنتِ تہ عمتک مثلك۔ بیٹی تیری بھوپتی بھی تیری ہی طرح بے ردا و بے متقن ہے۔) جسمِ مبارک بھوپتی کا بھی کعبِ نیزہ کی مار سے نیلگوں ہو گیا تھا۔ بہر حال ہم دونوں اٹھے اور چلے اور جس خیمہ کو دیکھا لوٹا ہوا پایا۔ بھائی علیؓ ابن الحسینؓ بیمار کے خیمہ میں پہنچے

تو دیکھا کہ وہ حضرت زین پر پڑے ہیں اور شدتِ مرض، بھوک و پیاس کی وجہ سے بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

کتاب ”انوار الشہادۃ“ میں روایت ہے کہ بعدِ شہادتِ امام حسین جب سرِ شام اہلِ بیت کے خیمے جلادے گئے۔ سامان لوٹ لیا گیا اور چادریں چھین لی گئیں تو سب بیبیاں اور بچے پریشان و ہراساں میدان میں نکل گئے اور متشر ہو گئے تو جناب زینبؓ نے سب کو ایک جگہ جمع کیا اور حضرت فضہ کے ذریعہ عمرِ سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ سب خیمے جلادے گئے، فرش و لباس و سامان لوٹ لیا گیا۔ ہم پر رحم کرو اور یتیم بچوں کے لیے لباس اور سر چھپانے کے لیے ایک خیمہ بھیج دے۔ عمر سعد ملعون نے پہلے تو کچھ اعتنا نہ کی لیکن بعد میں ایک جیلا ہوا خیمہ بھیج دیا اور جناب زینبؓ نے وہی خیمہ نصب کیا اور بچوں اور بیبیوں کو اس میں بٹھادیا اور جناب ام کلثومؓ سے فرمایا کہ اے بہن آج تک ابی الفضل العباسؓ، علی اکبرؓ اور قاسمؓ اور دوسرے اقرباء ہماری حفاظت اور نگرانی کرتے رہے لیکن آج ہم تنہا اور حالتِ غربت میں ہیں آؤ آج تم اور میں ان بیواؤں اور یتیم بچوں کی پاسبانی کریں۔ پس سب خستہ و دل شکستہ بیبیوں اور بچوں کو رٹا دیا گیا اور جناب زینبؓ اور جناب ام کلثومؓ پاسبانی کرتی رہیں۔ جناب زینبؓ راوی ہیں کہ اندھیری رات میں ہم نے دیکھا کہ کوئی ہماری طرف آ رہا ہے۔ میں نے ندادی، کون ہے جو اس شب میں پھر بچوں کو سنانے آ رہا ہے۔ آنے والے نے صدائے نالہ و آہ بلند کی اور کہا کہ بہن زینبؓ میں جیتن ہوں تمہاری نگہبانی کے لیے آیا ہوں۔ اے بہن میں زندہ ہوں اور تمہارے مصائب سے میرا دل سوزناک ہے۔ یہ فرما کر آپ نظروں سے غائب ہو گئے اور میں روتی رہ گئی۔ اس روایت میں جناب زینبؓ کا عمرِ سعد کے پاس خیمہ اور لباس کے لیے جناب فضہ کو روانہ کرنا جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں

معلوم ہوتا اس کا ذکر کسی اور روایت میں نہیں ہے اور عقل و قرینہ سے بھی یہ واقعہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ جناب زینبؓ کی شان اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع تھی کہ آپ اپنے جانی دشمن اور اپنے بھائی کے قاتل سے کسی قسم کا بھی سوال کر تیں یا مراعات کی خواہاں ہوتیں اور پھر جب بخوبی جانتی تھیں کہ یہ سب ملا عین ایسے سنگدل اور شقی القلب ہیں کہ ایک معصوم چھ مہینے کے بچے کے لیے جب پانی کا سوال کیا گیا تو تیروں سے اس کا جواب دیا اور پتھر کو جام آب پلانے کے عوض جام شہادت سے سیراب کیا۔

صاحب "بحر المصاب" ابن جوزی کی کتاب مفاتیح الغیب نقل کرتے ہیں کہ بعد شہادتِ امام حسینؓ جب خیموں کو آگ لگا دی گئی تو جناب زینبؓ اور سب بیبیاں امام زین العابدینؓ کی طرف دوڑیں تاکہ آپ کو بچائیں۔ جناب زینبؓ نے حضرت سجادؓ کو جو حالت غشی میں تھے بیدار فرمایا اور کہا کہ اے حجت خدا خیموں کو آگ لگا دی گئی ہے۔ آگ کی تمازت سے بچے جھلس رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ جل جائیں، بتاؤ اب ہماری تکلیف کیا ہے اور ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ امام زین العابدینؓ جو بوجہ شدتِ ضعف و نقاہت بات نہ کر سکے ہاتھ سے اشارہ فرما دیا کہ صحراد بیابان کی طرف نکل جاؤ اور حسبِ ارشادِ حجۃ اللہ جناب زینبؓ نے بیبیوں سے فرمایا علیٰ کتب یا افرا یعنی تم سب یہاں سے بھاگ نکلو۔ پس بیبیاں اور بچے میدان میں نکل گئے اور منتشر ہو گئے۔

سنبلی سیکٹہ حیدرآباد سندھ پاکستان

صاحب "بحر المصاب" کہتے ہیں کہ متعدد کتب میں یہ روایت پائی گئی ہے کہ بعد شہادتِ امام حسینؓ حسبِ حکم عمر سعد کشتگانِ لشکر زیادہ کو دفن کیا گیا لیکن رسول اللہ کے نواسے اور آپ کے انصار کی لاشیں بلا گور و کنفن چھوڑ دی گئیں اور سرہائے شہداء اسی روز رجا بن قیس کے ذریعہ کوفہ بھیج دیے گئے۔ اہل بیت کا

سامان لوٹ لیا گیا۔ خیمے جلا دیے گئے۔ جب شام ہو گئی تو جناب زینبؓ سب بیسیوں اور بچوں کو جو اس دار و گیر میں منتظر ہو گئے تھے ایک جگہ جمع کیا اور فرشِ خاک پر بٹھا دیا۔ بچے جو بھوکے پیاسے تھے بار بار جناب زینبؓ سے لپٹتے تھے اور رورو کر کہتے تھے کہ بھوک و پیاس نے ہماری انتر ٹپوں کو جلا دیا ہے۔ ہمیں غصہ اور اکھانا اور پانی دیجیے۔ جناب زینبؓ بچوں کی اس بلبلاہٹ اور بے حسنی کو دیکھ کر مہینہ ہو گئیں اور جناب ام کلثومؓ سے فرمایا۔ ما لنضع بھڑا الیلۃ بھڑا الفیاء الرضائع و بھڑا الاطفال (اے بہن ام کلثوم بتاؤ اس شب تاریک میں ہم ان نیم جان لڑکیوں اور بچوں کے لیے کیا کریں۔) جناب ام کلثومؓ نے کہا آپ بزرگ ہیں جو مناسب خیال فرمائیں وہ کریں۔ جناب زینبؓ نے فرمایا میری رائے تو یہ ہے کہ سب بچوں، لڑکے اور لڑکیوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور بیمار علیٰ ابن الحسینؓ کو ان کے درمیان لٹا دیا جائے اور تم ایک جانب بیٹھو اور میں ایک جانب بیٹھ جاؤں اور ان سب کی نگرانی اور پاسبانی کریں۔ جناب ام کلثومؓ نے سمعاً و طاعت کہا۔ بچے اور بیبیاں جمع کی گئیں۔ امام زین العابدینؓ کو ان کے درمیان بلا تکیہ و بستر لیگ بیابان پر لٹا دیا گیا۔ بوجہ شدتِ مرض آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ بات نہ کر سکتے تھے۔ نیم غشی کے عالم میں خاموش لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد جناب زینبؓ نے جناب ام کلثومؓ سے کہا، اے بہن تمام دن بھائی حسینؓ اور آپ کے اصحاب انصار کے لیے روتے روتے میں بیخودستہ حال ہو گئی ہوں، چاہتی ہوں کہ ایک ساعت لیٹ رہوں پس تم ہوش یار رہو اور ان بھائیوں اور بیبیوں کی حفاظت و نگرانی کرو۔ جناب ام کلثومؓ نے ہمدردی سے کہا اور جناب زینبؓ فرشِ خاک پر لیٹ گئیں۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ جناب ام کلثومؓ نے دیکھا کہ بیابان کی طرف سے ایک سیاہی نمودار ہوئی جو آپ کی طرف آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جناب ام کلثومؓ یہ دیکھ کر خائف ہوئیں۔

اور جناب زینبؓ کو پرکار کر کہا، اے بہن اٹھو اور دیکھو کہ کوئی سیاہ چیز اس طرف آرہی ہے نہ معلوم اس تاریکی شرب میں اور کیا مصیبت ہم پر نازل ہونے کو ہے۔ جناب زینبؓ اٹھ بیٹھیں۔ جناب ام کلثومؓ کو خوف سے لرزاں پا کر پوچھا کہ تم کیوں اس قدر ترساں و لرزاں ہو تو جناب ام کلثومؓ نے کہا، وہ دیکھیے کوئی سیاہ چیز اس طرف آرہی ہے۔ نہ معلوم وہ کوئی وحشی و زندہ ہے یا لشکر ابن زیاد سے کوئی شقی آ رہا ہے۔ اس اشارہ میں دوسری بیبیاں اور بچے بھی ہوشیار ہو گئے اور خوف سے ایک دوسرے سے لپٹ گئیں اور مدائے واجدہؓ والا و محمدؓ والا و علیہا و احسنہ و اضیعناۃ بعدکؓ یا ابا عبد اللہؓ بلند کیں۔ جب وہ سیاہ چیز قریب ہو گئی تو جناب زینبؓ نے دیکھا کہ وہ ایک مرد سیاہ پوش ہے تو آپؐ نے ڈانٹ کر کہا بحق اللہ علیک من تکنون ایہا الرجل فقد روعت و اللہ قلوبنا و قلوب ہذہ الفقیات الرضائعات و الاطفال الصغار۔ (بچے خدا کی قسم ہے بتا کہ تو کون ہے اے مرد کہ اندھیری رات میں اس طرح آکر رہا ہے اور ان لڑکے، لڑکیوں اور کمسن بچوں کے خوف اور شہت کا باعث ہوا۔) یہ سن کر اس مرد نے کہا: لا تجزعی انا البوک علی اثیت لا حرسک ہذہ الیسلۃ۔ (مت ڈرو میں تمہارا باپ علیؓ ہیں جو آج کی رات تم سب کی حفاظت کرنے آیا ہوں، جناب بیٹے جب سناتو روئے اور نہ بیٹھے لگیں اور کہا اے بابا کاش آپ چند ساعت قبل تشریف لاتے اور اپنے حسین کی حالت ملاحظہ فرماتے کہ وہ ہر چند مرد طلب کرتے تھے لیکن کوئی بھی ان کی فریاد کو نہ پہنچتا تھا اور جس سے بھی پناہ مانگتے پناہ نہ دیتا تھا۔ اے بابا خدا کی قسم وہ پیاسے شہید ہو یہ اشقیارہنے حیوانوں، گھوڑوں کو بار بار پانی پلاتے تھے لیکن حسینؓ کو ایک قطرہ آب نہ دیا۔ یہ سن کر جناب امیر علیہ السلامؓ نے جناب زینبؓ کو سینے سے لٹالیا

اور دلاستی دی اور جو رحمت و کرامت خدا نے حضرت سید الشہداء اور شہدائے کربلا اور اہل بیت کے لیے مخصوص فرمائی ہے بیان فرمائی۔ صبر کی تلقین کی اور کہا کہ بیٹی تم اب بلا خوف و خطر آرام کرو میں تم سب کی حفاظت کروں گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اسی رات میں جناب فاطمۃ الزہراؑ بھی تشریف لائیں اور جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ کو یہ فرما کر تسلی دی اِصْبِرِیْ یَا بِنْتَاہُ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قَدْ وَعَدَ کَہٗ اَجْرًا عَظِیْمًا وَمَقَامًا جَلِیْلًا۔

اے بیٹی صبر کرو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم سب کے لیے اجرِ عظیم اور مقاماتِ جلیلہ مقرر فرمائے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا، بیٹی تم آرام کرو میں اور تمہارے باپ آج رات تم سب کی حفاظت اور پاسبانی کریں گے۔

روایت ہے کہ بعدِ شہادت حضرت سید الشہداء رجب رات آئی تو جناب سکینہؑ اپنے والد ماجد کے جدِ اقدس کی تلاش میں قتل گاہ چلی گئیں۔ جناب زینبؑ نے سب بچوں کو جمع کیا تو آپ کو نہ پایا سحر پریشان ہوئیں۔ اس لیے کہ جناب امام حسینؑ کی یہ لاڈلی صاحبزادی تھیں اور آپ نے خاص طور سے جناب زینبؑ کو آپ کے متعلق سفارش و وصیت فرمائی تھی۔ جب آپ کو نہ پایا تو بے قراری اور حالِ ستِ مضطرب میں امام حسینؑ کو پکارا اور کہا کہ اے بھائی حسین بتا دو کہ آپ کی پیاری بیٹی سکینہ بنت رباب کہاں ہے۔ آواز آئی اختای بنتی سکینہ فی کتفی۔ اے بہن سکینہ میرے پہلو میں ہے۔

یہ آواز سن کر جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ نعرِ شہدائے کربلا پر پہنچیں اور جناب سکینہؑ کو باپ سے لپٹی ہوئی پائیں اور سمجھا نما کروا لیں۔ ”انوار الشہادۃ“ میں روایت ہے کہ بعدِ شہادت امام حسینؑ سوائے اس خیمہ کے جس میں آپؑ امامت عبادت کیا کرتے تھے باقی سب خیمے جل گئے تو اہل حرم نے



اسی خیمہ میں پناہ لی۔ عمر ابن سعد آیا اور پکار کر کہا کہ اے اہل بیت خیمہ سے باہر آؤ  
 ورنہ اس خیمہ کو آگ لگا دی جائے گی۔ جناب زینبؓ اس شقی کی یہ صدا سن کر پریشان  
 ہوئیں اور فرمایا اے عمر خدا سے ڈر اور اس قدر ظلم و ستم نہ کر، تو اُس نے کہا باہر آؤ اور  
 اس پر ہوجاؤ۔ جناب زینبؓ نے باہر نکلنے سے انکار کیا اور عمر سعد ملعون کے حکم سے  
 خیمہ کو آگ لگا دی گئی اور بیبیاں اور بچے واغوثاہ و احمد اہ و اعلیاء  
 کہتے ہوئے باہر نکل آئے اور قتل گاہ کی طرف دوڑے۔ جناب زینبؓ غش امام علیہ السلام  
 پر پہنچیں اور شکستہ دل، ننگین آواز سے کہنے لگیں و احمد اہ و احمد اہ صلی اللہ علیہ  
 ملیک السماء ہذا حسین مرمّل بالدماء مقطّع الاعضاء بناتک  
 سبا یا الی اللہ مشتکی والی محمد و المصطفیٰ والی علی المرتضیٰ و  
 الی حمزہ سید الشہداء و احمد اہ ہذا حسین بالغراء یسفی  
 علیہ الصباء۔ قتیل اولاد البغایا۔ یا حزناہ یا کرباہ۔ الیوم  
 مات جدی رسول اللہ یا اصحاب محمدؐ ہوا ذریۃ المصطفیٰ  
 یساقون سوق السبایا۔ (یا محمدؐ آپ پر آفرینندہ آسمان رحمت و صلوات  
 بھیجتا ہے یہ حسینؑ ہیں جو خون کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور جن کے اعضاء ٹکڑے  
 ٹکڑے ہو گئے ہیں اور آپ کی بیٹیاں قید ہو گئی ہیں میں اس ظلم و بیداد کی شکایت  
 خدا سے، آپ سے، علی مرتضیٰ اور حمزہ سید الشہداء سے کرتی ہوں۔ یا محمدؐ یہ حسینؑ  
 چٹیل میدان میں پڑے ہیں جن کے بدن پر خاک اُڑ رہی ہے۔ انھیں فاحشہ عورتوں  
 کی اولاد نے قتل کیا۔ افسوس ہے اس غم و الم پر آج میرے نانا رسول اللہ کی وفات  
 ہوئی۔ اے اصحاب محمدؐ دیکھو یہ ذریت محمدؐ مصطفیٰؐ ہیں جو مثل قیدیوں کے ہانکے  
 جارہے ہیں۔ لکھا ہے کہ جب جناب زینبؓ یہ کلمات کہہ رہی تھیں تو سن کر دست  
 اور دشمن زار زار رونے لگے۔ جناب زینبؓ نے اس ارشاد میں فاحشہ عورتوں کی

اولاد (اولاد البغایا) جو فرمایا ہے تو یہ اشارہ ہے ابوسفیان اور عبداللہ ابن زیاد کی طرف۔ تواریخ میں ہے کہ ابوسفیان کی زوجہ ایک حبشی کی طرف مائل تھی۔ ابن زیاد کے متعلق تاریخ فزی میں جو واقعہ لکھا ہے وہ یہ ہے :-

كانت سمیة اُمّ زیاد بغیة عن بغایا العرب ولها زوج اسمہ عبید۔ فانفق ان اباسفیان وهو المو معاویة نزل بخمار یقال له ابو مریم فطلب ابوسفیان بغیة فقال ابو مریم هل لك فی سمیة وکان ابوسفیان یعرفها۔ فقال هاتها علی طول ثدیها وذفر بطنها فاتاه بها فوقع ابوسفیان علیها فعلق منہ بزیاد ثم وضعته علی فراش زوجها عبید۔

(ترجمہ) سمیہ زیاد کی ماں عرب کی بدکار عورتوں میں سے ایک بدکار اور فاحشہ عورت تھی جس کا شوہر عبید تھا۔ ایک روز معاویہ کا باپ ابوسفیان ابو مریم خمار (شراب فروش) کے پاس آیا اور اس سے خواہش کی کہ ایک عورت فراہم کر دے۔ ابو مریم نے پوچھا کہ کیا تو سمیہ کو پسند کرتا ہے۔ ابوسفیان سمیہ سے واقف تھا اس لیے کہا کہ ہاں، اس کو لے آ۔ اس کے طویل پستانوں اور اس کے پیٹ کی بدبو کو پسند کرتا ہوں۔ ابو مریم خمار اس کو لایا۔ ابوسفیان نے اس سے ہم بستری کی اور زیاد کا لطف قرار پایا اور جب زیاد سہا ہوا تو سمیہ اس کو اپنے شوہر عبید کے بستر پر ڈال دیا۔ (یعنی عبید سے اس کو منسوب کیا) تواریخ میں ہے کہ جب معاویہ ابن ابوسفیان تخت و تاج کے مالک ہوئے تو کوشش کی کہ ابن زیاد کو امیر المومنین علی علیہ السلام کی پارٹی سے جدا کر کے اس سے بھائی چارہ کر لیں اور اپنی طرف کر لیں۔ اس لیے کہ یہ بڑا چلتا پرزہ اور

بڑا مقرر (اسپیکر) تھا۔ زیاد راضی نہ ہوتا تھا اس لیے معاویہ نے اس کو بلایا اور کہا کہ تو میرا بھائی ہے اس پر زیاد بہت بگڑا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ امیر معاویہ نے بھری محفل میں گواہی دلا دی کہ زیاد ان کا بھائی ہے۔ تاریخ فخری میں یہ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے :- وحضر شہود مجلس معاویہ۔ فشهدوا بانّ زیاداً ولد ابی سفیان۔ فمن جملة شہود الامیر الخمار الذی احضر سمیہ الی ابی سفیان وکان هذا ابو مریم قد اسلمو حسن اسلامہ فقال لہ بم تشهد یا ابامریم قال اشہد ان اباسفیان حضر عندی وطلب متی بغیا فقلت لہ لیس عندی الا سمیہ فقال ہاتھاعلی قد رھا فاتیتہ بہا فخلامعھا۔

ترجمہ : معاویہ کی محفل میں گواہ پیش ہوئے اور گواہی دی کہ زیاد ابوسفیان سے پیدا ہوا۔ منجملہ اور گواہوں کے ابو مریم شراب فروش بھی تھا جو سمیہ کو ابوسفیان کے لیے لایا تھا۔ یہ ابو مریم مسلمان ہو گیا تھا اور اچھا مسلمان تھا۔ پس معاویہ نے اس سے کہا کہ کیا گواہی دیتا ہے پیش کر۔ ابو مریم نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک روز ابوسفیان میرے پاس آئے اور مجھ سے ایک بدکار عورت طلب کی، میں نے کہا کہ اس وقت تو سوائے سمیہ کے اور کوئی عورت میرے پاس نہیں ہے تو ابوسفیان نے کہا اسی کو لے آ۔ اس لیے کہ اس کی کثافت اور جسم کی بدبو مجھے پسند ہے پس میں سمیہ کو لایا اور ابوسفیان نے اسے خلوت کی۔ تاریخ فخری کی عبارت بالا سے زیاد کے ابوسفیان کی اولاد ہونے کے علاوہ اور چند عجیب و غریب امور کا انکشاف ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ ابوسفیان کا مذاق ان کی طبیعت کی گندگی کو ظاہر کرتا ہے کہ ایک غلیظ و کثیف عورت پر وہ نائل

ہوئے اور بوجہ اس کی بدبو اور غلاظت کے اس کو پسند کیا۔ دوسرے یہ کہ معاذیہ ابن ابوسفیان کی طبیعت، طینت و خصلت اور دنیا پرستی کا پتہ چلتا ہے کہ یہ دنیا کے اس قدر مرید اور دلدادہ تھے کہ اس کے حصول کی خاطر اپنے باپ کو بھری محفل میں زانی قرار دلوانے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ گواہوں سے باپ کے اس فعلِ شنیع کے متعلق گواہی دلو کر ہی چھوڑا۔

اہل دنیا خصوصاً مسلمان خود غور کریں کہ جب ایسے قماشِ فطرت اور اخلاق کے لوگوں میں اسلامی حکومت و اقتدار منتقل ہو گیا تو انہوں نے کسی حکمرانی کی ہوگی۔ ایسے لوگوں کی امام حسین، رسول اللہ کے نواسے تو کجا ایک معمول سچا اور باایمان مسلمان بھی کیونکر بیعت کر سکتا تھا!! افسوس کہ اس پر بھی بعض مسلمان علماء نے امام حسین علیہ السلام کو یزید کے مقابل میں باغی ٹھہرایا۔ ہماری دعا ان علماء کے لیے یہ ہے کہ خدا انہیں روزِ قیامت یزید کے ساتھ محشور کرے اور آخرت میں ان کا مقام دہی قرار دے جو یزید کا ہوگا۔

تواریخ میں ہے کہ جب حضرت عائشہ کو معاویہ کا ابن زیاد کو اپنا بھائی قرار دینے کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے کہا رکبت الصلعا، یعنی ایک امرِ شنیع کا مرتکب ہوا۔

افسوس ہے کہ جناب زینب کے پاک تذکرہ میں ایسے ناپاک واقعات کا ہم کو ذکر کرنا پڑا۔ ہم مجبور تھے۔ خیال آیا کہ ممکن ہے بعض کم ایمان، کم عقیدہ حضرات جناب زینب کے ان الفاظِ اولاد البغایا (فاشہ عورتوں کی اولاد) دیکھ کر اعتراض کریں کہ آپ نے خواہ مخواہ غصہ اور نفسانیت کی وجہ سے یزیدیوں کے متعلق ایسے سخت اور ناروا الفاظ استعمال کر دیے پس ہم بتا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ جناب زینب نے خلافت واقعہ محض غصہ اور نفسانیت کی وجہ سے

ایسا نہیں کہا بلکہ تاریخی اور حقیقی واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اعظم کوئی نے اپنی تاریخ میں جناب زینب کے یہ کلمات جو ہم نے درج کیے، لکھے ہیں اور لکھلے کہ جب حضرت سید الشہداء علیہ التعمیۃ والنساء کا خالی گھوڑا اہل بیت کے خیمہ پر آیا تو سب بیبیاں قتل گاہ کی طرف روانہ ہوئیں اور جناب زینبؑ امام علیہ السلام کے تن بے سر پہنچ کر وہ تقریر فرمائی جو ماقبل مسطور ہے۔

مفتاح البکام میں روایت ہے کہ حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ جب خلیم اہل بیت کو آگ لگادی گئی اور خیمے جلنے لگے تو میں نے دیکھا کہ ایک بی بی ایک جلتے ہوئے خیمہ کی طرف دوڑیں اور خود کو آگ میں ڈال دیا اور ایک نوجوان کو کھینچتی ہوئی باہر لائیں اس وقت اس بی بی کے سر پر لڑکھڑاہے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ بی بی زینب بنت علی ابن ابیطالب ہیں اور وہ نوجوان علی ابن الحسین ہیں۔ جب اُس بی بی کی عمر ابن سعد علیہ العین پر نظر پڑی تو پکار کر کہا اے سپر سعد خدا تیری نسل قطع کرے کیا تیرے باپ سعد نے یہی وصیت تجھے کی تھی کہ ایسے جرائم کا مرتکب ہو۔ ان واقعات سے جو اس روایت میں بیان کیے گئے ہیں، جناب زینب کی ہمت و شجاعت، استقلال و تحمل، عظمت و جلال کی شان ظاہر ہوئی۔

”بحر المصاب“ میں روایت ہے کہ جناب زینبؑ امام حسینؑ کی نفسِ مطہر پر پہنچیں تو رسول اللہ کو مخاطب کر کے یہ اشعار کہے۔

هَذَا الَّذِي قَدْ كُنْتُ ثَلْثَ مَخْرَةٍ      اُمِّیْ نَحْبِیْ اَمِنْ حُدُودِ طَبَاثُهَا  
مِنْ بَعْدِ هَجْرِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ      اَلْقَى طَرِیْحًا فِی شَرِّیْ رَمَضَانِهَا

ترجمہ: یا رسول اللہ یہی حسینؑ ہیں جنکے گلوئے مبارک کو آپ چومتے تھے۔ شام کو وہ ذبح ہو گئے ان اشقیاء کی تلواروں کی دھاروں سے۔ آپ کے دنیا سے جانے کے بعد وہ پچھاڑ دیے گئے گرم ریت پر۔

اور پھر اپنی مادرِ گرامی کو مخاطب کر کے فرمایا:-

يَا اُمَّاهُ هَذَا حَسِينُكَ غَرِيقٌ بِالْاَمِّ

وَعَطْشَانٌ فِي اَرْضِ الْمُحَنَّتِ وَالْبَلَاءِ

اَفَاطَمَةُ لَوْ خَلَّتِ الْحُسَيْنَ عَجِدًا

وَشَمَّرَ بِنَعْلَيْهِ عَلٰى صَدْرِهِ يَرْقُ

ترجمہ: اے اماں یہ آپ کے حسین ہیں جو پیاسے اور اپنے خون میں ڈوبے ہوئے زمینِ کربلا میں پڑے ہیں۔ اے فاطمہ کاش آپ دیکھتیں حسین کو کہ وہ پچھاڑ دیے گئے اور شمر نعلین پہنے ہوئے ان کے سینہ پر چڑھا ہوا ہے۔

روایت ہے کہ جب جناب زینب کو معلوم ہوا کہ دوسرے روز یعنی گیارہویں محرم کو اشقیاء سب اہل بیت کو اسیر کر کے کوفہ لے جانے والے ہیں تو رات میں آپ نے جناب ام کلثوم سے فرمایا: اختاہ تعالیٰ ان نروح الیٰ جسد اخینا الحسین و لنودعه (اے بہن آؤ بھائی حسین کی نعش پر جائیں اور ان سے رخصت ہولیں۔) پس دونوں روتی ہوئی روانہ ہوئیں اور امام علیہ السلام کی نعش مٹھ پر پہنچ کر گریہ و نوحہ فرمانے لگیں۔

عاشورا کی کیفیت جناب رازق الخیری صاحب نے ”سیدہ کی بیٹی“ میں خوب بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:

”ٹھیک اُس وقت جب مسجدوں میں نمازِ عصر ادا ہو رہی تھی کربلا کے رنگستان میں نبیؐ کے پیاروں کے قتل اور بربادی پر شادیاں بچ رہے تھے۔ ادھر فتح کے نقارے اور کامیابی کے قہقہے تھے اور ادھر حسینی خیموں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔“

”اب سیدانیوں کے خیمے کو لوٹا گیا۔ زرو جواہر مال و  
 متاع کیا ملتا۔ وہاں اللہ کا نام تھا لیکن جن شقی  
 القلب انسانوں کے ہاتھ رسولؐ کے پیاروں کو قتل  
 کرنے کے لیے بڑھے تھے کیا وہ سیدانیوں کی بھرتی  
 سے رُک سکتے تھے۔ خاک میں اُٹی ہوئی ردائیں اور  
 قمیصیں جھیر جھیر کی گئیں !!

”ابن اثیر لکھتا ہے کہ اگر کوئی عورت کمر ڈھکنے کے لیے کپڑا اڑھتی تو وہ بھی  
 چھین لیا جاتا۔“

# باب

## حالاتِ روانگی از کربلا بجانب کوفہ و حالاتِ سفر

\* \* \* \* \*

ابن اثیر تاریخِ کامل میں لکھتے ہیں کہ بعدِ شہادتِ امام حسینؑ عمر بن سعد دو روز کربلا میں ٹھہرا رہا اور بارہ محرم کو کوفہ روانہ ہوا۔ اگر ابن اثیر کی روایت صحیح ہو تو اہل بیتؑ بارہ محرم کو کوفہ کی جانب روانہ ہوئے اس لیے کہ روزِ عاشورا عصر تنگ کے وقت امام حسینؑ شہید ہوئے اور بقول ابن اثیر شہادت کے بعد دو روز عمر سعد کربلا میں رہا تو پھر یقیناً بارہ محرم کو شام کے وقت اہل بیتؑ کو لے کر کوفہ روانہ ہوا۔

اکثر تواریخ اور مقاتل میں اہل بیتؑ کی کوفہ کو روانگی کی تاریخ گیارہ محرم بتائی گئی ہے بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ روزِ عاشورا ہی عصر کے بعد اپنے مقتولین کو دفن کر کے عمر ابن سعد سرِ مغرب کوفہ روانہ ہو گیا۔ یہ خبر صحیح نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ بعض معتبر اور مستند روایات سے پایا جاتا ہے کہ جب امام حسینؑ کے سرِ انصار و اعزاء شہید ہو گئے تو بعد ظہر آپؑ نے خود جہاد فرمایا اور زخمی ہو کر گھوڑے نے میں پر تشریف لائے اور تقریباً تین ساعتِ غشی میں ریگ پر رہے۔ اس اثنا میں کئی ملائین سرِ اقدس جدا کرنے آئے لیکن جو آتا تھا آپؑ اس کو دیکھتے تھے اور وہ ملعون مرعوب ہو جاتا اور یہ کہتا ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ بھی رہے ہیں واپس چلا جاتا بالآخر عصر تنگ کا وقت ہوا اور آپؑ اٹھ کر نمازِ عصر میں مشغول ہوئے اور جیسے ہی سورہ میں تشریف لے گئے گردن کی طرف سے آپؑ کو



ذبح کر دیا گیا۔ جب عصر تنگ کے وقت امام علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی اور اس کے بعد اشقیانے اہل بیت کا مال و اسباب لوٹا دیے، اپنے مقتولین کو دفن کیا تو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ان سب اُمور سے فارغ ہو کر اسی روز سر مغرب کو فہ روانہ ہو جاتے۔

رازی الخیری صاحب نے بھی ۱۲ محرم تاریخ روانگی بتائی ہے۔ لکھتے ہیں:-

” ۱۲ محرم . . . . . اہل بیت کو جن کے کپڑے پھٹے ہوئے

جن کے چہرے گرد آلود تھے رسیوں سے کس کر باندھ دیا

گیا اور پھر انہوں پر جن کی پشت پر کجاہ بھی نہ تھا بٹھا

گیا۔ سیدانیوں کے چہرے کھلے اور ان کے ہاتھ پشت

کی طرف بندھے ہوئے تھے۔“

صاحب ”خصائص زینبیه“ لکھتے ہیں کہ دوسرے روز بعد عصر اہل بیت کو فہ روانہ کیے گئے اور عمر سعد نے شہدار کے سر ہائے مبارک مختلف قبیلوں کے سرداروں کے سپرد کیے، اس خیال سے کہ راستہ میں لوگ یہ دیکھ کر کہ تمام قبائل جنگ میں شریک تھے مزاحمت کی جرأت نہ کریں۔

ہمارا خیال ہے کہ گیارہ محرم تاریخ روانگی صحیح ہے اس لیے کہ امام علیہ السلام کو شہید کر دینے کے بعد یزید یوں کو اس لٹ و دق صحرائیں رہنے کی کیا ضرورت تھی انہیں تو کو فہ پہنچنے اور ابن زیاد سے العام و اکرام حاصل کرنے کی لو لگی ہوگی۔

صاحب ”ریاض الشہادت“ لکھتے ہیں کہ جب اہل بیت کو فہ جاتے ہوئے قتل گاہ میں وارد ہوئے تو ہر ایک بی بی اپنے عزیز و قریب کے جسد سے جا کر لپٹ گئی۔ جناب زینب امام حسین کے جسد مطہر سے لپٹیں اور ایک چیخ مار کر شدید گریہ فرمایا اور پھر مدینہ کی طرف منہ پھیر کر فرمایا۔ یا رسول اللہ! ہذا الحسین قبلہ والصلۃ

صدیٰ علیٰ صدرک وثلثم نخرة فقد صرع فی الصحرا عرجوح الاعضاء  
 ونخرة منخور وصدیٰ مسکور وراسہ مقطوع من القفار و  
 رفع علی القنار وجسمہ تحت سنابک خیول اهل البغا واولاد  
 الطلقاء یا جدّاه نحن اهل بیتک بالذل والهوان فی دار  
 غربۃ وفی اسر کفرۃ فخرۃ - (یا رسول اللہ یہ آپ کے حسین ہیں جن کو  
 آپ چوما کرتے تھے اور اپنے سینے سے لگایا کرتے تھے اور جن کے گلوئے مبارک  
 کے بوسے لیتے تھے۔ یہ پچھاڑ دیے گئے۔ ان کے اعضاء مجروح ہو گئے، ان کا سر  
 گردن سے کاٹا گیا اور نیزہ پر چڑھا دیا گیا۔ ان کا سینہ چور چور ہے اور ان کا جسم  
 باغیوں اور آزاد کردہ لوگوں کی اولاد کے گھوڑوں کے سموں سے پامال اور  
 پاش پاش ہے۔ اے نانا ہم اہل بیت دار غربت میں ذلیل و حقیر کر دیے گئے  
 اور کافروں اور فاجروں کے قیدی ہو گئے) کتاب منتخب میں ہے کہ جناب  
 زینب یہ کلمات ارشاد فرما کر گریہ فرما رہی تھیں کہ ایک ملعون قریب آیا اور آپ کی  
 پشت پر اس زور سے کوب نیزہ سے مارا کہ آب زمین پر گر پڑیں اور شقی نے آپ سے  
 کہا، بھائی سے رخصت ختم ہوئی اب اونٹ پر سوار ہو جاؤ جناب زینب اٹھیں اور  
 امام حسین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اودعک اللہ عزوجل یا بن اُمّی یا  
 یا شفیق روحی فان فراقی ھذا الیس عن ضجرو ولا عن ملالۃ  
 ولكن یا ابن اُمّی کما تری یا نور بصری فاقر جدی وابی و  
 اُمّی و اخی منی السلام ثم اخبرهم بما جرى علینا من  
 ھو لا القوم - (اے میرے ماں جائے اے میرے شفیق روح میں آپ کو  
 اللہ عزوجل کے حوالے کرتی ہوں۔ میں ضجر و ملال کی وجہ سے آپ سے جدا نہیں  
 ہو رہی ہوں بلکہ آپ نے خود دیکھ لیا کہ کس جبر و سختی کے ساتھ مجھے آپ سے جدا

کیا جا رہا ہے۔ اے میرے ماں جانے اے میری آنکھوں کے نور نانا، بابا، اماں اور بھائی کو میرا سلام کہیے اور ہم پر جو کچھ اس قوم لئیم کے ہاتھوں گزری ہے جو کچھ صاحب "بیت الاحزان" لکھتے ہیں کہ جناب زینبؓ نے قتل گاہ میں جناب ام کلثومؓ کو نہ پایا تو تلاش میں نکلیں اور آپ کو کنارہ فرات پر حضرت ابی الفضل العباسؓ کی نعش پر روتے ہوئے پایا اور وہاں سے ساتھ لاکر سوار کرایا۔ بحر المصائب میں روایت ہے کہ جب اہل بیت قتل گاہ میں لا شہائے شہداء سے وداع ہو رہے تھے تو جناب سکینہؓ اپنے پدر بزرگوار کی لاشِ مطہر سے لپٹی ہوئی گریہ و بین فرما رہی تھیں۔ شمر ملعون قریب آکر ڈرلے دھمکانے لگا اور تشدد کے ساتھ آپ کو نعشِ مطہر سے جدا کرنا چاہا تو جناب زینبؓ اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا، اے شمر خدا تیرے ہاتھ قطع کرے تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک دل دکھی کس لڑکی کو جو اپنے باپ کے لیے رو رہی ہے اور اُن کے حلقوم بریدہ کے بوسے لے رہی ہے تو ڈراتا، دھمکاتا اور سختی کرتا ہے۔

مفتاح البکام میں روایت ہے کہ جب اہل بیت قتل گاہ میں پہنچے تو جناب زینبؓ چاروں طرف غور سے دیکھنے لگیں جیسے کسی چیز کی تلاش ہے پس آپ کی نظر ایک جبر سے سر پر پڑی جس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور خون بہہ رہا ہے آپ کا دل اُس جسد کی طرف جمید مائل ہوا اور آپ آہستہ آہستہ اس جسد کے پاس آئیں اور فرمایا یا ہا ہن امن انت اُمتی (اے شخص تو کون ہے۔ کیا تو میرا بھائی ہے؟) لاش سے کچھ جواب نہ ملا تو پھر آپ نے کہا اے جسد بے سر تجھے نانا رسول اللہ کی قسم مجھ سے بات کر، تجھے با یا علی مرتضیٰ کی قسم اگر تو میرے شفیق بھائی کا جسد ہے تو مجھ سے بات کر، پھر بھی کچھ جواب نہ ملا تو آپ نے کہا تجھے میری ماں فاطمہ الزہراؓ کی قسم اگر تو ہی میرا بھائی ہے تو مجھ سے بات کر، پھر بھی جواب نہ ملا تو بھی بے سقر ہوئیں اور کہا

یا ہذا سلام علی جسمک المجروح و یدنک مطروح (اے شخص میرا سلام ہے تیرے جسم مجروح اور بدن مطروح پر) اس دفعہ حلقوم بُریدہ سے آواز آئی۔  
 یا اختاکا ہذا یوم النائی والفراق و ہذا الیوم وعدتی جدی (اے بہن آج کا دن جدائی اور فرقت کا ہے اور اس دن کا نانا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا) جب جناب زینبؓ نے بھائی کا یہ کلام سنا تو کہا "اے بھائی اگر تم میرے بھائی ہو تو اُمّ کلثومؓ بیٹھو۔ جس پر بے سُر اُٹھ بیٹھا اور جناب زینبؓ نے سینہ سے لگا لیا۔  
 حلقوم بُریدہ پر منہ رکھ کر دہاڑیں مار کر ایسا روئیں جیسا کہ جوان بیٹے کے لیے ماں روتی ہے اور پھر بطور نصیحت اشعار پڑھے۔

"بحر المصاب" میں ہے کہ جناب ام کلثومؓ فرماتی ہیں کہ جب میں قتل گاہ میں پہنچی تو مجھے خیال آیا کہ بھائی حسینؓ جہاد کے لیے گئے تو ایک جامہ کہن بطور زیر جامہ پہن کر گئے تھے تاکہ اشتیاق کم از کم اس کو بدن پر چھوڑ دیں پس یہ دیکھنے کیلئے کہ آیا وہ جامہ کہن بھی اشتیاق نے چھوڑا یا نہیں۔ میں نقشِ مطہر کے پاس گئی تو دیکھا کہ بہن زینبؓ بیٹھی ہوئی ہیں اور گریہ فرما رہی ہیں اور اشتیاق نے وہ زیر جامہ بھی اتار لیا ہے اور آپ کی نقشِ خاک و خون میں غلطاں عریاں پڑی ہے۔

عہبان اور غلامانِ حسینؓ ذرا غور و فکر و تصور سے کام لیں تو صرف یہ ایک مصیبت عمر بھر خون رُلانے اور خاک اُڑانے کے لیے کافی ہے۔ جناب زینبؓ جناب ام کلثومؓ اور دوسری محذراتِ عصمت و طہارت کا کیا حال ہوا ہو گا جب انھوں نے اپنے آقا و سردار و امام کی یہ حالت دیکھی ہو گی کہ جسمِ اقدس بلا سر ہے۔ مجروح و مطروح خاک و خون میں آلودہ عریاں ریگ گرم پر پڑا ہے اور دفن و کفن کا کوئی سامان نہیں۔ جب عمر سعد جلدی کرنے لگا اور اہل بیتؓ کو جلد اوٹھوں پر سوار ہونا پڑا اور لگیا اور سب بیبیاں سوار ہو گئیں تو جناب زینبؓ نے اہل کوفہ و

شام کو مخاطب کر کے فرمایا یا اصحاب محمدؐ ہولاء ذریتہ المصطفیٰ  
یساقون سوق السبایا واولیاء احزنا۔ (اے محمدؐ مصطفیٰ کے اصحاب  
(اُمّتیو!) ہم تمہارے پیغمبر محمدؐ مصطفیٰ کی ذریت ہیں اور تم ہم کو مثل قیدلوں کے  
ہانکے لے جاتے ہو واولیاء احزنا۔

بر ولیتے معتبر جناب امام زین العابدینؑ سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں  
کہ روزِ عاشورا ہم پر جو کچھ گذرنا تھا گذر گیا دوسرے روز کو نہ لیجانے کے لیے  
ہم کو اونٹوں پر سوار کر دیا گیا اور ہم قتل گاہ میں پہنچے تو میں نے عجیب دلو گار او  
جگر خراش منظر دیکھا کہ شہداء کے لاشہائے مہرہ خاک و خون میں آلودہ بلا سروں  
کے ریگ بیابان میں پڑے ہیں۔ اشقیاء نے انھیں دفن تک نہیں کیا حالانکہ اپنے  
مقتولین کو دفن کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے اس قدر قلق و اضطراب ہوا کہ قریب تھا  
کہ جان تن سے نکل جائے۔ میری اس حالت کا مشاہدہ فرما کر پھوپھی زینبؑ نے  
مجھ سے پوچھا مالی اراک تجود نفسک یا بقیۃ جدی ابی و اخئی  
دلے میرے نانا، بابا اور بھائی کی یادگار تجھے کیا ہو گیا میں دیکھ رہی ہوں کہ تیرا  
دم نکلنے کو ہے۔ میں نے عرض کی، اے پھوپھی جان کیونکر میرا یہ حال نہ ہو جبکہ میں  
دیکھ رہا ہوں کہ میرے بابا، چچا اور بھائیوں کے لاشہائے بے سر بلا گور و کفن اس  
میدان میں پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے تک اُتار لیے گئے اور ان کے دفن و کفن کا کوئی  
سامان نہیں۔ پھوپھی زینبؑ نے میرے ان کلمات کو سن کر فرمایا: لا یجزعک ما  
تری فواللہ ان ذالک لعہد من رسول اللہ الی جدک و ابیک  
وعمک ولقد اخذ اللہ میثاق اناس من ہذہ الامۃ لا  
تعرّفہم فراعنہ ہذہ الارض وہم معروفون فی اہل السمرات  
انہم یجمعون ہذہ الاعضاء المتفرقہ فیوارونہا و ہذہ

المجسوم من المضرجة وینصبون لہذا الطفت علما لقبر  
ابیث سید الشہداء علیہ السلام لا یدرس اشرہ ولا  
یعفور رسمہ علی کروم الیالی والایام ولیجتہدن ائمة  
الکفر واشیاع الضلالة فی محوہ وقطمیہ فلا یزداد  
اشرہ الا ظہور اوامرہ الاعلوا۔

ترجمہ: بیٹا تم کو یہ نظر جو دیکھ رہے ہو پریشان نہ کرے۔ خدا کی قسم یہ  
رسول اللہ کا وہ معاہدہ ہے جو آپؐ نے تمہارے دادا، تمہارے باپ اور تمہارے  
چچا کے ساتھ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے چند لوگوں سے میثاق لیا،  
جن کو اس امت کے فراعنہ نہیں جانتے۔ حالانکہ وہ لوگ اہل سموات کے درمیان  
مشہور و معروف ہیں۔ پس وہ لوگ ان پر لگندہ اعضاء اور ان خون میں بھر پور  
اجسام کو جمع کر کے ان کو مٹی میں دفن کریں گے اور اس بیابان میں تمہارے باپ  
سید الشہداء کی قبر کا نشان قائم کریں گے کہ جس کا اثر اور نشان سالہائے سال  
تک نہیں مٹے گا حالانکہ انہیں کفر اور گمراہی کی جامعیت اس کے مٹانے کی کوشش  
کریں گے لیکن جوں جوں وہ مٹانا چاہیں گے وہ نشان قبر اور ظاہر ہوتا جائے گا  
اور اس کا معاملہ بلند اور مستحکم ہوتا جائے گا۔ اس کے بعد جناب زینبؓ نے حضرت  
ام ایمن کی ایک حدیث بیان فرمائی کہ جناب ام ایمن نے آپؐ سے فرمایا کہ  
ایک روز جناب رسول خدا جناب فاطمہ الزہرا کے پاس تشریف لائے۔ جناب  
صدیقہ الکبریٰ آپؐ کے لیے حریرہ تیار کر کے لائیں اور جناب امیر علیہ السلام نے  
کھجوریں پیش کیں اور خود جناب ام ایمنؓ مسکے اور دودھ لے کر حاضر خدمت  
ہوئیں۔ آنحضرتؐ، علیؓ، فاطمہؓ اور حسینؓ نے یہ چیزیں نوش فرمائیں اس کے  
بعد جناب امیر علیہ السلام نے آنحضرتؐ کے ہاتھ منہ دھلائے۔ آنحضرتؐ نے ہاتھ

مندھونے کے بعد دونوں ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیرے اور جناب امیرؑ جناب فاطمہؑ اور حسنینؑ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ آپ کے چہرے سے سرور کے آثار نمایاں تھے۔ پھر آپ آسمان کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے اس کے بعد رو بہ قبلہ ہو کر کچھ دعا پڑھی اور سجدہ میں گئے اور رونے لگے۔ کچھ دیر بعد جب آپ سجدے سے اٹھے تو آپ کی ریش مبارک پر آنسو مثل قطر ہائے آب باران ٹپک رہے تھے۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر جناب فاطمہؑ، جناب امیرؑ اور جناب حسنینؑ محزون و ملول ہوئے۔ جب دیر تک آپ کا گریہ جاری رہا تو جناب امیرؑ اور جناب فاطمہؑ نے عرض کیا، یا رسول اللہ خدا آپ کی آنکھوں کو نہ رُلانے، آپ کے گریہ بککانے ہمارے قلوب کو مجروح کر دیا ہم نے کبھی آپ کی ایسی حالت نہیں دیکھی تھی کہ آخر آپ کے گریہ و بکا کا کیا سبب ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب اے علیؑ میں آج تم سب کو دیکھ کر مسرور و شاد ہوا کہ کبھی ایسا مسرور نہیں ہوا تھا اور میں خدا کی ان نعمات کا شکر بجالا رہا تھا کہ جبریلؑ امین نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ خدا نے جلیل آپ کی دلی حالت سے واقف ہوا۔ جو خوشی آپ کو اپنے بھائی، صاحبزادی اور نواسوں کے دیدار اور صحبت سے حاصل ہوئی اس سے آگاہ ہوا اور اس نعمت کو آپ کے لیے مکمل فرمادیا۔ ان بزرگواروں کو آپ کی ذریت قرار دیا ان کے دوست اور شیخہ آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گے اور اسی طرح زندگی بسر کریں جیسا آپ بسر فرمائیں گے۔ آپ ان سے راضی و خوش رہیں گے لیکن یا رسول اللہ اس کے ساتھ یہ ہوگا کہ اس دنیا کی دنیا میں آپ کی ذریت اور ان کے شیعوں پر بدلیات اور مصائب نازل ہوں گے آپ کی اُمت سے ایک گروہ جو آپ کے دین کو برائے نام اختیار کرے گا ان پر مظالم ڈھائے گا اور انھیں وہ مظالم برداشت کرنا ہوں گے۔ وہ گروہ اشتقیا بظاہر تو آپ کی اُمت سے ہوگا لیکن خدا و رسولؐ سے بیزار

ہوگا اور آپ کی ذریت اور ان کے شیعوں کو قتل کرے گا، ایذا میں پہنچائے گا اور ان کے قبور و آثار کو مٹا تا رہے گا۔ یا رسول اللہ، خدا نے آپ کی اولاد، اہل بیت اور ان کے شیعوں کے لیے یدِ مصائب اور بلائیں اس لیے پسند فرمائے ہیں کہ ان کے درجات بلند ہوں اور انھیں مقاماتِ عالیات اس کے پاس حاصل ہوں پس آپ خدائے عز و جل کا شکریہ بجالائیں اور اس کی قضا و قدر پر راضی ہوں پس میں نے اظہارِ رضامندی کیا اور شکریہ خدا بجالایا۔ پھر جبرئیلؑ نے کہا یا رسول اللہ یہ آپ کے بھائی علیؑ آپ کے بعد آپ کے دین و امین کو قائم اور جاری رکھنے کی کوششوں کی وجہ سے دشمنانِ دین کی مخالفت کا شکار ہوں گے۔ اس امت کے فراعنہ اور اشقیاء ان پر غالب آجائیں گے اور وطن سے دور ایک شہر میں ہجرت کریں گے اور ایک بدترین مخلوق جو مثل پے کندہ ناقہ صالح ہوگا، کے ہاتھ سے قتل کیے جائیں گے۔ وہ شہر جہاں یہ شہید ہوں گے ان کے اور ان کے صاحبزادوں کا مفرس ہوگا۔ ان کی شہادت کے بعد آپ کے اہل بیت اور ان کے شیعوں کے مصائب میں اضافہ ہونا جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ کا یہ صاحبزادہ حسینؑ ابن علیؑ اپنے اعزاء و اقرباء اور چند مخصوص نیک بندوں کے ساتھ نہرِ فرات کے کنارے زمین کو ہلا کر شہید کیا جائے گا اور اس سرزمین کو وہ حرمت حاصل ہوگی جو کسی اور زمین کو حاصل نہ ہوگی اور اس زمین کی قدر و منزلت برابر ہوگی زمینِ بہشت کی قدر و منزلت کے۔ جس روز یہ صاحبزادہ شہید ہوگا تو دنیا میں عجیب ہیجان ہوگا۔ زمین پہلنے لگے گی۔ پہاڑ لرزاں ہوں گے۔ سمندروں اور دریاؤں میں تلاطم ہوگا، اور غضبِ الہی کے ایسے آثار نمایاں ہوں گے کہ اہل آسمان مضطرب و پریشان ہو جائیں گے اور یہ سب اس لیے ہوگا کہ معلوم ہو جائے کہ خدائے جلیل کو آپ کی ذریت کی حرمت اور عزت کا کس قدر لحاظ ہے اور ان کی ایذا رسانی پر اس کا



قہر و غضب کس طرح نازل ہو سکتا ہے۔ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا کی ہر چیز کو خدا حکم دے گا کہ آپ کی مظلوم اور ضعیف ذریت کی نصرت کرے کیونکہ وہ اُس کی مخلوق پر آپ کے بعد اس کی (اللہ کی) حجت ہوں گے۔ پس اللہ وحی فرمائے گا آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، سمندروں اور ان میں جو مخلوق ہوں سب کو کہ میں اللہ قادر ہوں مجھ سے فرار ممکن نہیں اور نہ مجھے کوئی عاجز کر سکتا ہے۔ اور میں انتقام لینے پر پورا قادر ہوں۔ میری عزت و جلال کی قسم میں عذاب شدید دوں گا اُن کو جنہوں نے میرے حبیب، میرے رسول سے دشمنی کی اس کو اذیت دی، اس کی ہتک حرمت کی، اس کی عزت کو قتل کیا، ان کی بے حرمتی کی۔ یا رسول اللہ جب حیئن اور ان کے انصار زخمی ہو جائیں گے تو خدائے عزوجل خود ان کی ارواح قبض فرمائے گا اور آسمان ہفتم سے ملائکہ یا قوت و زمرہ کے طرف لائیں گے جن میں آبِ حیات ہوگا اور چند فرشتے حلقہ ہائے بہشت اور بہشت کی مٹی لے ہوئے نازل ہوں گے اور اس طیب پانی سے انھیں غسل دیں گے حلقہ ہائے بہشت اُن کے کفن ہوں گے اور بہشت کی مٹی ہنوط ہوگی۔ پھر خدائے تعالیٰ آپ کی اُمت سے ایک گروہ مقرر کرے گا جس سے کفار واقف نہ ہو سکیں گے۔ اور جس نے عملاً یا قولاً آپ کی ذریت کے خون میں حصہ نہ لیا ہوگا اور یہ گروہ لاشوں کو دفن کرے گا اور حسین اور ان کے انصار کے قبور کے آثار کو تلاش قائم کرے گا۔ جو اہل حق کے لیے علم ہدایت اور مومنین کے لیے باعثِ فوز و برکت ہوں گے۔ ایک لاکھ ملائکہ آسمان صبح و شام اُن قبور کی زیارت کریں گے۔ وہاں تسبیح و تہلیل اور اُن کے زواروں کے لیے طلبِ مغفرت کریں گے۔ زواروں کے آباء و اجداد اُن کے قبیلوں اور شہروں کے نام لکھ لیا کریں گے۔ زواروں کی پیشانیوں پر زورِ خدا لکھ دیا جائے گا کہ ”یہ زائرِ قبرِ سید الشہداء ہے۔“ روزِ قیامت یہ تحریر

اس قدر روشن ہوگی کہ اس کی روشنی سے دوسروں کی آنکھیں چوندھیائی جائیں گی اور یہ زہد اور اس روز اس تحریر سے پہچانے جائیں گے یا رسول اللہؐ منظر اس وقت میرے سامنے ہے کہ آپ میرے اور میکائیل کے درمیان ہیں اور آپ کے بھائی علیؑ ہمارے سامنے ہیں اور ہمارے ساتھ بیشمار ملائکہ ہیں اور ہم میدانِ حشر سے زہد اور ان حسین کو ان کی پیشانی کی تحریر دیکھ دیکھ کر رُحْن رہے ہیں تاکہ ان کو اس روز کی ہول اور وحشت سے نجات دلائیں۔ یا رسول اللہؐ یہ خدا کے احکام اور عنایت و عطا ہے اُس کے لیے جو زیارت کرے آپ کے بھائی علیؑ ابن ابیطالبؑ اور حسینؑ کے قبروں کی اور ہاں یا رسول اللہؐ کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو علیؑ اور آپ کی ذریت کی قبروں کو مٹانے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں کامیابی نہ ہوگی۔ اُن پر خدا کی لعنت اور اس کا عذاب ہوگا۔ یہ بیان فرمانے کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ یا فاطمہؑ جبرئیلؑ کی اس تقریر نے مجھے اس قدر لرلایا اور یہی میرے حزن و ملال اور گمراہی و بکا کا سبب ہوا۔

اس روایت کے لکھنے اور امام زین العابدینؑ کے اضطراب کی حالت اور جناب زینبؑ کا دلالت دہی دینے کا ذکر کرنے کے بعد صاحب "طراز الذہب" کہتے ہیں کہ اس سے جناب زینبؑ کے علمی مقام و منزلت و رفعت و درجہ و مرتبہ مشکوف ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کن اُسرار اور اخبارِ محزونہ کی مالک تھیں اور آپ کے صبر و تحمل و استقلال کی کیا شان تھی۔ باوجود عورت ہونے کے ایسے ہولناک اور غمناک موقعوں پر جب کہ مردوں کے دل پانی ہو جائیں، کچھ پھٹ جائیں۔ آپ نے کس صبر سے کام لیا اور کن سنجیدہ کلمات سے بھتیجے کو تسلی دی۔ کیا عجب ہے کہ امام زین العابدینؑ نے بعد میں اس واقعہ کو اسی غرض و غایت سے بیان فرمایا ہو کہ دنیا کو ان معظّمہ سلام اللہ علیہا کے پارہٴ مراتب سے واقف کرا دیں۔

ہم کو صاحب "طراز المذہب" کے ان خیالات سے پورا اتفاق ہے اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت ام ایمن کی طولانی روایت پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں جو واقعات اور امور بیان کیے گئے ہیں وہ کس قدر صحیح ثابت ہوئے۔ تاریخ دان واقف ہیں کہ بعد رسالت نبی حضرت علی علیہ السلام پر وہ سب امور گزر گئے جنکی پیشگوئی اس روایت میں کی گئی ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے متعلق بھی جو کچھ کہا گیا پورا ہو کر رہا۔ امام حسینؑ کے قبر کے آثار مٹانے کی بار بار کوششیں کی گئیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ذریت رسولؐ کی قبور کے مٹانے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ وہابیوں کے ہاتھوں مدینہ میں ان بزرگواروں کے قبور کا جو حال ہوا اس سے باخبر لوگ واقف ہیں



# باب

## حالاتِ سفرِ کوفہ اور واقعاتِ کوفہ

\* \* \* \* \*

کر بلا و معلیٰ سے نجف اشرف کا فاصلہ پچاس میل بتایا جاتا ہے۔ آجکل یہ مسافت موٹر کے ذریعہ تین چار گھنٹوں میں طے ہوتی ہے۔ کوئی باضابطہ پختہ راستہ نہیں ہے۔ ریت کے چٹیل میدان میں جو مسطح ہے موٹریں چلتی ہیں اس لیے ۱۵ یا ۱۶ میل سے زائد رفتار نہیں ہوتی اور پھر راستہ میں دو تین مقام پر تھوڑی دیر انجن ٹھہر کر گرنے اور چائے وغیرہ پینے کے لیے ٹھہرتے ہیں۔ نجف اشرف سے کوفہ چھ میل ہے ممکن ہے کہ اہل بیت کو انہیں راستوں میں سے کسی ایک راستے سے لے گئے ہوں جو ان دنوں جاری ہیں یا اور کوئی راستہ اختیار کیا گیا ہو۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سفر بہت سرعت کے ساتھ طے کیا گیا تھا کیوں کہ اشقیاء چاہتے تھے کہ جلد تر کوفہ پہنچ جائیں اور ان ملائین کی جلدی کی وجہ سے اہل حرم کو بہت رحمت و تکلیف پہنچی۔ ذریعہ رسول کو ایذا پہنچانے اور ان کی توہین اور تذلیل کرنے کی غرض سے انہیں شتم ہائے بے کجا وہ پر ہٹھایا گیا جو بجائے خود بہت تکلیف تھا اور پھر جلدی کی خاطر اونٹوں کو ایسا بے موقع ہارکا جاتا تھا کہ بچے گر گر پڑتے تھے۔ تواریخ اور مقاتل میں ہے کہ اہل بیت ۱۱ محرم کو صبح میں کربلا سے روانہ ہوئے اور اسی روز شام کے وقت کوفہ پہنچے۔ سفر دس بارہ گھنٹہ میں طے ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اونٹوں کو بڑی تیزی سے چلایا گیا کہ تقریباً ستر دن میل کا فاصلہ اتنی قلیل مدت میں طے ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ راستہ میں کہیں تھوڑی دیر

بھی ٹھہرایا نہ گیا کہ اہل بیت آرام لیتے۔ اب اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ اس جلدی اور تیز رفتاری سے ان مخدرات عصمت و طہارت اور بچوں پر جو شران بے کجادہ پر سوار تھے کیا مصائب اور اذیتیں گزری ہوں گی تصور شرط ہے۔

”ریاض الاحزان“ میں روایت ہے کہ جب عمر سعد کو فہ کے قریب پہنچا اور ایک فرسخ فاصلہ رہ گیا تو ٹھہر گیا اور ابن زیاد کو اطلاع دی۔ ابن زیاد علیہ العین العذاب نے سراقہ سے حضرت سید الشہداء کو جو اس کے پاس پہلے ہی پہنچ گیا تھا، عمر ابن سعد کے پاس بھیجا اور تاکید کی کہ یہ سر نیزہ پر بلند کیا جائے اور قیدی اہلیت کے ساتھ شہر میں داخل ہو۔ جب سر مبارک امام نیزہ پر چڑھایا گیا تو جناب زینبؑ نے بڑی حسرت و یاس سے بھائی کے سر کو دیکھا۔ روئیں اور چند اشعار بطور لوحہ پڑھے۔ پہلا دردناک شعر یہ تھا۔

یا اخی کان هلا لا غاب طلوعه فسن فقد اضعی نہاری کلیتی

ترجمہ: اے بھائی تم ایک چاند (ہلال) تھے کہ جن کا طلوع ہونا اب موقوف ہو گیا اور تمہارے نہ ہونے سے میرا دن رات میں بدل گیا۔

(۲) جلد سوم ابواب الجنان میں ہے اور سید بن طاووس علیہ الرحمہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے کہ جب اہل بیت بیرون شہر کو فہ پہنچے تو انھیں ایک محل میں ٹھہرایا گیا۔ اس محل میں ایک عورت اپنے گھر میں مشغول عبادت تھی اس کو واقعہ کربلا کی مطلق خبر نہ تھی ناگاہ اس نے شور و غوغا عظیم کی آواز سنی اور چادر اوڑھ کر بالائے بام آئی اور دیکھا کہ کچھ فوج ہے اور اس کے ساتھ نیزوں پر چنبر سر بلند ہیں جو مثل آفتاب درختاں و فروزاں ہیں اور شتر ہائے بے کجاوہ پر چنبر عورتیں بلا متقن و چادر سوار ہیں جو حسرت و یاس سے اُن سروں کو دیکھ رہی ہیں سب کے سامنے کے اونٹ پر ایک بلند قامت بی بی ہیں جن کی گود میں ایک تین یا چار سال

کی لڑکی ہے جو ترساں دلرزاں اور پیاسی ہے اور بار بار اس بی بی سے پانی مانگ رہی ہے یہاں تک کہ شدتِ پیاس سے بیہوش ہو گئی اور وہ بی بی بچی کی یہ حالت دیکھ کر مغموم و محزون ہو کر رونے لگیں۔ یہ تماشہ میں عورت کی کیفیت دیکھ کر سخت بیتاب ہوئی اور پکار کر پوچھا کہ تم کس قوم اور قبیلہ کے قیدی ہو تو اس بی بی نے فرمایا ہم آل محمد ذریتِ رسول ہیں۔ اس عورت نے جب یہ سنا تو اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگی اور کہا کہ اے بی بی میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ شاہِ دلالت امیر المومنین علی ابن ابیطالب کی بڑی صاحبزادی سے مشابہت رکھتی ہیں۔ برائے خدا نام بتائیے اور فرمائیے کہ ان سروں میں جو سرسردار کا ہے اُن کا نام کیا ہے۔ اس وقت جناب زینب نے اس عورت کو غور سے دیکھا اور فرمایا کہ اے عورت میں ہی زینب بنت علی ہوں اور وہ سر مبارک سرور و سر دارِ سید الشہداء و کربلا حسین ابن علی میرے بھائی کا ہے۔ جب اس عورت کو یہ حال معلوم ہوا تو سر اور منہ بیٹھتی بام سے اُتری اور اس کے پاس جتنے مقنع و چادریں تھیں لا کر جناب زینب کی خدمت میں پیش کیں جو اشتقیاء نے چھین لیں۔

(۳) یہ بھی روایت ہے کہ جناب اُم حبیبہ کنیز جناب امام حسن ان دنوں کوفہ میں رہتی تھیں۔ اُن کا عقد ایک شخص مسیحی عبداللہ بن رافع سے ہو گیا تھا۔ امام حسن کی شہادت جب واقع ہوئی تو یہ خبر شہادت سن کر روتے روتے نابینا ہو گئیں۔ انھیں امام حسین کی شہادت کی اطلاع نہ تھی۔ جب اہل بیت طاہرین کوفہ میں داخل ہوئے تو شور و غل سن کر بالائے بام گئیں اور جب انھیں معلوم ہوا کہ چند قیدی لائے گئے ہیں تو پکار کر پوچھا کہ تم کس قوم اور قبیلہ کے قیدی ہو۔ اس وقت اتفاقاً وہ اونٹ جس پر جناب زینب تشریف رکھتی تھیں اُن کے بام کے سامنے ہی تھا اور آپ نے جواب دیا محسن اساری آل محمد یعنی ہم

خاندان رسالت کے قیدی ہیں۔ ام حبیبہ نے چند اور سوالات کیے اور جب انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ جناب زینب و دختر امیر المومنین ہیں تو روتی پڑھتی ہام سے اتریں چادریں اور لباس حاضر کی لیکن اشتیاق نے یہ لباس اور چادریں چھین لیں اور جناب یہ چیزیں لینے نہ پائیں۔

(۴) فاضل درہندی اعلیٰ اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان بیبیوں کی غیرت اور جلال قابل دید اور بے نظیر تھی۔ جب یہ محدثات بازارِ کوفہ میں پہنچیں تو شہر کے جہلاء و عوام جمع ہو کر انہیں دیکھنے اور ان کا تماشا کرنے لگے۔ بچوں کو خرما، روٹی دینے لگے تو جناب زینب اور جناب ام کلثوم نے انہیں ڈانٹا اور فرمایا: ”اے بے حیا اور بے شرم لوگو! اپنی آنکھیں نیچی کر لو اور ہمارے بچوں کو صدقہ نہ دو کہ آلِ محمدؐ پر صدقہ حرام ہے۔“ اور صدقات بچوں کے ہاتھوں سے چھین کر چھینکے جاتی تھیں۔ جناب فاضل فرماتے ہیں۔ ان بیبیوں کے ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حالتِ اسیری و پریشانی، خستگی و درماندگی میں بھی انہیں اپنے حفظِ مراتب، عفت و عزت کا اس قدر خیال تھا کہ اہل کوفہ کو عتاب آمیز خطابات سے مخاطب کیا۔

(۵) جاحظ نے اپنی کتاب ”البیان“ میں خزیمہ الاسدی کی روایت لکھی ہے احتجاج میں بھی یہ روایت ہے لیکن راوی کا نام جذام الاسدی لکھا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں کوفہ میں اسی روز داخل ہوا جس روز قیدیانِ آلِ محمدؐ کو بلا سے کوفہ آئے۔ اس روز میں نے دیکھا کہ کوفہ کی اکثر عورتیں چاک گریاں، پاپیادہ گھروں سے نکل آئی تھیں اور گریہ و نندہ کر رہی تھیں۔ جناب زینب نے جب زنانِ کوفہ اور ان کے مردوں کا یہ رونا پڑنا دیکھا تو ان کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائیں اور اتناؤں کے ساتھ ہی سب خاموش اور دم بخود ہو گئے اور جس و طبل کی آوازیں تک بند ہو گئیں اور جناب زینب نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ راوی کی اصل

عبارت یہ ہے :- قد أشارت الی الناس ان الفستواق ارتدت  
الانفاس وسكنت الاجراس ۔

روز عاشورا امام حسینؑ نے بھی ایک دفعہ عمر ابن سعد سے کہا تھا کہ  
شکر کو خاموش اور ساکت کرے لیکن یہ ملعون کچھ نہ کر سکا۔ تو امام علیہ السلام  
نے اپنے دستِ معجزہ سے اشارہ فرمایا اور اس اشارہ کے ساتھ ہی ایسا سکوت  
سکون طاری ہوا کہ مچھروں کے بھینھانے کی آواز سنائی دینے لگی۔ بازارِ کوفہ  
میں جناب زینبؑ کے دست مبارک کے اشارہ نے بھی وہی اثر پیدا کیا۔ اس سے  
ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ بھی اسی روحانی اقتدار و تصرف کی مالک تھیں جو  
آپؐ کے شہید بھائی و امامؐ کو حاصل تھا۔ اب ہم جناب زینبؑ کا خطبہ درج  
ذیل کرتے ہیں :-

خطبہ جناب زینبؑ سلام اللہ علیہا در بازارِ کوفہ

الحمد لله والصلوة على ابي محمد وآله الطيبين الاخيار  
اما بعد يا اهل الحنظل والغدر والخذل والمكر اتيكون فلا رقا  
الدمعة ولا هذات الزفرة . فانما مثلكم كمثل التي نقضت  
غزلها من بعد قوة انكاثا . تتخذون ايمانكم دخلا بينكم  
الاوهل فيكم الا الصلف والنطف والصدى الشنف والكذب  
والملق الاماء وغير الاعداء والبرعى على دمنة او قصه على  
ملحود الاساء ما قدمت لكم انفسكم . ان سحق الله عليكم و  
في العذاب انتم خالدون . اتيكون وتنحبون اخي اجل



وألله فابكوا فانكم احرياء بالبكاء فابكوا كثيرا واضحكوا  
 قليلا فقد بليتتم بجارها ومنيتم بشنارها ولن ترخصوها  
 بغل بعد ها ابداء وانى ترخصون قتل سليل خاتمة النبوة  
 ومعدن الرسالة وسيد شباب اهل المجتة وملاذ حريكم و  
 معاذ حزبكم ومقر سلمكم واساس كلمتكم ومفرع نازلتكم  
 ومنار حجتكم ومردة سنتكم والمرجع عند مقاتلتكم الاساء  
 ما قد متكم لانفسكم وساء ما تذرون ليوم بعثكم وبعدا لكم  
 وسحقا وتعسا ونكسا لقد خاب السعي وتبت الايدي وحسرت  
 الصفقة فبؤتم بغضب من الله وضربت عليكم الذلة  
 والمسكنة ويلكم يا اهل الكوفة اتذرون ابي كبد لمحمد  
 فريتم واي عهد نكثتم واي كريمة لدا برزتم واي  
 دوسفكتكم واي حرمة هتكتكم لقد جئتم شيئا ادا  
 تكاد السموات يتفطرون منه وتنشق الارض وتخر الجبال  
 هدا لقد جئتم بيها شوها خرقاء صلعاء عنقا فقمار  
 كطلاع الارض وملاء السماء افعجبتما ان مطرت  
 السماء دماء ولعذاب الاخرة اخزى وهم لا ينصرون  
 فلا يستخفنكم المهمل فانه عز وجل لا يخفنه البدار  
 ولا يخاف عليهم فوات الشار وان ربكم لبا المرصاد  
 (ترجمہ خطبہ جناب زینب سلام اللہ علیہا)

تعریف ہے خدا کے لیے اور درود میرے باپ محمد اور ان کی آل پر جو پاک  
 طیب اور اخیار ہیں۔ اما بعد اے اہل کوفہ اے دھوکے بازو اے اہل عذر و مکر۔

اے اہل خذل تم اب روتے ہو؟ خدا تمہارے آنسو خشک نہ کرے اور تمہارے سینے  
 آتش غم و اندوہ سے ہمیشہ جلتے رہیں۔ تمہاری مثال اس عورت کی طرح ہے جس نے  
 بڑی محنت و مشقت سے مضبوط ڈوری بانٹی اور پھر اس کو خود کھول دیا اور اپنی کی  
 ہوئی محنت کو ضائع اور رائگاں کیا۔ تم ایسی جھوٹی قسمیں کھاتے ہو جن میں صدق و سچائی  
 کا مطلق دخل نہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارے پاس سوائے یادہ گوئی، جھوٹی شہنی، فسق و  
 فجور، بغض و کینہ، کذب و چاپلوسی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آگاہ ہو کہ تمہاری حالت  
 لونڈیوں اور زرخیز کنیزوں جیسی ہے جو ذلیل ترین ہوتی ہیں۔ تمہارے دلوں میں  
 عداوت و کینہ بھرا ہوا ہے۔ تمہاری کینیت مثل اس ہنری کے ہے جو غلیظ و کثیف  
 زمین میں اُگتی ہے اور سرسبز ہوتی ہے یا اس گچ کی ہے جو قبروں پر لگائی جاتی ہے  
 آگاہ ہو کہ تم نے بڑے ہی بُرے اعمال کا اقدام کیا ہے اور اپنی آخرت کے لیے  
 ناپذیریدہ توشہ تیار کر لیا۔ جس کی وجہ سے خداوند متعال تم سے سخت ناراض  
 ہوا اور تم پر اس کا عذاب وارد ہو گا۔ اب تم میرے بھائی کے لیے روتے اور گریہ  
 زاری کی آوازیں بلند کرتے ہو؟ ہاں! خدا کی قسم روؤ اس لیے کہ تم سزاوار روئے  
 کے ہو۔ ہاں، خوب روؤ اور کم ہنسو! اس لیے کہ تم امام زمان کے قتل کے ننگ  
 عار میں مبتلا ہو چکے ہو۔ ان کے خونِ ناحق کا دھبہ تمہارے دامنوں پر لگ چکا ہے جس  
 کو اب تم دھو نہیں سکتے اور سیلِ خاتم النبوة، معدن الرسالہ اور سید شباب اہل الخیرۃ  
 کے قتل کے الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔ تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو تمہارا  
 پشت و پناہ تھا، جو تمہاری گفتار و کلام کا اساسہ تھا، جو تمہاری مصیبت میں تمہارا  
 پشت و پناہ، تمہاری حجت کا منارہ، تمہاری سنت کا عالم اور تمہارے قول کا مرجع  
 تھا۔ آگاہ ہو کہ اس دنیا میں بہت ہی بُرے کام کے تم مرتکب ہوئے ہو اور کیا ہی بُرا  
 توشہ روزِ قیامت کے لیے تم نے تیار کر لیا۔ لعنت ہو تم پر اور ہلاکت و بربادی ہو

تہا اے لیے۔ تمہاری کوششیں ناکام رہیں اور تم ہلاک ہو گئے۔ تمہاری تجارت گھٹانے میں رہی۔ تم مغضوب الہی ہو گئے اور ذلت و خواری میں مبتلا ہو گئے۔ وائے ہو تم پر اے اہل کوثر، کیا تم جانتے ہو کہ تم نے محمد مصطفیٰ کے جگر کے کس ٹکڑے کو کاٹا اور کون سا عہد و پیمان توڑا؟ کس کا خون تم نے بہایا؟ کس کی ہینک حرمت تم نے کی ہے؟ تحقیق کہ تم ایسے فعلِ شنیع و بیح کے مرتکب ہوئے ہو کہ اس کی وجہ سے قریب ہے کہ آسمان زمین پر گر پڑے، زمین شق ہو جائے، پہاڑ پارہ پارہ ہو جائیں، تم نے اپنے امّ کو قتل کر کے عجیب فعلِ بد، حماقت، کارِ شنیع، سرکشی و ناسپاسی کی ذمہ داری لے لی۔ ان سب امور کے واقع ہو جانے کے بعد اگر آسمان بخون بر سے تو کیا تم کو تعجب ہے؟ ہاں یاد رکھو کہ آخرت کا عذاب بہت سخت ہوگا، اس وقت تمہاری کوئی مدد اور نصرت کرنے والا نہ ہوگا۔ خدا نے جو تم کو تھوڑی مہلت دی، اس کو حقیر و ذلیل نہ سمجھو اور اس سے غیظ نہ ہو جاؤ اس لیے کہ خدا کو جلدی سے کام نہ لینا عاجز نہیں کرتا اور وہ انتقام کا وقت گزر جانے کا اندیشہ نہیں رکھتا۔ تمہارا خدا تمہاری گھات میں لگا ہوا ہے۔

ہم نے حتی الامکان لفظی ترجمہ کر دیا ہے لیکن عربی داں حضرات سمجھ لیں گے کہ اصل خطبہ کو ترجمہ سے کیا مناسبت ہے۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ بلاغت و فصاحت، قوت و اختصار جو جناب معصومہ علیہا السلام کے کلام میں ہے ترجمہ میں ممکن نہیں۔ صاحب ”طراز المذہب“ نے خطبہ تحریر فرمایا ہے۔ ترجمہ کیا اور شرح لکھی ہے۔ چنانچہ اصل خطبہ اسی کتاب سے ہم نے نقل کیا ہے۔ ترجمہ اور شرح سے مدد لی ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ خطبہ کے بعض الفاظ اور دقیق نکات کی مختصر شرح کر دیں تاکہ جناب معصومہ کے کلام پر مزید روشنی پڑے اور بخوبی سمجھ میں آجائے۔

والصلوة علیٰ ابی محمد: جناب زینبؓ نے فرمایا کہ درود ہو میرے باپ محمدؐ پر۔ آپؐ نے جو لفظ ابی یعنی میرے باپ محمدؐ کہا، اس کی عرض و غایت و مصلحت یقیناً یہی تھی کہ لوگ جان لیں اور واقف ہو جائیں کہ آپؐ کون ہیں آپؐ کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ آپؐ بخوبی واقف تھیں کہ خاندان رسالت سے خلافت نبوی کے دور ہو جائے اور معاویہ ابن ابوسفیان کی مخالفانہ کارروائیوں اور پروپیگنڈے کی وجہ سے جو انہوں نے جناب امیر علیہ السلام اور اہل بیت طاہرین کے خلاف کیا تھا عام طور سے مسلمان آل رسولؐ اور ان کے مراتب و فضائل سے ناواقف ہو گئے تھے اور اکثر تو جانتے بھی نہ تھے کہ رسولؐ بنی امیہ کے ذریعہ رسولؐ باقی بھی ہے۔ اس لیے جناب زینبؓ نے اس امر کو ظاہر کرنے کے لیے کہ آپؐ حقیقی ذریعہ رسولؐ اور اہل بیت نبویؐ ہیں۔ خاص طور پر صلوة علیٰ ابی محمدؐ فرمایا۔ (اس مسئلہ پر کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد مسلمان اہل بیت رسولؐ سے کس قدر ناواقف کر دیے گئے تھے ہم نے اپنی کتاب "اقوال اہل بیت نبی المختار در ترجمہ جلد اول بحار الانوار" میں مفصل بحث کی ہے) اس کے علاوہ جناب زینبؓ کو کوفیوں پر ان کی شقاوت و کفر ایمانی اور کفر کا ظاہر کر دینا مقصود تھا کہ تم ایسے بے ایمان اور کافر ہو کہ میرے نام تو میرے باپ محمدؐ مصطفیٰ کا کلمہ پڑھتے ہو اور پھر انہیں کی اولاد کو قتل کرتے اور انکی ذریعہ کو قید کرتے ہو۔ ان کی حرمت کا تم کو لحاظ تک نہیں۔

خذل: یہ باب نصی بنصر سے ہے اس کے معنی ہیں مدد کرنے سے باز آنا یعنی مدد نہ کرنا۔ قول ہے: المؤمن اخ المؤمن لا یخذل یعنی مومن بھائی ہے مومن کا، بڑے وقت میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

نکث: یہ باب ضرب، یضوب سے ہے۔ معنی ہیں عہد و پیمان کرنے کے بعد توڑ دینا۔ اہل جہل یعنی وہ لوگ جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام

کے خلاف جنگِ جبل میں لڑے ناکشیں کہے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے آپ سے بیعت کرنے کے بعد نکلت کیا اور برسرِ پیکار ہو گئے۔

نقضت غزلبھا من بعد قوۃ انکاثا : یہ الفاظ قرآنی ہیں عرب میں ایک عورت گزری ہے جس کا نام ربط بنت سعد ابن تیم تھا اُس کا لقب حمقاء بقولے خفراء یا خرقاء تھا۔ اس کے پاس متعدد کینز بھی ہیں ایک فلک بزرگ اور اندازاً ایک رش دو کہ تھا۔ یہ صبح سے دوپہر تک خود رسی بانٹتی تھی اور کینزوں سے کبھی یہی کام لیتی تھی اور پھر دوپہر سے شام تک اُن بٹی ہوئی رسیوں کو کھول دیتی تھی۔ روزانہ یہی کیا کرتی تھی اس کو یہ ضبط ہو گیا تھا۔ خدا نے قرآن میں نکث عہد و پیمان کی اسی سے تشبیہ دی ہے۔ صلف بفتح بمعنی لاف زدن۔ شیخی مارنا۔ یہودہ گفتگو کرنا ہے۔ حدیث میں مومن کی صفت بیان کی گئی ہے کہ المؤمن لا عنف ولا صلف : یعنی مومن میں لاف زنی اور شیخی نہ ہونی چاہیے۔

دمن : اس کے معنی سرکین ہیں۔ حدیث ہے : آیا کم و خضراء الدمن ( پرہیز کرو تم ایسی کیفیت سے جو بظاہر سرسبز ہو لیکن بُری اور کثیف زمین پر نشوونما پاتی ہو۔) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسی عورت سے پرہیز کرو جو دیکھنے میں حسین و جمیل ہو لیکن بُرے اور پست خاندان سے ہو اور صاحبِ عفت و عصمت اور نیک چلن نہ ہو۔ عربی میں دمنہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں قبائل آکر اترتے ہیں اور منزل کرتے ہیں۔ اُن کے مولیشی اور اونٹ غلاظت کرتے ہیں یہ غلاظت کھاد کا کام دیتی ہے اور وہاں سبزہ اگتا ہے اونٹ اُس کو چرتے ہیں یہ سبزہ بظاہر تو خوشنما معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل کثیف و غلیظ ہے۔ اسی لیے حدیث میں ایسی عورت کو جو دیکھنے میں خوبصورت ہو لیکن بُرے اور پست خاندان

سے ہوا اور چال چلن خراب رکھتی ہو دمنہ سے تشبیہ دی گئی ہے اور خضراء الدمن کہا گیا ہے۔

کقصہ علی الملوحد یعنی وہ گچ جو قبروں پر کی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ بظاہر تم زندہ ہو مسلمان بھی ہو لیکن تمہارے دل مردہ ہو گئے ہیں ان میں اسلام و ایمان کی بو نہیں ہے۔

صلحاء : بفتح صاد، بروزن صحوا، اس کے معنی ہیں کارِ بزرگ و سخت امرِ بد و شنیع یعنی سخت بُرا و بدنام کام۔ جب معاویہ ابن ابوسفیان نے زیاد ابن ابیہ کو اپنا بھائی قرار دیا اور حضرت عائشہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو کہا رکبت الصلحاء یعنی (معاویہ) امرِ شنیع اور کارِ بد کا مرتکب ہوا۔

حزیمۃ الاسدی راوی ہے۔ کہتے ہیں۔ لمرادی واللہ خفوة قطّ الطق منها کان تنطق وتقرع من لسان امیر المومنین علی علیہ السلام (قسم خدا کی میں نے نہیں دیکھا کسی باجیا اور غیور عورت کو جناب زینبؓ سے بہتر تقریر کرتے ہوئے۔ آپ جناب امیر علیہ السلام کی زبان سے تقریر فرماتی تھیں)۔

بعض مقاتل میں بشر ابن خزیم اسدی کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے جناب زینبؓ و دختر جناب امیر المومنین علی علیہ السلام سے انفع اور الطق کوئی عورت نہیں دیکھی۔ جب آپ تقریر فرماتی تھیں تو آپ کی بلاغت و فصاحت و خطابت، رعب و جلال کی وہی شان ہوتی تھی جو جناب امیر علیہ السلام کی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جناب امیر علیہ السلام تقریر فرما رہے ہیں۔ کہتا ہے کہ جب جناب زینبؓ نے اہل کوفہ کو مخاطب فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا تو واللہ رأیت الناس حیاراً فردوا ایدہم فی افواہہم (قسم خدا کی دیکھا

میں نے کہ سامعین حیران تھے اور اپنے ہاتھ چباتے تھے۔) اور ایک مرد ضعیف جو میر  
 قریب کھڑا تھا اس قدر رویا کہ آسوا اس کی داڑھی پر پہنے لگے اور وہ کہہ رہا تھا  
 بابی انتم و اہی کہو لکم خیر الکھول و شبانکم خیر الشبان  
 و نساؤکم خیر النساء و نسلکم خیر لا یخیب ولا یخزی  
 میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں تمہارے بوڑھے سب بوڑھوں سے بہتر و  
 افضل ہیں اور تمہارے جوان سب جوانانِ عالم سے بہتر ہیں۔ اور تمہاری  
 عورتیں سب عورتوں سے افضل ہیں۔ تمہاری اصل نسل سب سے بہتر اور اعلیٰ  
 ہے جو کسی حالت میں بھی ذلیل و خوار نہیں ہو سکتی۔) اور پھر اس نے شیر پڑھا  
 کہو لہم خیر الکھول و نسلہم

اذا عَدَّ نسل لا یبور ولا یخزی

دان کے بوڑھے سب بوڑھوں سے بہتر و افضل ہیں اور ان کی نسل  
 کا شمار کیا جائے تو وہ ایسی ہے جو نہ ہلاک ہوگی اور نہ رسوا۔)

جناب زینبؓ کے اس خطبے اور دوسرے ارشادات کے متعلق صاحب  
 "طراز المذہب" نے جو کچھ لکھا ہے وہ بجنسہ ہم نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

”در کلمات این نسوۃ طاہرات کہ از اہل بیت سید

کائنات ہستند علیہم آلاف التسلیم التعمیات علوی بسیار

و حکمتہا بے شمار و احتیاجاً کاملہ براہین وافیہ متضمن است

و ازین است کہ علماء بزرگ دین و آئین این احتیاجات

ائمہ طاہرین و حجج معصومین صلوات اللہ اجمعین

مذکور داشتہ اند۔“

جناب زینبؓ کے خطبے میں جو تعبیرات و تشبیہات و استعارات ہیں ان کے

متعلق صاحب طراز المذہب تحریر فرماتے ہیں :-

” فصحاء وبلغاء روزگار را متحیر و مبہوت میدارد“ اور کہتے ہیں :-

” از تمام کلمات و کنایات و استعارات احسن و اصدق

و ابلغ است چہ آن جماعت بحالتی اندر آمدند کہ اسلام

ایشان نہ در دنیا و نہ آخرت برائے ایشان سودمند است

و آن خونی را بر می کنند کہ در تصاص بیچ خونی چارہ نکنند

دیش را تمام اموال جہاں وافی نیاید چہ خون رسول

خدا، علی مرتضیٰ بلکہ ثار اللہ را رنجتہ اند و آن لطمہ در

دین اسلام فردو آوردند کہ بیچ چیزش چارہ نکنند بآن

غیرت ہتک حرمت کردہ اند کہ تلافی و تدارک ندارد و آن

چشمہا گریان داشتہ اند کہ ہرگز خشکی نباشد و آن دلہا

را بالمش اندوہ بسوختہ اند کہ بہ بیچ آبی نہ نگرند و آن گناہ

و حیانت عظیم را مرتکب شدہ اند کہ بہ بیچ استغفار رستگار نگردند

و آن گونہ از حد و قدر خویش بیرون تاختہ اند کہ دیگر مقام خویش

در دنیا بند و آن گونہ از دین ارتداد یافتہ اند کہ بہ بیچ حد سے

آسایش بجویند و آن عیب شننا را بر لود نہاںہ اند کہ تا

پایان روزگار نتوانند از چہرہ بزودند و آن تکبر و تمیز و بغض

و کین بوزیدہ اند کہ بہ بیچ میزان سنجیدن نگیرد.....

و حق نفاق را ادا کردہ بہ حق و غمراعدا کہ ہمہ برخلاف آداب

و شیم مسلمانان است ہمزاد آمدہ اند و این اسلام ظاہری

ایشان یا آن باطن خبیث ایشان در حکم ہمان مرعی و گیاہ



خوش ولایت کہ در سر گین گاہ اشتران دگو سپندان بروید  
 بگی است کہ قبور اموات و احجار منصوبہ بر لغوش اجساد ملحوظہ  
 را بپارائند . . . . . آنا کہ بفہم ذکا آراستہ  
 باشند و با ثناء باطنہ شناختہ گردند میرانند کہ علوم این نسوا  
 نہ چو علوم مامی باشد کہ ہمہ نہ نیردی تعلیم و تفکر و اکتساب  
 است بلکہ داراے علوم مومو بہ بہتند کہ نزدیک علوم  
 لدنی و آثار باطنیہ است۔“

جناب زینبؑ کے خطبہ کے متعلق علامہ مولوی علی نقی صاحب کتاب  
 ”شہیدِ انسانیت“ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”شہر لاغر پر سر برہنہ سوار اور عام نظروں سے دو چار زینبؑ  
 نے اس سے پہلے شاید بلکہ یقیناً کسی عام مجمع میں کوئی تقریر  
 کی تھی اور نہ شاید کسی مقید اور مقہور انسان نے اس سے  
 زیادہ مخالف ماحول میں کبھی تقریر کی ہے مگر جب آپ نے تقریر  
 شروع کی تو کوفہ کا وہ حصہ جو جناب معظمہ کی حد نظر میں تھا  
 آپ کے ایک اشارہ کے ساتھ خاموش ہو گیا۔ اس کا مل جلوشی  
 میں تقریر ہوئی جس کا ہر لفظ اپنے حدِ سماعت پر چوٹ مار رہا تھا  
 اور سننے والے مجبوراً منفعل اور مبہوت مَن رہے تھے اور  
 وہ مَن رہے تھے جس کی انہیں اُمید نہ تھی اور جس کا انہیں  
 خیال نہ تھا۔ اپنی اندوہ ناک حالت نہیں دکھائی جاتی اور  
 اس پر رحم و کرم کی التجا نہیں کی جاتی بلکہ بولنے والی زبان  
 خود اُن نفوس کی اصلیت اور اُن کے گناہ کی حقیقت کو اُن

کے سامنے چیر کر رکھ دیتی ہے۔ وہ آنکھیں جو ان قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لیے بلند ہوئی تھیں زمین میں گر گئیں اور ہر نفس اپنے کو مجرم محسوس کرنے لگا۔ علی کی بیٹی کا نفس مجمع پر چھا گیا تھا اور ان کی قوتِ ارادی اس پر حکومت کر رہی تھی۔“

علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاءؒ لکھتے ہیں:-  
جناب زینبؑ نے دربارِ ابن زیاد میں جس منزل کو طے کیا وہ اس مرحلہ سے زیادہ دشوار تھا جس کو انصارِ حسینؑ نے کربلا کے میدان میں قطع کیا۔ ان طاقتِ رُبا اور کثرتِ شکن حالات میں ابن زیاد کے سامنے زینبؑ کی زبان میں لکنت یا اُن کے دل میں کسی قسم کا اضطراب یا ان پر کسی خوف و دہشت کا اثر تھا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ انہیں نے اس موقع پر حقائق پر تقریریں کیں جن کو اگر ایک فارغ البال اور مطمئن شخص کئی رات دن کی فکر میں تیار کرتا تب بھی وہ اپنی نوعیت میں یادگار کی حیثیت نہ رکھتیں۔ پھر جناب زینبؑ نے تو ہزاروں اشخاص کے مجمع میں ایسے موقع پر ان خطبوں کو ارشاد فرمایا تھا جب وہ مصائب اور شدائد کے تئیں لاشوں میں زبان کی طرح گھری ہوئی تھیں۔“

اس مسئلہ میں کہ اہل بیتؑ بے پردہ تھے اور شتر بائے بے کجا وہ و محمل پر بٹھائے گئے تھے یا یہ کہ محلوں میں لپس پردہ تھے۔ مورخین میں اختلاف ہے۔ کمال اللوار اور سید بن طاووس علیہ الرحمہ کی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ جب اہل بیتؑ کو ذہ

میں داخل ہوئے تو جناب زینبؓ اور جناب ام کلثومؓ ہودج میں تشریف رکھتی تھیں اور پس پردہ سے خطبے ارشاد فرمائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخدرات عصمت و طہارت بے پردہ منکشفات الوجہ (کھلے منہ) نہ تھے اور محلوں میں سوار تھے۔ دیگر اکثر مقاتل اور تاریخوں میں اس کے برعکس لکھا ہے یعنی یہ کہ بیبیاں بلا منقح و چادر شتر ہائے بے کجاوہ پر بٹھائی گئی تھیں۔ صاحب "طراز المذہب" لکھتے ہیں کہ ممکن ہے جو حالت بحار الانوار۔ ناسخ التواریخ اور سید بن طاووس کی کتاب میں بتائی گئی ہے کہ اہل بیتؑ اطہار محلوں میں پس پردہ تھے۔ دوسری دفعہ اہل بیت کے کوفہ داخلہ کے متعلق ہو یعنی شام سے مدینہ جاتے ہوئے اور کسی غلط فہمی کی بناء پر صاحب "بحار" صاحب ناسخ التواریخ اور سید بن طاووس نے دوسری دفعہ کی حالت کو پہلی دفعہ سے چسپاں کر دیا۔

فصل در بندی اعلیٰ اللہ مقامہ کتاب "اسرار الشہادۃ" میں ایک بیان کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر اخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب زینبؓ اور جناب ام کلثومؓ کھلے سر اور کھلے منہ نہ تھیں بلکہ بچے اور کنیز ایسی حالت میں تھیں اور فرماتے ہیں کہ ان مخدرات طہارت نے مواقع شرع کا عالم سوگاری میں بھی اسی طرح سے لحاظ رکھا اور پابندی کی جس طرح معمولی حالات میں کیا کرتی تھیں چنانچہ جناب امام زین العابدینؑ باوجود علالت اور نقاہت کے جناب زینبؓ اور جناب ام کلثومؓ اور سب بیبیوں، بچوں اور کنیزوں کو خود سوار کرایا کرتے اور اونٹوں سے اتارا کرتے تھے کسی نا محرم کو پاس پھٹکنے نہ دیتے تھے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ اہل بیتؑ جب ابن زیاد کے دربار میں لائے گئے تو بے پردہ تھے بعض دوسرے اہل خبر لکھتے ہیں کہ بے پردہ نہیں تھے بلکہ حسب احکام شرع اپنے کو چھپائے ہوئے تھے البتہ ان کا لباس درست نہ تھا۔ سفر کی گرد و غبار اور

لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے کپڑے پھٹے ہوئے اور میلے کچیلے تھے۔  
 رازق الخیری صاحب کا یہ خیال ہے کہ اہل بیت اطہار شتر ہائے بے کچادہ پر تھے  
 اور بے مقنع و چادر تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

”مغرب کی سمت ناموس محمدؐ کی بے حرمتی کی تاب نہ لا کر آفتاب  
 ردپوش ہو رہا تھا کہ مشرق کی طرف سے لشکرِ عمر سعدؓ کی تلواروں کی  
 چمک دمک شہرِ کوفہ پر پڑنی شروع ہوئی۔ یہ وہی کوفہ تھا جس کی بنی  
 نے کئی سال تک زینب بنت علیؓ کے قدم سر پر رکھے اور پاؤں  
 سے آنکھیں ملی تھیں۔ یہ وہی کوفہ تھا جس کی خواتین سیدۃ النساء  
 کی بیٹی کے مواعظ اور ارشادات پر پروانہ دار گرتی اور بیانِ سن  
 کر گھنٹوں روتی تھیں اسی سرزمینِ کوفہ پر آسمان کی گردش کیا دکھا  
 رہا ہے۔ وہی زینبؓ اس حالت میں داخل ہوتی ہیں کہ اونٹ  
 کی تنگی پشت پر بیٹھی ہیں۔ کھلے چہرے پر بال پڑے ہیں اور  
 کپڑے جھیر جھیر اور تار تار ہیں۔“

مولانا سبط حسن صاحب ہنسوسی لکھتے ہیں :-

”وہ شہرِ کوفہ جو قبۃ اسلام سمجھا جاتا تھا جس کی آبادی درو نق  
 میں خلیفہ دوم عمر بن الخطابؓ نے کافی اہتمام کیا تھا۔  
 مخصوص قبائلِ عرب کو آباد کر کے اس کی آبادی کو مخصوص نوعیت  
 کے ساتھ بڑھایا تھا۔ جہاں حضرت زینبؓ وام کلثومؓ بمنیت  
 شاہزادیوں کے کبھی قیام فرما چکی تھیں۔ آج اسی تاریخی شہر میں  
 عجیب جہل پہل ہے۔ مسرت کے شادیاں بجا رہے ہیں۔  
 ہزاروں تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ حکومت

نے یہ اعلان کیا ہے کہ مسلمانوں کے امیر ہر ایک خارجی نے خروج کیا تھا اس کے مقابلہ میں اسلامی حکومت کو کامیابی ہوئی۔ آج اسی کے اہل و عیال گرفتار کر کے کوفہ لائے جا رہے ہیں قبل اس کے کہ مظلوموں کا قافلہ کوفہ میں داخل ہو حاکم کا یہ حکم ہے کہ اس موقع پر کوئی شخص مسلح جگہ کے ساتھ نہ نکلے۔ کوئی شخص ہتھیار لگائے ہوئے کوفہ میں دکھلائی نہ دے۔ دفعہ ۴۴ کے نفاذ کے بعد جگہ جگہ پر کسی دہشت کے سبب سے پیادوں کی ایک بڑی تعداد (جن کی تعداد دس ہزار بتلائی گئی ہے) مقرر کر دی گئی ہے (روضۃ الاحباب) بازار کوفہ میں ایک اژدہا ہے بعضوں کو اصل واقعہ کی خبر ہے اور بعض بے خبر سرکاری رپورٹ پر اعتبار کرتے ہوئے یہی سمجھ رہے ہیں کہ مخالفین اسلام کی جماعت پسپا ہوئی اور ان کے اہل و عیال گرفتار ہوئے سہل شہزوری حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر عین اسی وقت کوفہ پہنچے۔ دیکھا کہ بازار سجا ہوا ہے لوگوں کے چہروں پر مسرت کے آثار ہیں اس مجمع میں کچھ ایسے بھی نظر آتے ہیں جن کے چہرے اترے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑھے سے حال دریافت کیا وہ ان کو ایک گوشہ میں لے گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری کرتے ہوئے خاندانِ رسالت کی تباہی کی خبر اس مرثیہ کو پڑھ کر دی۔

”کیا تم نے دیکھا کہ قتلِ حسین سے سورج کو گہن لگ گیا اور

ہم بد و تباہی میں پڑ گئے۔ ہائے خاندان رسالت تو لوگوں کے لیے فریاد رس تھا لیکن آج وہ خود مبتلائے مصیبت ہو گیا اور سچ تو یہ ہے کہ یہ مصیبتیں بڑی عظیم و سخت ہیں۔ بہ تحقیق کہ شہیدِ کربلا کی شہادت نے مسلمانوں کی گردنوں میں رسوائی و ذلت کے طوق کو ڈال دیا اور دراصل وہ ذلیل بھی ہو گئے۔“

ابھی یہ مثنیہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ فتح کے باجوں کی آوازیں آنے لگیں اور اہل بیتِ رسولؐ کا تباہ قافلہ بازار میں داخل ہو گیا۔ آگے آگے نیزوں پر شہدار کے سر تھے اور پیچھے امرؓ آل محمد تھے۔“ (ماخوذ از شہیدِ انسانیت)

کتاب "اسرار الشہادۃ" میں عامر شیبی کی روایت ہے کہ اہل بیت جب ابن زیاد کی مجلس میں داخل ہوئے تو سب کے چہرے کھلے تھے اور سب بے مقنع و چادر تھے بعض روایات میں ہے کہ قیل و دھلت زینب بنت علیؓ علیٰ ابن زیاد وہی تستر و جہمھا یکمھا لان قناعھا قد اخذ منھا۔ (جب جناب زینبؓ ابن زیاد کے سامنے گئیں تو اپنے چہرہ کو آستین سے چھپاتی تھیں کیونکہ مقنع چھین لیا گیا تھا۔)

القصۃ اس مسئلہ میں کہ اہل بیت کوفہ و شام میں بے مقنع و چادر بے پردہ تھے اور شتر مانے بے کجاوہ پر بٹھائے گئے تھے یا پردہ کا انتظام تھا اور محلیں مہنیا کی گئی تھیں۔ روایات مختلف ہیں جو ہم نے بیان کر دیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ یقیناً اہلبیت مقنع و چادر نہ رکھتے تھے اور اشتران بے کجاوہ پر بٹھائے گئے تھے۔ یہ امر سمجھنے اور غور کرنے کے قابل ہے کہ جو اشقیاء رسولؐ اور آل رسولؐ کی عداوت میں اس قدر شدید

ہوں کہ رسولؐ کے نواسے، اُن کے جواؤں اور بچوں کو ہرجی اور بیدردی کے ساتھ پیاسا شہید کر دیں اور بعدِ شہادت در عرض غسل و کفن و دفن اُن کی لاشوں پر گھوڑ دوڑا کر انہیں پاش پاش کر دیا جائے، شہدار کے لباس تک اُتار لیے جائیں اور لاشوں کو ریگ گرم پر عریاں چھوڑ دیا جائے۔ اہل بیتؑ کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے، خیام جلا دیے جائیں کہ یہ غریب صحرا میں منتشر ہو گئے، تو ایسے بے ایمان سنگ دل اشتیاق نے اگر میسوں کی چادریں حصین لی ہوں اور انہیں شتر ہارے بے کجاوہ پر سوار کیا ہو تو کون سا تعجب کا مقام ہے عقل سلیم تو یہ رہنمائی کرتی ہے کہ فردر ایسا ہی ہوا ہوگا۔ بلکہ ایسا نہ ہو نا بعید از قیاس ہے۔

جیسا کہ فاضل در بندی فرماتے ہیں کہ ان مخدرات یعنی اہل بیتؑ نے ہر وقت احکام شرع کا لحاظ رکھا۔ یہ درست ہے۔ متفق و چادر کے غیاب میں میسوں نے یقیناً اپنے بالوں سے اپنے چہروں کو چھپایا ہوگا۔

بحر المصائب میں روایت ہے کہ جناب زینبؑ نے خطبہ ختم کرنے کے بعد کبھی اہل کوفہ کو قدح و طلمت کی اور ایک موقع پر فرمایا۔

”اے قوم مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ جل شانہ تم پر بلائیں

نازل فرمائے گا۔ اس کا عذاب تم پر وارد ہوگا اور وہ

تم کو بُری طرح ہلاک کرے گا۔ پس تم غضبِ رحمن اور

دورخ کی آگ کی تیزی اور شدت سے ڈرتے رہو۔

تم کو اللہ عز و جل کے سامنے جانا ہے۔ آگاہ ہو کہ بہت

سے اُمم ماضیہ ہلاک ہو گئے جن میں سے ایک اہل ارم

بھی تھے۔“

جناب زینبؑ علیہا السلام نے اہل ارم کا بطورِ خاص اس لیے نام لیا کہ یہ قوم

اپنی بد اعمالیوں کے بعد بھی اپنے مقاصد اور مطلوب کو حاصل نہ کر سکی اور ہلاک ہو گئی۔  
یہی حال کوفیوں اور قاتلانِ حسین کا ہوا۔ جنابِ زینبؑ نے گویا پیشین گوئی فرمادی۔  
کہ تم نے اعزاز و اکرام و انعام کی تمنا و توقع میں حسین کو شہید کیا ہے اور ہم پر مظالم  
کر رہے ہو لیکن تم ان چیزوں کو حاصل نہ کر سکو گے بلکہ تمہارا وہی حشر ہوگا جو اہل  
إِرم کا ہوا کہ تم عنقریب بُری طرح ہلاک کیے جاؤ گے۔ تاریخِ دال جانتے ہیں کہ حضرت  
مختار رضی اللہ عنہ کے دور میں سوائے معدودے چند کے یہ سب اشتیاقِ گرفتاری کے  
گئے اور قتل کیے گئے حتیٰ کہ عمر بن سعد، عبید اللہ ابن زیاد، شمر ذی الجوشن علیہم السلام  
العذاب بھی حضرت مختار اور حضرت ابراہیم بن مالک اشترؑ کی تلواروں سے نہ بچ سکے۔  
(۶) الباسحق اسفرائینی لکھتے ہیں کہ سر مقدس امام حسینؑ سے ایک عمود نور  
ساح تھا جو زمین سے آسمان تک ملا ہوا نظر آتا تھا اور اہل ان سرشب تاریک میں  
اس نور کی روشنی سے راستہ دیکھ سکتے تھے۔ جس اہل کو ڈاکو اہل بیت کے کوفہ پہنچنے کی  
اطلاع ہوئی تو یہ لوگ لباسِ فاخرہ پہن کر گھروں سے نکلے اور کوچہ و بازار میں حسینؑ کے  
لٹے ہوئے قافلے کے شہر میں داخلے کے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر بعد اونٹ نمودار ہوئے  
اور حرمِ حسینؑ پہنچ گئے۔ جنابِ امام زین العابدینؑ نے تماشا یوں کا هجوم ملاحظہ فرما  
کر چند دردناک اشعار پڑھے جن کو سن کر بعض لوگ رونے لگے۔ تماشا یوں نے بچوں  
کو خمار روٹی دینا شروع کیا تو جنابِ ام کلثومؑ نے انہیں ڈانٹا اور کہا یا اھل  
الکوفہ حجرو فی داس من یتصدق علینا (تم پھر پڑے اُس پر جو ہم  
کو صدقہ دیتا ہے) اور پھر فرمایا غصوا ابصارکم عنا (بہاری طرف آنکھیں  
نیچی کرو) اور جب اہل کوفہ کی عورتیں زار و قطار رونے لگیں تو آپؑ نے اُن کو  
مخاطب کر کے فرمایا :-

”و اے ہو تم پر لے اہل کوفہ کی عورتو! تمہارے مردوں



ہی نے ہمارے مردوں کو قتل کیا اب تمہاری آنکھیں ہمارے  
 لیے رو رہی ہیں؟ خدائے عزوجل روز قیامت ہمارے  
 اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ خدا کی قسم اس دنیا  
 میں اللہ کی نصرت ہم کو اس لیے حاصل نہیں ہوئی کہ لغیم  
 آخرت سے ہم مستفیض ہوں اور آخرت میں مقامات  
 عالیہ و رفیعہ ہم کو حاصل ہوں اور تم عنقریب جہنم میں  
 ڈالے جاؤ گے۔ افسوس ہے تم پر کیا تم جانتے اور  
 سمجھتے ہو کہ کس کا خون تم نے بہایا اور کس کے گوشت  
 کے ٹکڑے کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے؟

(۷) کتب مقاتل میں ہے کہ جب قیدیانِ اہل بیتؑ کوفہ کے قریب پہنچے  
 تو ابن زیاد علیہ العین نے سرہائے شہداء عمر ابن سعد ملعون کے پاس روانہ کیے  
 اور حکم دیا کہ ان کو نیزوں پر بلند کیا جائے اور قیدیوں کے ساتھ کوفہ کے کوچہ  
 بازار میں گشت کرایا جائے۔ لکھا ہے کہ جب سر نیزوں پر بلند کیے گئے اور  
 جناب زینبؑ کی نظر حضرت سید الشہداء کے سرِ اقدس پر پڑی تو فرط غم و الم سے  
 آپ نے اپنا سر چوبِ محل پر اس زور سے دے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ صاحب  
 "طراز المذہب" یہ روایت تحریر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بعید از قیاس  
 ہے اور صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ جناب زینبؑ حاملِ وصایا سے امامت  
 اور دارائے ریاست اور حجتہ خدا تھیں۔ امام زین العابدینؑ کو ہمیشہ دلا سہ  
 تسلی دیتی تھیں، بیواؤں اور یتیموں کی نگرانی اور دلداری فرمایا کرتی تھیں پس  
 آپ سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایسی حرکت کرتیں جس سے عدم استقلال اور  
 قلتِ صبر ظاہر ہو۔ ہم کو صاحبِ طراز المذہب کی رائے سے اتفاق ہے۔ ہم

بھی سمجھتے ہیں کہ جناب زینبؓ شدید ترین مصائب اور سخت ترین بلاؤں میں ضبط و صبر کا لاجواب مظاہرہ فرمایا تو کیونکر ممکن تھا کہ بازار کو فہمیں جہاں لوگوں کا ہجوم تھا اس طرح کا عمل فرمائیں جس سے بيمقاراری اور بے صبری آشکار ہو۔ ممکن ہے کہ آپ کی کینیزوں میں سے کسی سے یہ حرکت صادر ہوئی ہو اور راوی نے بوجہ لاعلمی اور بے احتیاطی اس واقعہ کو جناب معصومہؓ سے منسوب کر دیا ہو۔ پھر اگر یہ روایات کہ اہل بیتؑ کے اونٹوں پر محلیں نہ تھیں اور سب شتر ہائے بے کجاوہ پر بٹھائی گئی تھیں صحیح ہوں تو جناب زینبؓ یا کسی کینیز کے لیے چوب محل پر سوار ہونے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ روایت ہی صحیح نہیں۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ اہل بیتؑ اطہار کو فہ پہنچ گئے ہیں تو اس ملعون نے ایک مجلس آراستہ کی جس میں خاص و عام کو شرکت کی اجازت دی اور حکم دیا کہ جب سب لوگ جمع ہو جائیں تو سر ہائے شہداءؑ لائے جائیں اور سر اقدس حضرت سید الشہداء علیہ السلام طشتِ ظلماء میں اس ملعون کی کرسی کے پاس رکھا جائے اور اس کے بعد اہل بیتؑ کو مجلس میں داخل کیا جائے۔ لکھا ہے کہ اس مردود کی مجلس میں اہل بیتؑ طوعاً و کرہاً آئے اور جناب زینبؓ ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اور کینیزوں نے آپ کے اطراف حلقہ باندھ لیا تاکہ حاضرین مجلس کی نظروں سے آپ کو مخفی کر دیں۔ ابن زیاد علیہ اللعن خادما ت سے مخاطب ہوا اور پوچھا کہ یہ کون ہے جن کو تم نے حلقہ میں لے لیا ہے۔ کینیزوں نے جواب نہیں دیا۔ اُس شفی نے پھر پوچھا اور کچھ جواب نہ پایا تو اُس کے ملازمین میں سے کسی نے کہہ دیا کہ یہ زینب بنت علیؑ ابن ابیطالبؑ ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد آپ سے مخاطب ہوا اور کہا ”شکر ہے خدا کا کہ اُس نے تم کو قتل اور رسوا کیا اور تمہارے غلط دعوے اور جھوٹ کو آشکارا اور ظاہر کر دیا۔ جناب زینبؓ نے اس ملعون کو جواب دیا۔

الحمد لله الذی أكرمنا بنبیہ محمد وطهرنا  
 من الرجس تطهیرا۔ انما یفتضح الفاسق ویکذب  
 الفاجر وهو غیبرنا۔ (شکر ہے خدا کا کہ جس نے ہم کو بزرگی و کرامت  
 عطا فرمائی اپنے نبی محمد مصطفیٰ کی وجہ سے اور پاک کیا ہم کو ہر نجاست و  
 ناپاکی سے جو حق پاک کرنے کا ہے۔ تحقیق کہ عنقریب فاسق رسوا و ذلیل ہوگا  
 اور فاجر جھوٹا ہے اور ہم ان لوگوں میں نہیں وہ ہمارے سوائے دوسرے ہیں (ہمارے  
 غیر ہیں) ابن زیاد نے پھر کہا۔ کیف رأیت صنع الله من اخیک الحسین  
 (تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی حسین سے کیا سلوک کیا؟) جناب زینب  
 نے فرمایا: ما رأیت إلا جمیلا هو لا یموت کتب الله علیہم القتل  
 فبرزوا الی مضاجعہم وسیجمع الله بینک و بینہم و  
 تتحاجون و تتخاصمون عنده وان لك یا ابن زیاد  
 موقفا فاستعد له جوابا وانی لك به فانظر لمن  
 الفلج ویومیذ ثکلتک املک یا ابن مرجانہ۔ (میں  
 نے سوائے نیکی اور خیر کے اور کوئی چیز خدا کی جانب سے نہیں دیکھی۔ اب ہا  
 میری قوم تو خدا نے شہادت ان کے لیے مقسوم فرمائی تھی اس لیے وہ لڑے  
 شہید ہو گئے اور اپنی خواہگاہوں کو پہنچ گئے۔ لیکن اے زیاد کے بیٹے اللہ تجھ  
 کو اور ان کو ایک جگہ جمع کرے گا جہاں تم سب حجت پیش کرو گے اور محاسبہ  
 کرو گے۔ اے پسر زیاد تیری ماں تیرے غم میں روئے، تجھے ایک دن خدا کے  
 سامنے جواب دینا ہوگا۔ پس اس دن کے لیے تیار رہ اور خوب سمجھ لے کہ اس روز  
 کامیابی کس کو ہوگی؟) جناب زینب کا یہ جواب سن کر ابن زیاد اس قدر برہم  
 ہوا کہ اس نامرد بے حیائے آپ کے قتل کا حکم دیا۔ ایک شخص عمرو بن حریثؓ جو

اس کے قریب بیٹھا تھا کہا، کہ اے ابن زیاد یہ عورت ہے اور عورت کے کلام کا مواخذہ نہیں کیا جاتا اور اس طرح انتقام نہیں لیا جاتا۔ بروایت ابن حرث نے کہا ”اب تجھ میں اتنی غیرت اور حمیت بھی باقی نہیں رہی کہ عورتوں پر ہاتھ اٹھا لگا اور انہیں قتل کرنے لگا۔“ بہر حال ابن حرث کی گفتگو کا اس شقی پر اثر ہوا اور یہ جناب زینب کے قتل سے باز آیا۔ لیکن پھر جناب زینب (معصومہ) سے خطاب ہوا اور اپنی زبان نخس کے نشتر سے آپ کے قلب خزیں کو مجروح کرنا شروع کیا اور کہا ”حسین طاعنی اور ان کے سرکش و خطاوار ساتھیوں کے قتل سے خدا نے میرے دل کو ٹھنڈا کیا۔“ جناب زینب نے اس ملعون کی یہ سخت کلامی اور گستاخی سنی تو رونے لگیں اور فرمایا العمری لقد قتلت کھلی وابرز اھلی وقطعت فرعی واجتثثت فان کان کھذا شفاؤک فقد اشتفیت (میری جان کی قسم بیشک تو نے ہمارے بوڑھوں کو قتل کیا، ہمارے اہل بیت کی پردہ دری کی اور ہماری شاخ و برگ کو قطع کیا اور جڑ کو اکھاڑ ڈالا اگر یہ سب امور تیرے لیے باعث شفا ہوئے تو بیشک تو نے شفا پائی) آپ کا یہ جواب سن کر ملعون ابن زیاد نے کہا کہ یہ عورت شبیعہ (بہادر) ہے۔ اور خدا کی قسم ان کے باپ علی ابن ابیطالب بھی بہادر اور شاعر تھے جناب زینب نے فسر مایا عورتوں کے لیے شجاعت نہیں۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے شجاء منہیں بلکہ یہ کہا کہ ”یہ عورت سبیعہ ہے“ یعنی سبع اور قافیہ میں بات کرتی ہے۔ جناب زینب نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کہا اس میں نہ شاعری ہے اور نہ خطابت بلکہ یہ سچی باتیں ہیں۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ فضول باتیں کر رہا ہے۔

|| سمیل سیکنہ حیدرآباد لطیف آباد ||

ابن خا سے روایت ہے کہ جب ابن زیاد نے جناب زینب سے کہا کہ

حسین کے قتل سے میرے دل کو شفا ہوئی۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔  
 اِنِّیْ اَعْجَبُ مِنْ یَسْتَفِنِیْ بِقَتْلِ اُمِّیْۃٍ وَّیَعْلَمُ اَنْہُمْ مُنْتَقِمُوْنَ  
 مِنْہِ فِیْ دَارِ الْاٰخِرَةِ (مجھے حیرت ہے اس شخص سے جو اپنے پیشواؤں یعنی  
 اماموں کو قتل کرتا اور کہتا ہے کہ اس سے اُس کو شفا حاصل ہوئی حالانکہ وہ جانتا  
 ہے کہ آخرت میں اس سے مواخذہ کیا جائے گا اور بدلہ لیا جائے گا۔)

بعض روایات میں ہے کہ جناب زینبؓ نے فرمایا۔ یا ابن زیاد  
 اِنْ کَانَ قَرَّتْ عَیْنُکَ بِقَتْلِ الْحُسَیْنِ فَقَدْ کَانَ عَیْنَ  
 رَسُوْلِ اللّٰہِ تَقَرَّبَ رُوْیْتِہٖ وَکَانَ یَقْبِلُہٗ وَیَمِصُّ شَفِیْتِہٖ  
 وَیَحْمِلُہٗ ہُوَ وَاِخَاہٗ عَلٰی ظَہْرِہٖ فَاَسْتَعْدَّ غَدًا لِلْجَوَابِ  
 اے سپر زیاد تو کہتا ہے کہ قتل حسین سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں لیکن حسین  
 وہ تھے کہ جن کے دیدار سے رسول اللہؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ آنحضرتؐ  
 انھیں چومتے تھے۔ ان کے ہونٹوں کو چومتے تھے اور ان کو اور ان کے بھائی کو  
 اپنی پشت (یعنی کاندھے یا کمر پر) پر بٹھاتے تھے۔ پس فردائے قیامت جوابدہ  
 کے لیے تیار ہو جا۔)

ہمارے خیال میں مختلف راویوں نے جو مختلف جوابات بیان کیے ہیں  
 تو بہت ممکن ہے کہ جناب زینبؓ کی جوابی تقریر کے اجزاء ہوں جو راویوں  
 نے جدا کر کے ٹکڑے کر دیے اور اپنے یاد اور حافظہ کے مطابق بیان کر دیے۔  
 یقیناً یہ آپ کی ایک ہی تقریر تھی جو جناب زینبؓ نے ابن زیاد کے گستاخانہ  
 کلام کے جواب میں فرمائی تھی۔ جس کے راویوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے کسی نے  
 کچھ حصہ یاد رکھا اور بیان کر دیا اور کسی نے دوسرا حصہ یاد رکھا اور بیان کر دیا۔  
 اگر ان مختلف راویوں کے بیان کردہ ٹکڑوں کو جمع کیا جائے تو ایک مدلل

اور مکمل تقریر اس طرح ہو جاتی ہے :-

لعمری لقد قتلت کھلی و ابرزت اھلی وقطعت فری  
واجتثت فان کان هذا شفاءک فقد اشتفت انی  
اعجب ممن یشتی بقتل اکثمتہ و یعلم انہم  
منتقمون منہ فی دار الآخرۃ - یا ابن الزیاد ان کان  
قُرت عینک بقتل الحسین فقد کان عین رسول اللہ  
یقرب رویتہ و کان یقبلہ و یمص شفیتہ و یحملہ  
ھو و احاہ علی ظھرہ فاستعد غداً للجواب -

ترجمہ : میری جان کی تم بیشک تو نے ہمارے بڑھوں کو قتل کیا، ہم  
اہل بیت کی پردہ دری کی، ہماری شاخ و برگ کو قطع کیا اور ہماری جڑ کو اکھاڑ ڈالا  
اگر یہ سب امور تیرے لیے باعثِ شفا ہوئے تو بیشک تو نے شفا پائی تحقیق  
کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو اپنے (پیشواؤں) اماموں کو قتل کرتا ہے اور  
پھر کہتا ہے کہ اس سے اُس کو شفا حاصل ہوئی درآنحالیکہ وہ جانتا ہے کہ آخرت  
میں اُس سے اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ اے زیاد کے بیٹے تو کہتا ہے کہ قتل  
میں سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ تو خوب جانتا ہے کہ حسین وہ تھے کہ  
جن کے دیدار سے رسول اللہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ اور آنحضرت اُن  
کے ہونٹوں کو چومتے اور چومتے تھے اور اُن کو اور اُن کے بھائی (حسن) کو اپنی پیٹھ  
پشت مبارک پر بٹھاتے تھے۔ پس۔ اے پسر زیاد فردائے قیامت جواب دہی  
کے لیے تیار ہو جا۔

روایت ہے کہ جب اہل بیت ابن زیاد کی مجلس میں آئے تو جناب نے  
بلند اور مستقل آواز سے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ غَضُّوا الْبُصَارَ کُمْ عَنَّا

یعنی اپنی آنکھیں نیچی کر لو اور یہی نہ دیکھو! اور پھر کمیزوں کے حلقے میں ایک گوشہ میں سیٹھ گئیں۔ ابن زیاد نے پوچھا من ھذا المنکبرۃ؟ یعنی یہ کون عورت ہے جس کی ناک بھوں اس قدر چڑھی ہوئی ہیں کسی نے کہا کہ یہ زینب بنت علیؑ ہیں۔ تو پھر وہ ملعون آپ سے مخاطب ہوا۔

ناظرین! ابن زیاد علیہ اللعن کے کلام اور جناب زینب علیہ السلام کی تقریر کو اگر بغور دیکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ جناب زینبؑ اور ابن زیاد پلید کے کلام میں کس قدر زمین آسمان کا فرق ہے۔

جناب زینبؑ کے کلام میں سنجیدگی، متانت، علمیت و قابلیت، فصاحت و بلاغت ہے تو ابن زیاد کی گفتگو سے اس کا سفلہ پن، کم ظرفی، گستاخی، جہالت، عداوت و شقاوت، کمینہ پروری اور انتقامی جذبہ نمایاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اولاد البغایا یعنی فاحشہ عورتوں کی مجہول النطفہ اولاد سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

جب ابن زیاد کو جناب زینبؑ نے دندان شکن جوابات سے عاجز کر دیا تو اس ملعون نے جناب امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر بدزبانی شروع کی اور حضرت نے بھی ترکی بہ ترکی ایسے جوابات دیے کہ اس کو غصہ آگیا اور اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت جناب زینبؑ بے حد مضطرب ہوئیں اور امامؑ سے لپٹ گئیں۔ اور فرمایا: یا ابن زیاد حسبک من دمائنا واعتنقتہ واللہ لا افارقہ فان قتله فاقتلنی معہ۔ اے ابن زیاد تو نے ہمارا کافی خون بہایا ہے۔ قسم خدا کی میں اس نوجوان کو نہ چھوڑوں گی اگر تو اس کو قتل کرانا چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کرادے، بعض کتب مقاتل میں ہے

کہ جناب زینبؓ نے فرمایا یا ابن زیاد نذرت علیٰ نفسک  
 انک لا تبقی من نسل محمد صغیرا وکبیرا  
 فاسئلك بالله لا تقتله حتی تقتلنی (اے سپر زیاد  
 کیا تو نے نذر کی ہے کہ تو مجھ مصطفیٰ کی نسل میں سے کسی چھوٹے یا بڑے کو  
 زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں خدا کی قسم دے کر تجھے کہتی ہوں کہ اگر اس نوجوان کو  
 قتل کرتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر دے۔) جب ابن زیاد نے  
 یہ صورت حال دیکھی تو کہا ”خون کا جوش و محبت بھی عجیب چیز ہے۔ یہ  
 بی بی چاہتی ہیں کہ اس نوجوان کے ساتھ اپنی جان بھی دے دیں۔ یہ  
 نوجوان علیل و مریض ہے اس کو چھوڑ دو اس کی بیماری خود اس کو  
 ہلاک کر دے گی۔“ تواریخ میں لکھا ہے۔ جب ابن زیاد نے امام زین العابدینؓ  
 کے قتل کا حکم دیا تو آپ نے اس شقی کو ڈانٹ کر کہا کہ ”ابن زیاد تو مجھے موت  
 سے ڈراتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت  
 ہماری فضیلت ہے۔“

سبط ابن جوزی نے بھی جناب زینبؓ اور ابن زیاد کی گفتگو کے الفاظ  
 تقوڑے اختلاف کے ساتھ اسی طرح بیان کیے ہیں۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے امالی میں روایت لکھی ہے کہ اہل بیتؓ  
 جب کوفہ میں داخل ہوئے تو اسی وقت اور اسی روز ابن زیاد کے پاس لا  
 نہیں گئے بلکہ زندان میں بھیج دیے گئے اور بعد میں کسی وقت اس شقی نے  
 ان کو اپنی مجلس میں طلب کیا۔

بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیتؓ کوفہ میں شام کے وقت وارد ہوئے  
 اور تمام شرب کوفہ کے باہر میدان میں پھرا دیے گئے۔ اور دوسرے روز صبح میں



ابن زیاد نے اپنی مجلس میں انہیں طلب کیا۔

کتاب نورالعین میں الواسطی اسفرائینی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اہل بیت اطہار ابن زیاد کی مجلس میں لائے گئے تو جناب زینبؑ ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اس لیے کہ آپ کا لباس پھٹا ہوا اور غبار آلود تھا اور آپ نہ چاہتی تھیں کہ حاضرین مجلس کی نگاہیں آپ پر پڑیں۔ ابن زیاد علیہ العن نے آپ کو دیکھ لیا اور حاجب سے پوچھا کہ یہ کون بی بی ہیں جو علیحدہ ایک گوشہ میں بیٹھ گئی ہیں۔ حاجب ملعون نے کہا کہ یہ حسینؑ خارجی (معاذ اللہ) کی بہن زینب بنت علیؑ ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد آپ سے مخاطب ہوا اور کہا۔ یا زینب اُراست صنع اللہ فی اخیك و کیف قطع دابرکم لانه کان یرید الخلافۃ لیتم بہا امالہ فخیب اللہ منها رجائہ و امالہ۔

دے زینب تم نے دیکھ لیا کہ خدا نے تمہارے بھائی سے کیا سلوک اور کس طرح تمہاری نسل کو قطع کیا۔ تمہارے بھائی مسند خلافت کے متمنی تھے تاکہ اس کو حاصل کر کے اپنے دلی آرزوئیں اور تمناؤں پوری کریں اللہ نے انھیں ناکامیاب کیا اور ان کی اُمیدیں پوری نہ کیں، جناب زینب نے جواب دیا :-

یا بن زیاد ان کان اخی طلب الخلافۃ فہی میراث ابیہ وجدّہ و اما انت یا ابن زیاد اعدّ جوابا اذا کان القاضی اللہ و الخصم جدّی و الشہو الملائکۃ و السجّٰن جہنّم و انما ہولاء القوم کاب اللہ علیہم القتل فبرزوا الی مضاجعہم و غداً

مجمع اللہ بینک و بینہم متجاج و تخاصم  
 اے پسرِ زیاد اگر میرے بھائی خلافت کے طالب تھے تو حق بجانب تھے  
 اس لیے کہ یہ اُن کے باپ دادا کی میراث تھی اور تو اے زیاد کے بیٹے اس  
 دن جوابدہی کے لیے تیار ہو جا جب اللہ قاضی ہو گا۔

میرے نانا رسول اللہ مدعی ہوں گے ملائکہ گواہ ہوں گے اور جہنم قید خانہ  
 ہو گا۔ آگاہ ہو کہ وہ لوگ جنہیں تم نے قتل کیا ہے اُن کے لیے منجانب اللہ شہادت  
 تقسم ہو چکی تھی۔ پس وہ شہید ہو گئے اور اپنی خواہگا ہوں کو پہنچ گئے۔ اے  
 پسرِ زیاد فردائے قیامت خدا اُنہیں اور تجھے جمع کرے گا اس وقت جتہیں  
 پیش ہوں گی اور جھگڑے تصفیہ پائیں گے۔

مقتل ابی مخنف میں روایت ہے کہ جب اہل بیت طاہرین مجلس  
 ابن زیاد میں داخل ہوئے تو اس ملعون نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور  
 دیکھا کہ ایک بی بی بلا متنع و چادر ہی اور اپنی آستین سے اپنا منہ چھپائے  
 ہوئے ہیں۔ حاجب سے پوچھا یہ کون ہے۔ اس نے جواب دیا زینبِ خواہر  
 حسین ہیں۔ یہ سن کر شقی ابنِ زیاد آپ سے مخاطب ہوا۔ آپ نے کچھ اعتناء  
 نہیں کیا اور جواب نہیں دیا بعد اس کے اصرار پر فرمایا: ہاترید یا  
 عدو اللہ و رسولہ لقد هتکتنا بین البر والفاجر  
 اے دشمنِ خدا و رسول اچھے اور بُروں میں ہماری ہتک حرمت کرنے کے  
 بعد اب تو کیا چاہتا ہے؟ اس کے بعد ابی مخنف نے مکالمہ وہی لکھا  
 ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

ابی مخنف لکھتے ہیں کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام نے دیکھا  
 کہ ابن زیاد علیہ لعن اپنی گستاخی اور سخت کلامی سے جناب زینب کی دلازاری

کر رہا ہے تو آپ سے بالآخر صبر نہ ہو سکا اور آپ نے اس شقی کو مخاطب کیا اور فرمایا یا ابن اللہ! مافی تہتک عتی وتعرفہا لمن لا یعرفہا قطع اللہ بیدیک ورجلیک دے لئیم کے بیٹے تو کتیک میری پھوپھی کی ہتک حرمت و عزت کرے گا اور جو لوگ ان سے واقف نہیں ہیں انہیں اس طرح واقف کراتا رہے گا۔ خدا تیرے ہاتھ پاؤں قطع کرے۔ یہ چیز غور کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے کہ حجت اللہ اور امام برحق کی یہ جرأت اور ہمت ہوتی ہے کہ ایسے موقع پر اس طرح کلام کر سکے۔ ابن زیاد کی شقاوت و عداوت حکومت و اقتدار کو دیکھو اور علی ابن الحسین غریب و علیل ضعیف و نحیف طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے اسیر کو دیکھو اور پھر اس کلام پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ سوائے حجتہ اللہ، سان اللہ، امام مؤید و منصوص من اللہ کے کوئی دوسرا ان حالات کے تحت ایک کافر، بے دین، سرکش، ظالم و غدار کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا صرف حجج اللہ اور وہ صاحبان ایمان و عرفان جو ان حجج اللہ سے فیض حاصل کیے ہوئے ہوں تلواریں گے سائے میں کلمہ حق کہے اب بھی کہہ سکتے ہیں اور آئندہ بھی کہیں گے۔

روضۃ الشہداء میں روایت ہے کہ جب ابن زیاد علیہ لعن نے جناب زینب سے کہا "ہم تارے بھائی حسین کی سرکشی اور بغاوت کے خطرے اور بُرے نتائج سے خدا نے ہم کو بچایا اور آسودہ کیا۔" تو آپ نے جواب میں فرمایا:

یا ابن زیاد فقد جئت شیاء اذا واثیت امرًا عجیباً وخطباً غریباً قمع ذالک کیف تتوقع الراحة فی دار الدنیا ھیہات ھیہات انت سکران مغرور



و مفتون بمال الدنيا و جلالها تزول تلك السلطنة  
ولا تعيش ذالك بعد ذالك ابدا ولا تری وجهه لا استراحة  
هل تعلم ما فعلت بعترۃ الاطهار و اولاد الاخیار فمع  
ذالك متسفاخر بقتلهم ولا تنال نيلك و مقصودك  
قد فعلت امرا یبقى عارہ علیک

ترجمہ : اے سرِ زیاد تو ایک امر منکر و عظیم کا مرتکب ہوا ہے۔ ایک  
فعلِ عجیب و غریب تجھ سے سرزد ہوا ہے یا وجود اس کے تو کیونکر متوقع ہے کہ تجھے  
راحت و دنیا نصیب ہوگی۔ افسوس افسوس کہ تو عارضی قوت و اقتدار کے نشہ میں  
چور ہے۔ مال و جاہِ دنیوی نے تجھے فریفتہ و مغرور کر دیا ہے۔ آگاہ ہو کہ یہ حکومت  
اور سلطنت دنیا زائل ہونے والی چیز ہے اور تو ہمیشہ اس دنیا میں زندہ نہ رہے گا  
اور نہ راحت و آرام تجھے نصیب ہوگا۔ کیا تو جانتا اور سمجھتا ہے کہ تو نے عترتِ اہلِ  
اور اولادِ اخیار سے کیا سلوک کیا ہے؟ تو اپنے بُرے اعمال پر اور اُن نیک  
بندوں کو قتل کرنے پر فخر و مباہات کرتا ہے یا درکھ کہ تو ایسے مکروہ و مذموم فعل  
کا مرتکب ہوا ہے کہ ابدِ الابد اس کا عار و ذنگ تیرے گلے کا ہار رہے گا اور تو  
اپنے مطلوب و مقصود کو کبھی حاصل نہ کر سکے گا۔

تاریخ ثابت کرتی ہے کہ جنابِ زینبؓ کی پیشین گوئی کس قدر جلد مکمل طور  
پر پوری ہوئی۔ آقا السید ابن حسن رضوی جارچوی نے اپنی کتاب "فلسفۃ الخیر"  
میں ان تاریخی واقعات کو جو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ظاہر ہوئے  
بڑی خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں :-

”دنیا میں بہت سے انقلابات آچکے ہیں اور آتے رہتے  
ہیں لیکن حسینی انقلاب اپنی شان میں نہ لایا تھا۔ حسینؓ

نے کربلا کی سہ روزہ زندگی میں اپنے اور اپنے  
 مخالفوں کے طرزِ عمل میں مقابلہ کر کے تمام دنیا  
 پر ثابت کر دیا کہ حق کس طرف ہے اور باطل کا  
 دامن کون پکڑے ہوئے ہے۔ بیزید خوش تھا کہ وہ  
 دیارِ واصلہ میں اہل بیتِ رسولؐ کی تشہیر کر کے  
 اُن کی تذلیل کر رہا ہے۔ اسے یہ خبر نہ تھی کہ یہی عمل  
 ہے جس سے آلِ محمدؐ کے مصائب کی داستان عالمگیر  
 ہوتی جا رہی ہے اور اُن کی صداقت کا نقشِ دلوں  
 پر پائیدار ہو رہا ہے۔ کوفہ، حلب، موصل و دمشق  
 کے شہروں میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے آلِ محمدؐ  
 کے مصائب کا ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حضرت  
 عصمت کی جگر خراش اور رقت خیز تقریروں کو سنا تو  
 ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک آگ سی  
 لگ گئی۔ محبتِ آلِ محمدؐ کا وہ جذبہ جو استبدادیت کے  
 سبب دب گیا تھا پھر ظاہر ہو گیا اور وہ آگ جو  
 زیرِ پستی اور سرمایہ داری کی وجہ سے بجھنے لگی تھی پھر  
 بھڑک اُٹھی۔ اس آگ نے ایک طرف تو عصیان سوزی  
 کا کام کیا تو دوسری طرف بنی امیہ کی آرزوؤں کو جلا  
 کر خاکستر کر دیا۔ شعر:

خونِ اوتازہ چمنِ ایجاد کرد  
 تا قیامت قطعِ استبداد کرد

دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ سلطنت جس کے خوف سے  
 قیصرِ روم کے قصر میں زلزلہ پڑ جاتا تھا جس کی ہیبت کے  
 سامنے صنادیدِ عجم تھمرانے لگتے تھے چند سال کے اندر پاش  
 پاش ہو گئی اور بنی اُمیہ کا گھر ایسا برباد ہوا کہ کوئی نام لپوا  
 نہ رہا۔ دمشق کا وہ قصر ابض جس میں کافوری شمعیں جلا  
 کرتی تھیں جو اندر کا اکھاڑا بنا ہوا تھا جہاں سلاطین  
 عالم کے سر جھکتے تھے آج ویران ہے اور حِیثین کا وہ اُجڑا  
 ہوا بن جہاں ریگستان کے سوا کچھ نہ تھا آج گلزار بنا  
 ہوا ہے۔ تو کیا اہل بصیرت کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ  
 کافی نہیں۔ کَلَّا إِنَّہُ تَذْکِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ  
 ذَکُرَہُ۔“ پھر لکھتے ہیں :-

”معاویہ اور اولادِ معاویہ کی سیہ کاریاں باوجود  
 کوشش کے طشت از بام ہوئے بغیر نہ رہ سکیں  
 اور مدبرینِ اسلام تاریخ کے ہر دور میں ان اسلام  
 سوز حرکات پر ماتم کرتے چلے آئے ہیں علیؑ اور اولادِ  
 علیؑ کے فضائلِ روپیہ کے لالچ سے تلوار کے خوف سے  
 اور طاقت و سلطنت کے دباؤ سے مٹائے گئے مگر آج  
 بھی کتابیں ان کے احصاء سے معذور ہیں اور زبانیں  
 اُن کے بیان سے عاجز ہیں . . . . . حیرت ہے کہ  
 بنی اُمیہ جن کے پاس حکومت تھی سلطنت تھی جو  
 ہزاروں انسانوں کی قسمت کے مالک تھے جن کے

دروازوں پر شاہانِ وقت ذلیل کیے جاتے تھے آج  
صفحہ دنیا سے بالکل نیست و نابود ہو گئے اور فاطمہ  
کی فاقہ کش اولاد نبی عربی کی مصیبت زدہ عزت  
شاہانِ وقت کے جو رواستہ دار کے صدرے اٹھانے  
کے باوجود اب تک دنیا میں عزت و آبرو کی زندگی  
بسر کر رہی ہے۔ کیا صداقت کا یہ نشان متلاشی حق  
کے لیے کم ہے ؟

پھر ایک جگہ مولانا ابن حسن لکھتے ہیں :-

” حسین شہید ہو گئے۔ اُن کا جسم نازیبا گھوڑوں کی  
ٹاپوں سے پامال کر دیا گیا۔ آج باطل کی مسرت کا دن  
تھا۔ حق اور اُس کی تمام قوتیں مضحل نظر آتی تھیں۔ میرا  
جنگ فتح و ظفر کے شادیاہوں سے گونج رہا تھا۔ حق کے  
علمبرداروں کی خون آلودہ لاشیں اپنے سردار کے گرد  
خاک پر پڑی تھیں۔ . . . . نتیجہ جنگ بالکل عیاں  
تھا۔ خیامِ اہل بیت میں آگ لگی ہوئی تھی اور آگ کے  
شعلے بلند ہو کر مزید کی فتح کا اعلان کر رہے تھے۔  
حسین کے سپہندگان کی اسیری زبانِ حال سے اپنی  
شکست کی گواہ تھی۔ کس کو خبر تھی کہ آگ کے یہ شعلے  
حسینی بارگاہ کو نہیں بلکہ بنی اُمیہ کے خرمن آرزو کو  
جلا رہے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ آلِ محمد کی اسیری ایک  
عالمگیر آزادی کا پیش خیمہ ہے۔ قوموں کی تاریخ میں

صدیاں لمحوں کے برابر ہیں۔ آنکھ بند کرتے ہوئے نسلیں گزر جاتی ہیں۔ ابھی چند سال نہ گزرے تھے کہ ان ہی آنکھوں نے جو حسین کو خاک و خون میں لوٹا ہوا دیکھ چکی تھیں۔  
 بنی اُمیہ کا زوال بھی دیکھا۔“

مولانا السید ابن حسن صاحب کا بیان ختم ہوا۔ اب ہم علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے چند اشعار درج کرتے ہیں ان ہی خیالات کو مرحوم نے نظم میں خوب ادا کیا ہے۔ کہتے ہیں :-

رمز قرآن از حسینِ آموختیم	ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فلغد از دفت	سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تاریما از زخمہ اش لرزاں ہنوز	تازہ از تکبیرِ او ایساں ہنوز
اے صبا لے پیکِ دور افتادگاں	اشکِ ما بر خاکِ پائے اورساں

تواریخ میں ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد علیہ اللعن والعذاب نے جب جناب امام زین العابدینؑ اور اہل بیت طاہرین کو اپنی زبان کے نشتر سے مجروح کرنے کے بعد حکم دیا کہ ان بزرگواروں کو اس کی مجلس سے لے جائیں اور ایک ویرانہ مکان میں رکھیں۔ ایک روایت کے مطابق قید خانہ بھیج دیا۔ صاحب طراز المذہب لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کہ قیام کو فہ کے زمانہ میں اہل بیت قید خانہ میں رکھے گئے یا کسی مکان میں۔ روایات مختلف ہیں بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ اہل بیت جب کربلا سے کوفہ پہنچے تو شام ہو گئی تھی اس لیے زنداں میں داخل کر دیے گئے۔ دوسرے روز صبح میں بازار کوفہ میں جناب زینؑ اور جناب ام کلثومؑ نے جو خطبے ارشاد فرمائے اور مجلس ابن زیاد میں جو گفتگو ہوئی اس سے عوام میں انتشار پیدا ہوا اس لیے



ابن زیاد خائف ہوا اور اہل بیت کو مکرر قید خانہ نہیں بھیجا بلکہ ایک ویرانہ مکان ان کے رہنے کے لیے مقرر کیا اور نیز یہ کو خط لکھا اور جواب کا منتظر رہا۔ بحر الصائب میں روایت ہے کہ جب اہل بیت طاہرین ابن زیاد کی مجلس میں لائے گئے اور یثقی جو کچھ گفتگو کرنی تھی کرچکا تو دیر تک خاموش بیٹھا ہوا سوچتا رہا اور پھر حکم دیا کہ اہل بیت کو لے جائیں اور جامع مسجد متصل سرائے میں ٹھہرا دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ابن زیاد کے خوف سے اہل کوفہ سرائے کے قریب بھی قدم نہ رکھ سکتے تھے اور نہ کوئی ان ستم رسیدہ قیدیوں کی احوال پرسی کر سکتا تھا۔

بحار الانوار میں مسطور ہے کہ اہل بیت جامع مسجد سے متصل ایک مکان میں ٹھہرائے گئے اور جناب زینب سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں کہ ہمارے قیام کوفہ کے زمانہ میں سوائے کینزوں کے کوئی زن عربی ہم سے ملنے نہیں آئی۔ بحار میں یہ بھی روایت ہے کہ ابن زیاد نے اہل بیت کو زنداں میں رکھا اور اطراف و اکناف کے شہروں اور قریلوں کو سوار روانہ کیے کہ امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خوش خبری لوگوں کو دیں۔

امالی میں شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے ابن زیاد کے حاجب کی روایت لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابن زیاد نے مجھے حکم دیا کہ علی بن الحسین کو زنجیروں میں خوب جکڑ دیا جائے اور ان کو اور سب عورتوں کو قید خانہ میں داخل کر دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں نے کی۔ جب ان قیدیوں کو میں زندان لے جا رہا تھا تو دیکھا کہ بن مقامات سے ان کا گذر ہوتا تو لوگ ان کی حالت زار دیکھ کر روتے اور منہ پٹتے تھے۔ بہر حال اہل بیت زندان میں داخل کر دیے گئے اور در زندان مقفل کر دیا گیا اور محافظین کو تاکید کر دی گئی کہ ان قیدیوں پر سخت

نگرانی کریں اور ان سے کسی قسم کی نرمی نہ کریں۔ ہمارے خیال میں حاجب کی یہ روایت ہی صحیح ہے۔ ابن زیاد جیسے شقی القلب اور دشمنِ خدا و رسول سے ایسی توقع کرنا کہ وہ قیدیانِ اہل بیتؑ کو کسی مکان یا سرے بٹھرائے بعد از عقل و قیاس ہے خصوصاً جب بعض اہل کوفہ کی ان حضرات سے ہمدردی کا حال اس کو معلوم ہو گیا ہوگا۔

صاحبِ ریاض الاحزان لکھتے ہیں کہ کتبِ سیر و مقاتل سے قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ قید خانے کی کیا حالت تھی وہ مسقف تھا یا بغیر سایہ تھا لیکن یہ تو بالکل یہ ثابت ہے کہ اہل بیتؑ کی قید سخت ترین تھی۔ ان بزرگواروں کو باہر آنے کی اجازت نہ تھی اور نہ کوئی باہر سے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ آب و طعام اس قدر کم مقدار میں دیا جاتا تھا کہ بچے بڑے مجوک و پیاس کی شدت سے تلملاتے اور ہلہلاتے رہتے تھے۔ خادم و مخدوم، بردہ و خالون سب ایک کمرہ میں بند کر دیے گئے تھے۔

روایت ہے کہ جب اہل بیتؑ قید خانہ میں داخل کر دیے گئے اور انھیں ایک کمرہ میں مقفل کر دیا گیا تو جنابِ زینبؑ ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اور سب بیبیاں اور بچے ترساں و پریشاں آپ کے اطراف جمع ہو گئے اور سب مل کر نالہ و فریاد کرنے لگے اور یہ منظر ایسا دردناک تھا کہ جس کے نظارہ سے پیہر بھی پانی ہو جاتا اور سمندر کی مچھلیاں کباب ہو جاتیں۔

صاحبِ طراز المذہب اہل بیتؑ اظہار کے کر بلا سے کوفہ تک کے واقعات بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ان حالات اور واقعات کے دیکھنے کے بعد ناظرین پر اہل بیتؑ طاہرین کے مراتبِ عالیہ ہو جانا چاہیے۔ کر بلا سے روانہ ہو کر کوفہ پہنچنے تک بازارِ کوفہ میں مجلسِ ابن زیاد میں، زندانِ کوفہ میں جو مصدمات آفات و مصائب ان مقدس ہستیوں پر وارد ہوئے وہ ایسے سخت اور جانناک تھے کہ اگر کوہِ پرواقع ہوتے تو کاہ ہو جاتے۔ اگر سمندروں پر پڑتے تو یہ خشک ہو جاتے

اگر آسمانوں پر نازل ہوتے تو انہیں متزلزل کر دیتے مگر اہل بیت طاہرین نے حفظ مراتب خاندان رسالت کا لحاظ و خیال رکھتے ہوئے ان مصائبِ عظمیٰ کو بڑے صبر و استقلال اور وقار کے ساتھ برداشت فرمایا اور کسی وقت بھی ذرا سی ذلت گوارا نہ کی اور نہ کبھی کوئی ایسا کلمہ منہ سے نکالا جس سے خدا کی شکایت یا ناشکری کا شبہ بھی ہو۔ پہاڑوں کے مانند بلاؤں کو جھیل لیا۔ اور مصائب کے سمندروں کو زیر پا کر لیا اور جہیں بہ جہیں نہ ہوئے۔ جب موقع پایا اہل دنیا کو اپنا حق چتایا۔ اپنے مخالفین کی باطل پرستی، گمراہی، ظلم و جور کو بخوبی واضح و روشن کر کے دکھایا۔

سہیل سیکنتہ حیدر آباد لطیف آباد

اس مسئلہ میں کہ اہل بیت کوفہ میں کتنے روز رہے۔ روایات میں اختلاف ہے۔ عموماً اخبار سے پایا جاتا ہے کہ اہل بیت تیرہ توں محرم کو کوفہ پہنچے اس کے بعد ابن زیاد نے یزید کو خط لکھا جس میں امام حسین کی شہادت اور اہل بیت کی امیری کا حال لکھا۔ جب یہ خط یزید علیہ العن کو پہنچا تو اس نے اپنے مشیران خاص سے مشورہ کرنے کے بعد ابن زیاد کو لکھا کہ سر ہائے شہدار اور اہل بیت کو دمشق بھیج دیا جائے۔ ان کے ساتھ سوار و پیادہ کی فوج رہے اور اس فوج کا کوئی بہاد اور دلیر شخص افسر مقرر کیا جائے تاکہ کوفہ سے دمشق تک کے راستہ میں اہل قصابات قبائل مزاحمت نہ کر سکیں۔ اگر کریں تو فوج مقابلہ کر سکے اور اہل بیت رہا نہ ہونے پائیں۔ جب یزید کا خط ابن زیاد کو موصول ہوا تو اس ملعون نے حسبہ عمل کیا۔ یزید کے ان تاکید و احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یلعون خطرہ کو محسوس کرنے لگا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ حسین ابن علی کا خون بہانا اور ان کے اہل بیت کو قید کرنا کوئی معمولی بات نہیں اور یہ بہت جلد رنگ لائے گی۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب اہل بیت کوفہ پہنچے تو ان کا حال زار دیکھ کر اور جناب امام زین العابدین، جناب زینب، جناب ام کلثوم کے خطبات

اور ارشادات سن کر اہل کوفہ میں انتشار و اضطراب پیدا ہو گیا اور ابن زیاد نے اس خیال سے کہ کہیں اس ملعون کے خلاف شورش اور بغاوت نہ ہو جائے یزید کے بلا استمراج اہل بیت کو مع سرہائے شہداء شام روانہ کر دیا۔ صاحب "طراز المذہب" تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف اور غیر صحیح ہے۔ امر واقعہ جو معتبر روایات سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ گیارہ محرم کی شام میں اہل بیت کوفہ پہنچے اور چودھویں محرم کو ابن زیاد نے یزید کو خط لکھ کر روانہ کیا۔ اور یہ خط اواخر محرم میں اس کو ملا۔ یزید نے خط کا جواب دیا جو سولہ روز بعد ابن زیاد کو وصول ہوا اور یہ خط ملنے کے بعد تین روز ابن زیاد اہل بیت کی روانگی کے انتظامات اور تیاریوں میں مصروف رہا اور چوتھے روز اہل بیت کا قافلہ کوفہ سے شام روانہ ہوا۔ یہ قافلہ کربلا ہوتا ہوا شام گیا۔ قافلہ کربلا میں ۱۸ صفر کو پہنچا اور یہاں دو روز قیام کیا اور بیس صفر کو وہاں سے روانہ ہوا۔ ان روایات کے بموجب اہل بیت کا قیام کوفہ میں ایک مہینہ سات یوم رہا اور یہ تمام زمانہ قید میں گذرا۔



# باب

## کوفہ سے شام تک سفر کے حالات اور واقعات

— \* \* \* —

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۸ صفر کو اہل بیت کوفہ سے شام کی طرف روانہ ہوئے اور اسی روز شام میں کربلا پہنچے اور دو روز قیام کیا اور بیس صفر کو جب دمشق روانہ ہوئے۔

بعض کتب مقاتل میں ہے کہ جب ابن زیاد نے چند ہزار بے دین و سخت ترین دشمنان آل رسول سپاہیوں کا دستہ تیار کر لیا تو ان کو مکمل طور پر مسلح کیا اور یہ فوج قید خانہ پر آئی۔ اہل حرم جو بحالت سوگاری اور پریشانی مقید تھے سواروں اور پیادوں کا ہہمہ اور شور سن کر خوف زدہ اور ہراساں ہو گئے بچے ڈر کر رونے لگے اور ماؤں سے لپٹ گئے لیکن بیباک ظالم سپاہیوں نے اہل بیتؑ خواجہ لولاک کو اونٹوں پر سوار کر کے شل اسرائے ترک و لیم کوفہ سے لے چلے۔ جناب امام زین العابدین، جناب زینب، جناب ام کلثومؑ اور دیگر مخدّرات بوقت روانگی خلقت کا اژدہام و ہجوم، اپنا لٹا ہوا سامان اور سرہائے شہدائے دیکھ کر اپنی بیچارگی اور دردِ دہری پر گریاں و نالہ کناں ہوئے۔ یہاں ہم ایک واقعہ کی طرف ناظرین کی توجہ منعطف کرانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ یہ کوفہ وہی مقام تھا جو جناب امیر علیہ السلام کی خلافتِ ظاہرہ کے زمانہ میں آپ کا دار الخلافہ تھا جہاں جناب زینبؑ کی ایسی عزت و توقیر کی جاتی تھی

کہ اہل کوفہ کی کوئی عورت بھی بلا حصول اجازت آپ کی ملاقات سے مشرف نہ ہو سکتی تھی اور آج اسی شہر کوفہ میں یہ شہزادی بطور قیدی اونٹ پر سوار تھیں اور اہل کوفہ تماشا بینی کے لیے جمع تھے۔ اس وقت جناب صدیقہ الصغریٰ کے دل پر کیا گزری ہوگی اور آپ کے قلبِ حزین کا کیا حال ہوا ہوگا، اس کا تصور ہمارے دلوں کو پانی کر دینے اور خون رُلانے کے لیے کافی ہے۔ اگر اس ایک مصیبت پر ہی ہم روتے روتے جاں بحق ہو جائیں تو حق بجانب ہوگا۔

مقتل ابی مخنف اور بعض دیگر کتبِ معتبرہ میں سہل کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب مجھے اطلاع ہوئی کہ بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ اہل بیتِ رسولؐ کو شامِ روانہ کیا جا رہا ہے تو میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ کسی طرح بھی قافلہ کے ساتھ چلاؤں گا۔ چنانچہ میں نے ایک ہزار دینار اور ایک ہزار درہم بطور خرچ سفر ساتھ لیے اور قافلہ کے ہمراہ ہو گیا۔ جب قافلہ قادسیہ پہنچا تو اہل بیتؑ نے مجلسِ عزاءِ بپاکی اور جناب ام کلثومؑ نے چند اشعار بطور مرثیہ ارشاد فرمائے۔

ناخ التواریخ میں روایت ہے کہ جب اہل بیتؑ منزلِ نصیبین پہنچے اور وہاں اترے تو سرمائے شہداء اُن کے قیام گاہ کے پاس رکھے گئے۔ جناب زینبؑ کی نظر اُن سرمائے پر پڑی تو آپؑ نے فرمایا:

النشہر ما بین الیربۃ عنوة ووالدنا ادحی الیہ جلیل  
کفرتم برب العرش ثم نبیہ کان لم یحبکم فی الزمان رسول  
لحاکم اللہ العرش یا شرأمة لکم فی لظی یومہ المعداد عویل  
ترجمہ :- (۱) کیا لوگوں میں ہماری اس بُری طرح تشہیر کی جائے حالانکہ

ہمارے باپ (رسولؐ) کی طرف خدائے جلیل نے وحی بھیجی تھی۔

(۲) تم نے ربِّ عرش اور اس کے نبیؐ کی تکفیر کی۔ گویا کہ تمہارے درمیان کبھی نبیؐ

آئے ہی نہ تھے۔

(۳) اے امتِ بد! خدا تمہارا بُرا کرے۔ تم روزِ حشر جہنم میں چپختے اور چلاتے پڑے رہو گے۔

کتابِ بحرِ المصائب اور سرورِ المومنین میں روایت ہے کہ امام حسینؑ کے ایک برادرِ رضاعی تھے جن کا نام عبداللہ بن قیس انصاری تھا۔ یہ بزرگوار امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر حلب چلے آئے تھے اور یہاں کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ ہر سال حج کو جاتے تو مدینہ آتے اور جنابِ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی ملاقات سے مشرف ہوتے۔ اس سال جب حضرت

سید الشہداءؑ کو بلاروانہ ہوئے تو یہ بزرگوار تحائف و ہدایا لے کر حلب کے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ حضرت سے ملاقات کریں۔ جب یہ نصیبین پہنچے تو ایک سایہ دار مقام پر اتر پڑے تاکہ قدرے آرام کریں۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک کارواں چلا آ رہا ہے یہ خوش ہوئے کہ چلو اور لوگ بھی آ رہے ہیں تنہائی نہ رہے گی ان لوگوں کی صحبت ملے گی۔ یہ اٹھ کھڑے ہوئے اور چلے کہ دریافت کریں کون لوگ ہیں کس کا قافلہ ہے۔

جب پہنچے تو دیکھا کہ سواروں اور پیادوں کے حلقہ میں چند اونٹ ہیں جن پر عورتیں سوار ہیں۔ یہ قافلہ نہرِ آبِ پرہنچا اور وہاں اتر گیا۔ ایک بی بی جو بلند قامت عقیق اور جن کی گود میں ایک تین چار سال کی لڑکی تھی اونٹ سے اتریں نہر پر پہنچیں اور پیئے کے لیے چٹوئیں پانی لیا اور اس قدر گریہ کیا کہ پانی آنسوؤں سے مخلوط ہو گیا اور فرمانے لگیں اُشرب الماء و قتل اخی عطشانا۔ دہائے کیا میں یہ پانی پیوں جب کہ میرا سبھا ئی پیاسا شہید ہوا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ ایک اونٹ پر ایک نوجوان مریض سوار ہے جو طوق و زنجیر میں جکڑا ہوا ہے۔ یہ نوجوان اونٹ سے اترنے کی کوشش میں زمین پر گر پڑا اور سب بیبیاں دوڑ کر

اُس کو اٹھانے لگیں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بھی دوڑ کر قریب پہنچ گیا کہ مدد کروں لیکن اُس بلند قامت سیاہ پوش بی بی نے بلند آواز سے مجھ سے کہا ”اے نامحرم دور ہو جا“ میں نے کہا اے بی بی میں نیک نیتی سے اس نوجوان کو اٹھاتا ہوں اور آپ کی مدد کرنے کی غرض سے قریب آ گیا ہوں۔ ایک مرد مسافروں اور اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے کوفہ جا رہا ہوں۔ یسُں کروہ بلند قامت بی بی (جناب زینب) نے مجھ سے پوچھا۔ ما اسمک یا فتی ومن اخوک (اے شخص تیرا کیا نام ہے اور تیرا بھائی کون ہے؟) میں نے جواب دیا کہ میرا نام عبداللہ بن قیس الانصاری ہے اور میرے بھائی حسین بن علیؑ ابن ابیطالب ہیں جب نام حسین سنا تو اُس بی بی نے ایک آو سرد بھری اور واحمد اواعلیا کہا اور نوک نیزہ پر ایک سر کو بتاتے ہوئے مجھ سے کہا لھذا راس اخي الحسين ان كنت زائحه فزره (دیکھو یہ سر ہے میرے بھائی حسین کا اگر تم ان کی زیارت کے لیے جا رہے تھے تو نو زیارت کر لو۔)

جب قافلہ شہر قنسرین میں پہنچا تو یہاں کے لوگ جو شیعیان امیر المؤمنین سے تھے مسلح ہو کر نکل آئے اور فوج کفار پر جو اہل بیتؑ کے ساتھ تھی حملہ کر دیا اور اس شہر میں پھرنے نہیں دیا۔

جب شہر سیبور میں پہنچے تو اہل سیبور نے اہل بیتؑ رسولؐ کی حمایت میں پوری قوت سے فوج محافظہ پر حملہ کیا اور چند اشقیاء کو واصل جہنم کیا اور جناب ام کلثومؑ نے اہل شہر کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

اور چند منازل طے کرنے کے بعد اہل بیتؑ بعلبک پہنچے اور اس شہر کے لوگوں نے اظہارِ مسرت و شادمانی کیا اور جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ نے ان پر نفیس کی۔



صاحب طراز ائمہ ذہب لکھتے ہیں کہ اہل بیتؑ طاہرینؑ اس سفر میں کوفہ سے دمشق تک کتنے منازل طے کیے اور ان کے کیا نام تھے اور ان منازل پر کس نبیؑ نے کیا ارشادات فرمائے ان امور کے متعلق تواریخ و مقاتل میں مختلف روایا ہیں۔ مقتل ابی مخنف میں جو روایت ہے اس میں حسب ذیل منازل بتائے گئے ہیں:-

- |                     |                     |
|---------------------|---------------------|
| (۱) کوفہ سے کربلا   | (۸) معرہ سے بشیر ز  |
| (۲) کربلا سے قادسیہ | (۹) بشیر ز سے سیبور |
| (۳) قادسیہ سے موصل  | (۱۰) سیبور سے جمہ   |
| (۴) موصل سے نصیبین  | (۱۱) جمہ سے حمص     |
| (۵) نصیبین سے دعوات | (۱۲) حمص سے بعلبک   |
| (۶) دعوات سے قنسرین | (۱۳) بعلبک سے دمشق۔ |
| (۷) قنسرین سے معرہ  |                     |

ابی مخنف کی روایت سے تیرہ منزل ہوتے ہیں بعض مؤرخین بارہ منزل کہتے ہیں بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اہل بیتؑ کو چوالیس منزلوں پر ٹھہرتے ہوئے دمشق لے گئے لیکن منازل کے نام نہیں بتائے۔

صاحب مفتاح البکار لکھتے ہیں کہ میری تحقیق میں ثابت ہوا ہے کہ اہل بیتؑ نے بیس منازل میں ہجرت کیا یعنی مقام کیا اور کوفہ سے روانگی کے بیسویں دن دمشق پہنچے ممکن ہے کہ اس سے زیادہ مقامات پر ٹھہر گئے ہوں لیکن مجھے اس کا علم نہ ہو سکا۔ ہماری رائے میں صاحب مفتاح البکار کی تحقیق صحیح یا صحت کے قریب تر ہے اس لیے کہ مقتل ابی مخنف میں ایک روایت ہے جس کا راوی وہی سہل ہے جو کوفہ سے اہل بیتؑ کے قافلہ کے ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ کوفہ سے دمشق

تک فاصلہ چوبیس منازل میں ختم ہوا اور منازل کے نام بھی بیان کرتا ہے جو سب ذیل ہیں :-

- |                                |                                |
|--------------------------------|--------------------------------|
| (۱) منزل اول قادسیہ -          | (۱۳) منزل سیزدہم نصیبین -      |
| (۲) منزل دوم تکریت -           | (۱۴) منزل چہار دہم عین الورد - |
| (۳) منزل سوم طریق اکبر -       | (۱۵) منزل پانزدہم دعوات -      |
| (۴) منزل چہارم اعلا -          | (۱۶) منزل شانزدہم قنسرین -     |
| (۵) منزل پنجم دیر عروہ -       | (۱۷) منزل ہفدہم شیرز -         |
| (۶) منزل ششم صلیبا -           | (۱۸) منزل ہجدم کفرتاب -        |
| (۷) منزل ہفتم وادی النخل -     | (۱۹) منزل نور دہم سیبور -      |
| (۸) منزل ہشتم لیتا یا ارمیاہ - | (۲۰) منزل بستم حمص -           |
| (۹) منزل نہم کھیل -            | (۲۱) منزل بست ویک کنیہ قیس -   |
| (۱۰) منزل دہم موصل -           | (۲۲) منزل بست و دو بلبلک -     |
| (۱۱) منزل یازدہم تل اعفر -     | (۲۳) منزل بست و سہ صومعہ -     |
| (۱۲) منزل دوازدہم جبل سنجار -  | (۲۴) منزل بست و چہار دمشق -    |

مولانا سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے صحیفۃ العابدین میں حسب

ذیل منازل بتائے ہیں :-

- |                        |                       |
|------------------------|-----------------------|
| (۱) منزل - کربلا -     | (۶) منزل - شہر لبنا - |
| (۲) منزل - قادسیہ -    | (۷) منزل - دیہ کھیل - |
| (۳) منزل - موصل -      | (۸) منزل - نصیبین -   |
| (۴) منزل - تکریت -     | (۹) منزل - دعوات -    |
| (۵) منزل - وادی نخلہ - | (۱۰) منزل - قنسرین -  |

- (۱۱) منزل - مقبرة النعمان - (۱۶) منزل - بعلبک -  
 (۱۲) منزل - شیرز - (۱۷) منزل - دیر رابیب -  
 (۱۳) منزل - ارض سیور - (۱۸) منزل - حران -  
 (۱۴) منزل - حماہ - (۱۹) منزل - دمشق -  
 (۱۵) منزل - حمص -

اس کے علاوہ اور بہت سی روایات ہیں جو صاحب طراز الکدہ بہت سے بیان کی ہیں لیکن ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

منازل کی تعداد جو کچھ بھی ہو مگر یہ ظاہر ہے کہ اس سفر میں اہل بیت طاہرین پر بلا کی صعوبات اور مصائب گذر گئے۔ اونٹوں کا سفر خود باعث تکلیف و زحمت ہوتا ہے۔ وہی شخص اس کی تکلیف کو محسوس کر سکتا ہے جس نے اونٹ پر ایک محقر سا سفر بھی کیا ہو۔ اہل بیت کا سفر تو تقریباً چھ سو میل کا تھا۔ فی زمانہ بغداد سے دمشق کو موٹر میں سفر کیا جاتا ہے تو یہ فاصلہ کم و بیش چھ سو میل ہے اور تقریباً تیس گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ اشقیاء اہل بیت کو نامعلوم راستوں اور گزرگاہوں سے لے گئے تھے تاکہ راستہ میں مزاحمت اور مخالفت کا سامنا نہ ہو۔ بعض وقت ایسا بھی ہوا کہ ایک مقام پر منزل کرنے کا قصد رکھتے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو جاتا کہ وہاں کے لوگ دوستانہ اہل بیت سے ہیں تو لڑائی کے اندیشہ سے راستہ کاٹ کر دوسری طرف نکل جاتے تھے اور اس میں بسا اوقات اونٹوں کی رفتار تیز کر دی جاتی تھی۔ ناظرین، غور فرمائیں کہ اس دورِ دھوپ اور کشمکش میں بیمار علی ابن الحسین، مخدرات اور چھوٹے چھوٹے بچوں پر کیا کچھ مصائب نہ گذرے ہوں گے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ بعض مقامات پر فوج محافظ اور اہلیانِ شہر کے درمیان جھڑپیں بھی ہو گئیں

طرفین کے کچھ لوگ مارے گئے یہ جھگڑے اور لڑائیاں بھی یقیناً سیبیوں اور بچوں کی دہشت اور خوف کا باعث ہوئی ہوں گی۔ بعض ایسے مقامات پر سے گذر ہوا کہ جہاں کے باشندے دشمنانِ اہلِ رسولؐ سے تھے اور جب اہلِ بیتؑ یہاں پہنچے تو ان یرنجیوں نے اظہارِ شادمانی کیا تو اہلِ بیتؑ کو اس کا صدمہ نہ ہوا سوگا، کیا اس سے ان کے قلوب مجروح نہ ہوئے ہوں گے؟ کیا یہ مصیبت کوئی معمولی مصیبت تھی؟ لا واللہ، ان تمام مصائب پر عظیم تر مصیبت یہ تھی کہ سب صدماتِ تکالیف گذر رہے تھے لیکن کوئی دلجوئی کرنے والا، دلا سہارا دینے والا بھی نہ تھا بلکہ اس کے برخلاف اشقیاء جو بطور محافظ ساتھ تھے انواع و اقسام کی جسمانی اور روحانی ایذائیں پہنچاتے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بے دینوں کی زد و کوب اور بے جا سختی کی وجہ سے کئی بچے اثناءِ سفر میں ہلاک ہو گئے۔ اونٹوں کو بعض وقت اس قدر تیزی سے ہانکتے تھے کہ بچے اونٹوں سے گر کر ضائع ہو جاتے تھے۔ ہم چند منازل کے واقعات بیان کرتے ہیں جن سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوگی اور اس پر مسزید روشنی پڑے گی۔

بحرِ المصائب میں مسطور ہے کہ جب اہلِ بیتؑ موصول پر پہنچے تو شہر کے لوگ تماشاہ بینہ کے لیے نکل آئے اور ان کا ہجوم دیکھ کر جنابِ زینبؑ بیحد متاثر و مغوم ہوئیں اور گریہ فرمایا اور اس مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے یزید! تو نے خدا کو بھلا دیا گو یا کہ خدا نے تمہارے لیے کوئی دین و آئین بھیجا ہی نہیں تھا اور رسول اللہؐ نے اس کو تم تک پہنچایا ہی نہ تھا اور تم سے روزِ قیامت حساب و کتاب ہوگا۔ قسم خدا کی تم بدترین قوم ہو اور تم پر دنیا میں نکتہ نازل ہوگی اور آخرت میں تم کو عذابِ شدید میں مبتلا ہونا ہے۔"

بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ منزلِ سنا بادی میں جنگ ہوئی۔ اہل

سنا بادِ دستانِ آلِ رسولؐ سے تھے اور انہوں نے فوجِ اشقیاء پر حملہ کر دیا اور  
چند اشقیاء واصلِ جہنم ہوئے اور باقی اہلِ بیتؑ کو لے کر بچ کر نکل گئے۔ اسی طرح  
اہلِ یسجد کو جب خبر ہوئی کہ امام حسینؑ شہید کر دیے گئے اور آپؑ کا لٹا ہوا قافلہ  
آ رہا ہے تو بوڑھے بچے اور جوان سب یکدل دیکھا ہو کر شہر سے باہر نکل آئے  
اشقیاء پر حملہ کیا جنگ ہوئی۔

ابو اسحق اسفرائینی نے کتاب نور العین میں روایت بھی ہے کہ جب اہلِ بیتؑ  
کا قافلہ شہر حصین کے قریب پہنچا تو اہلِ شہر آلِ رسولؐ کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے  
اور شدت کی لڑائی ہوئی۔ بچوں کی بے قراری اور دہشت دیکھ کر جنابِ نبیؐ اور جنابِ  
اُم کلثومؑ نے یزید یوں سے کہا کہ آخر تم لوگ کب تک ہم کو ان مصائبِ آفات  
میں مبتلا رکھو گے۔

کتاب سرور المؤمنین میں ہے کہ جب قافلہ عسقلان کے قریب پہنچا  
تو ایسی گرم ہوائیں چلیں کہ مرغ و ماہی جل بھن کر رہ گئے۔ ابنِ زیاد کے لشکر  
والے اپنے گھوڑوں کو لے کر پانی میں داخل ہو گئے اور گھوڑوں پر پانی ڈالا۔  
اہلِ بیتؑ اور ان کے بچوں کے لیے جو شدت گرمی اور پیاس سے جھلس رہے  
تھے پانی کا کوئی انتظام و اہتمام نہیں کیا۔ اس پریشانی و حیرانی میں ایک  
صاحبِ زادی نے جن کا اسم مبارک فاطمہ بخاروی ہوئی ایک سایہ دار درخت  
کے نیچے پناہ لی۔ قافلہ دوپہر کے بعد روانہ ہو گیا اور کسی کو اس صاحبِ زادی کا  
خیال نہ رہا اور یہ وہیں چھوٹ گئیں۔ تھوڑی دور جانے کے بعد جنابِ نبیؐ  
کو معلوم ہوا کہ صاحبِ زادی چھوٹ گئیں۔ آپؐ رونے لگیں اور لشکرِ ابنِ زیاد سے کہا  
یا قوم باللہ علیکم اصبروا ہنیۃ فقد افتقدت ابنتہ  
اخی وقرۃ عینی دے قوم میں تم کو خدا کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ تھوڑی

دیر ٹھہر جاؤ اس لیے کہ میرے بھائی کی لڑکی میری قرۃ العین کھو گئی ہے، جناب زینبؓ کی یہ صدا سنتے ہی اہل بیتؑ میں کہرام مچا ہو گیا۔ سرداران لشکر آپس میں کہنے لگے کہ ٹھہر جاؤ اور لڑکی کو تلاش کر کے لاؤ۔ اگر لڑکی نہ ملے گی تو خدائی قسم زینبؓ رسول اللہؐ کی نواسی عالم کو زیر و زبر کر دیں گی اور ان کا ایسا کرنا حق بجانب ہو گا۔ لشکر سے ایک شخص جس کا نام زجر بن قیس تھا آگے بڑھا اور سرداران لشکر سے کہا، میں اس صاحبزادی کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔ اس کو اجازت ملی اور وہ چلا۔ راوی کہتا ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا جب ہم منزل عسقلان کے قریب پہنچے تو ہم نے عجیب منظر دیکھا کہ صاحبزادی اپنا سر ہاتھوں سے پکڑے حیران و پریشان چاروں طرف دیکھتی ہیں، ادھر ادھر دوڑتی ہیں اور پھر تھک کر بیٹھ جاتی ہیں اور کہتی ہیں یا عمار! یا عمتا! یا ابا! یا اختا! یا اخا! (اے چچا! بھوپتی! اے بابا! اے بہن! اے بھائی) پھر اٹھ کر چلنے لگتی اور تھک کر ریگ گرم پر گر جاتی ہیں اور اپنے پاؤں کو ہاتھوں سے دبائے لگتی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ صاحبزادی کا یہ حال دیکھ کر میں بھی متاثر ہوا۔ زجر ملعون تازیانہ لے کر صاحبزادی کے قریب آیا ڈرانے دھمکانے لگا، صاحبزادی خائف ہو کر بھاگنے لگیں۔ میں نے زجر شقی سے کہا، وائے ہو تجھ پر کیا تو دیکھتا نہیں کہ صاحبزادی کس قدر خستہ حال ہو گئی ہیں گرمی کی شدت اور پیاس سے ان کے ہونٹ منہ خشک ہو گئے ہیں اور پھر انہیں تازیانہ دکھا کر ڈراتا دھمکاتا ہے۔ صاحبزادی میرے یہ کلمات سن کر واضیعۃً و اعلیٰہ و اہبتا کہتی ہوئی میری طرف دوڑیں اور فرمانے لگیں ”میں تمہارے پیغمبرؐ کی بیٹی ہوں اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے عزیز و اقارب یعنی پھوپھی، بہنوں کو پھر ایک بار دیکھ لوں۔ میں نے صاحبزادی کو تسلی و دلاسا دیا، اطمینان دلایا کہ خوف نہ کریں اور کمال مہربانی و آرام کے

ساتھ ان کو واپس لا کر جناب زینب کے پاس پہنچا دیا۔ صاحب طراز اگر بہت اس روایت کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف اور غیر صحیح معلوم ہوتی ہے۔ عسقلان سے اہل بیت کے قافلہ کا گزرنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

ہمارے خیال میں بھی یہ روایت صحیح نہیں، پہلے تو جناب فاطمہ اس قدر کم سن نہ تھیں کہ قافلہ کی روانگی کے وقت اس طرح خاموش بیٹھی رہیں اور چھوٹ جاتیں۔ دوسرے یہ کہ عقل سلیم اس چیز کو مان نہیں سکتی کہ اس واروگیر اور پریشانی کے عالم میں بیبیاں اور بچے ادھر ادھر منتشر ہو جاتے ہوں گے بلکہ سب ایک جگہ اپنے بزرگ خاندان جناب زینب کے اطراف جمع ہو جایا کرتے ہوں گے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیا جائے کہ صاحبزادی فاطمہ زینب الحسین واقعی چھوٹ گئیں تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے کہ جناب زینب نے اس بات کو گوارا فرمایا ہو گا کہ آپ کی تلاش میں ایک اجنبی شخص کو جو مخالفین سے ہونہار و اندہ کیا جائے بلکہ خود واپس جاتیں یا اقلہ جناب فاطمہ کو روانہ فرمائیں۔ اس کا امکان بھی ہے کہ روایت کا پہلا حصہ یعنی صاحبزادی کا چھوٹ جانا صحیح ہو اور آخری حصہ میں غلطی واقع ہوئی۔ بہر حال یہ روایت کچھ زیادہ قابلِ اعتنا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بحرالصائب میں روایت ہے کہ راستہ میں ایک مقام پر جناب امام حسن علیہ السلام کی ایک صاحبزادی اونٹ پر سے گر گئیں اور جناب زینب کو پکارنے لگیں یا عمتاہ یا زینباہ (اے پھوپھی اماں اے زینب) یہ آواز سن کر جناب زینب اونٹ پر سے کود پڑیں اور دیکھا کہ صاحبزادی کو اونٹوں کے پاؤں سے صدمات پہنچے ہیں اور غشی طاری ہے تو کہتے ہوئے کہ واضیعۃً واغریبۃً واھمناشہ۔ (ہائے تنہا ہی ہائے غربت، ہائے مصیبت) صاحبزادی کو اٹھایا اور اونٹ پر سوار کیا۔

یا قوت الحموی اپنی کتاب "معجم البلدان" میں لکھتے ہیں :-

”جوشن ایک پہاڑ ہے حلب کے غربی سمت اور یہاں تانبے کی کان ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کان اس دن سے خراب ہو گئی ہے جب کہ عراق سے دشن جاتے ہوئے اہل بیت حسینی کا قافلہ اس طرف سے گذرا تھا۔ اس وقت ازواجِ حسینیٰ میں سے کوئی معطلہ حاملہ تھیں لیکن تعبِ سفر کی وجہ سے اس مقام پر اسقاط ہو گیا۔ اس بی بی نے وہاں کے لوگوں سے پانی مانگا، ان لوگوں نے نہیں دیا۔ اس پر ان مظلومہ نے بد دعا کی اس وقت سے معدن سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پہاڑ کے سامنے مزار ہے جو ”مشہد سقط“ کے نام سے مشہور ہے اور اس بچے کا نام محسن ابن حسین تھا۔“

ماخوذ از ”شہیدِ انسانیت“

”تکریب میں پہلے تو یزیدی پروسیگنڈے کی وجہ سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ کسی خارجی نے حکومت کے خلاف خروج کیا تھا یہ ان ہی کے سر ہیں جن کی تشہیر کی جا رہی ہے اور یہ قیدی بھی اس ہی کے لوگ ہیں اس لیے انہوں نے بازاروں کو سجا کر استقبال کرنا چاہا لیکن ایک عیسائی نے ان سے کہہ دیا کہ میں کو فرمیں تھا او مجھے معلوم ہوا کہ میرے تمہارے نبی کے نواسے کا ہے اور یہ ان ہی کے اہل بیت ہیں جو قید کیے گئے ہیں یہ سن کر تکریب کے مسلمان اور عیسائی یزیدیوں سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے یزیدیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو راستہ بدل دیا اور معرۃ النعمان کی طرف چل دیے۔ مقام شیرزاو قلعہ کفرطاب میں بھی مزاحمت کی گئی۔ سیپور کے لوگوں نے بھی مقابلہ کیا اور جناب ام کلثومؑ نے ان لوگوں کو ان الفاظ میں دعائے خیر دی ”خدا یا تو ان کے چشموں کو میٹھا کر، گرائی ان کے یہاں سے دور کر اور ظالموں کے شہنشاہ سے اہیں



نجات دے۔“

اباہانِ حص نے یزیدوں سے باقاعدہ جنگ کی اور چھبیس یزیدوں کو قتل کیا۔

مقامِ حران میں یحییٰ حرانی ایک عیسائی راہب نے یزیدوں سے جنگ کی اور شہید ہوا۔

یہ مختصر واقعات ہیں ان مصائب کے جو اہل بیتؑ طاہرین کو اس سفر میں پیش آئے۔ کتب تاریخ و مقاتل میں روایات کی کثرت ہے۔ منازل کے ناموں میں اختلاف ہے۔ اثنائے سفر میں جو واقعات پیش آئے ان کے متعلق بھی راویوں میں اختلاف ہے۔ اثنائے سفر میں سر مقدس سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عجرات کرامات کا صادر ہونا بھی بتایا گیا ہے۔ اب متیقن کے ساتھ بتانا مشکل ہے کہ کون سے منازل صحیح ہیں اور کون سے غلط۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ مقامات جن کے نام تواریخ میں بتائے گئے ہیں ان میں سے بعض مٹ گئے ہوں۔ اسی طرح جو راستے اس وقت اختیار کیے جاتے تھے ان میں تبدیلی ہو گئی ہو۔

کوفہ سے دمشق تک سفر کتنے روز میں طے ہوا اس کے متعلق بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات میں چالیس روز بتائے گئے ہیں جس کو صاحب طراز المذہب غیر صحیح قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں ”کیونکہ فاصلہ بین منزلوں سے زیادہ تھا اگر اتنی سرعت کے ساتھ سفر کیا جاتا کہ چالیس روز میں ختم ہو تو بیمار علی بن الحسین بینوں اور بچوں کی ہلاکت کا باعث ہوتا لیکن کوئی ہلاکت واقع نہیں ہوئی۔ سب صحیح و سلامت دمشق پہنچے اور پھر مدینہ واپس آئے۔“ ہم کو صاحب طراز المذہب کے اس خیال سے اتفاق نہیں۔ انہوں نے کچھ حسنِ ظن سے کام لیا ہے۔ ہماری نظر سے تو ایسی روایات گزری ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لشکر ابن زیاد اور خود

یزید علیہ العن کو جلد ہی بھٹی اور یہ سب اشتیاق چاہتے تھے کہ جلد تر اہل بیت دمشق پہنچ جائیں۔ اس لیے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ قافلہ کو چلایا جاتا تھا اور اس درجہ سے اہل بیت کے متعدد بچے اونٹوں پر سے گر کر جاں بحق ہوئے اور راستہ کے بازو (یعنی سر راہ) انہیں دفن کر دیا گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جن راستوں سے اہل بیت گزرے ہیں بعض مقامات پر راستوں سے متصل اہل بیت کے بچوں کی قبور پائی گئیں۔ اور پھر اس خیال سے کہ راستہ میں وہ قبائل اور شہروں کے باشندے جو دوستانہ اہل بیت ہیں مزاحمت و جنگ نہ کریں حتی الامکان ان بزرگواروں کو نامعلوم و غیر معروف راستوں سے لے گئے جو ان کے لیے باعث تکلیف و زحمت ہوا۔ کھانے پینے کی بڑی تکلیف رہی۔ گھنٹوں اہل بیت پیاسے رہتے تھے۔ ہم نے بغداد سے دمشق تک موٹر بس میں سفر کیا ہے۔ یہ فاصلہ تقریباً چھ میل کا ہے۔ اس کا نصف حصہ صحرائے لق و دق ہے جو نقشہ میں صحرائے شام کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں کوسوں تک سوائے ریت کے آب و گیاء کا ناٹم نشان نہیں۔ قطرہ آب کہیں نظر نہیں آتا۔ موٹر بس میں ایک چھوٹی ٹشکی میں پانی رکھ لیا جاتا ہے اور بڑی احتیاط کے ساتھ مسافرین کو ایک ایک گلاس وقت ضرورت دیا جاتا ہے۔ حقیر کو نماز مغرب تیمم سے ادا کرنی پڑی وضو کے لیے پانی میسر نہ آسکا اگر بعض وقت راستہ بھول کر موٹر ذرا بھی راستہ سے نکل جاتی ہے تو پھر مسافرین کو بھوک و پیاس سے ہلاک ہو جانے کے سوائے اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ایسے واقعات ہیں اور آتے رہتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ کوفہ سے دمشق تک تین روز میں سفر طے ہوا۔ یہ ایک ایسی مہمل بات ہے کہ اس کا ذکر ہی فضول و بیکار ہے۔ بقول صاحب طراز الزہبی اگر کوفہ سے دمشق تک ایک خط مستقیم قائم رکھ کر اس کے مطابق عبور کیا جاتا تو بھی ناممکن

تھا کہ یہ فاصلہ تین روز میں طے ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی جنہوں نے ایسا لکھا جاہلِ مطلق تھے جنہیں فاصلہ و وقت کا کچھ اندازہ ہی نہ تھا۔

ہمارے خیال میں یہ سفر تقریباً ایک ماہ میں طے کیا گیا ہوگا۔ ہمارے اس خیال کی تائید سہل کی اس روایت سے ہوتی ہے جو کتاب مفتاح البکار میں درج ہے۔ اس میں سہل کہتا ہے کہ کوفہ سے دمشق کو ہم بیس روز میں پہنچے۔ یاد رہے کہ یہ سہل وہی شخص ہے جو کوفہ سے اہل بیت کے قافلہ کے ساتھ ہو گیا تھا۔

کامل بھائی میں ہے کہ اہل بیت سولہ ربیع الاول کو دمشق پہنچے۔ ۸ صفر کو کوفہ سے روانہ ہونا ثابت ہے تو گویا اٹھائیس دن میں سفر ختم ہوا اور یہی قرینِ عقل اور صحیح ہے۔

\*\*\*

# باب ۳۱

## حالات و واقعات دمشق

اہل بیت دمشق کس تاریخ میں پہنچے اس سے متعلق بھی مؤرخین میں اختلاف ہے۔

تاریخ ورود دمشق

کامل بھائی میں روز چہار شنبہ سولہ ربیع الاول لکھا ہے بعض روایات کے مطابق روز چہار شنبہ ستائیس محرم طلوع آفتاب کے وقت اہل بیت اطہار دمشق پہنچے ہیں۔ تاریخ ستائیس محرم ہمارے خیال میں قطعاً غلط ہے اس لیے کہ اکثر روایات سے (جن کا مفصل ذکر اوپر کیا گیا ہے) ثابت ہوتا ہے کہ شہادت امام حسین کے بعد محرم کو عمر ابن سعد کربلا سے مع اہل بیت کوفہ کو روانہ ہوا اور اہل بیت اطہار ۸ صفر تک کوفہ کے زندان میں رہے۔ جب ابن زیاد کو مزید کا خط ملا تو اس نے ۱۷ صفر یا ۱۸ صفر کو اہل بیت کو دمشق روانہ کیا۔ اہل بیت کربلا آئے اور ۲۰ صفر تک یہاں رہے۔ مجلس غزا برپا کی اور بیس صفر کو کربلا سے روانہ ہوئے۔ محرم کی ۷ تاریخ کوفہ میں گزری ہے۔

طبرسی کی روایت ہے کہ یکم ربیع الاول کو علی الصباح اہل بیت طاہرین وارد دمشق ہوئے اور سنی اُمیہ نے اس دن یعنی یکم ربیع الاول کو یوم العید قرار دیا۔ ہمارے خیال میں سولہ ربیع الاول صحیح تاریخ معلوم ہوتی ہے اور صاحب طراز المذہب بھی اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔

طراز المذہب میں روایت ہے کہ جب ابن زیاد کی فوج اہل بیت

کو لیے ہوئے دمشق سے چار فرسخ کے فاصلہ پر پہنچی تو یہاں ٹھہر گئی اور ایک جگہ اہل بیت کو اتار دیا گیا اور شہر میں داخل ہونے کی زبید سے اجازت طلب کی گئی۔ زبید علیہ العین ایک دن مقرر کیا اور اس دن اہل بیت کو دمشق لانے کا حکم دیا جس روز اہل بیت کا دمشق میں داخلہ ہوا تو اہل یان شہر بڑے اژدہا م احتشام اور آلات لہو و لعب و افسق و مجور کے ساتھ شادمان و خرمان، اہل بیت رسول کا تماشا دیکھنے جمع ہوئے، البتہ چند عاقل و غیور لوگوں نے اہل بیت اطہار، عترت رسول، دختران حیدر کرار کی حالت زار پر نالہ و گریہ کیا لکھا کہ اہل شہر اہل بیت پر ٹوٹ پڑے تھے۔ بچوں اور بیبیوں کو کھانے کی چیزیں دیتے تھے اور جناب زینب ان لوگوں کو دوڑ کرتیں اور صدقہ دینے سے روکتی تھیں اور فرماتی تھیں: **و يحكم ايها القوم انظالمون اما تستحيون من الله العظيم ولا تخافون** (افسوس ہے تم پر اے قوم ظالمین، کیا تم خدا سے شرماتے اور ڈرتے نہیں۔؟)

کتب اخبار میں ہے کہ جب اہل بیت شہر دمشق میں داخل ہونے لگے تو جناب زینب اور بروایت جناب ام کلثوم نے شمر ملعون سے فرمایا:

اذا دخلت بنا البلد فاحملنا في درب قليل النظارة و تقدم اليهم و قل ان يخرجوا بهذه الرؤس من بين المحامل و ينحوها عنا فقد خزيينا من كثرة النظر اليينا و نحن في هذه الحالة۔ (جب ہم کو شہر میں داخل کیا جائے تو الیہ دروازہ سے لے چل جہاں لوگوں کا ہجوم کم ہو اور ان لوگوں سے کہہ دے کہ سر ہائے شہداء و محمول سے دور لے جائیں۔ لوگوں کے ہم کو دیکھنے سے ہم بہت کچھ رسوا ہو چکے ہیں اور ہماری حالت ایسی ہے) شمر ملعون نے اس ارشاد کی پروا نہیں کی اس کے برخلاف عمل کیا اور

ایسے دروازہ سے داخل کیا جہاں مجمع کثیر تھا اور سرہانے شہدار کو محلوں سے اور قریب کرا دیا۔

خدا کی عجیب قدرت ہے کہ اب دمشق میں یزید پلید کے محلات کا پتہ بھی نہیں ہے ان کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی۔ البتہ وہ مقامات بتائے جاتے ہیں جہاں اس کے محلات تھے۔ وہاں اب اہل شہر کے مکانات وغیرہ ہیں لیکن وہ آہنی دروازہ جس میں سے اہل بیت داخل ہوئے تھے اب تک موجود ہے جو باب الداخلہ کہا جاتا ہے اور اہل شہر کہتے ہیں کہ یہ اسی وقت کا دروازہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امراء الشہادۃ میں سہل کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لوگ باب الخیزان پر جمع تھے اور میں بھی وہاں کھڑا تھا ناگاہ دیکھا کہ اٹھارہ سرفیروں پر بلند نمایاں ہوئے۔ انہوں کی ننگی پیٹوں پر اہل بیت رسولؐ سوار تھے۔ جس نیزہ پر سر مبارک امام حسینؑ تھا وہ نیزہ شترقی اٹھائے ہوئے تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ انا صاحب الرحم الطویل انا صاحب الدین انا قتلت ابن سید الوصیین و اتیت الی یزید امیر المؤمنین۔ (میں طویل نیزہ رکھے والا ہوں میں دین حق پر ہوں میں نے قتل کیا ہے سید الوصیین کے بیٹے کو اور ان کا سر لایا ہوں۔ یزید امیر المؤمنین کے پاس۔) جناب ام کلثومؑ نے شمر کا یہ کلام سُن اس شقی سے کہا۔ کذبت یا لعین ابن لعین الا لعنة الله علی قوم الظالمین یا ویدک تفتخر علی یزید الملعون ابن الملعون بقتل من ناغاه جبرئیل ومیکائیل ومن اسمه مکتوب علی سوادق عرش رب العالمین ومن ختم الله نبوته بمحمدؐ سید المرسلین وقمع بایہ مواد المشرکین

فمن این مثل جدی محمد المصطفیٰ و ابی علی المرتضیٰ و  
 اُمّی فاطمہ الزہرا صلوات اللہ اجمعین (اے لعین پسر لعین تو جھوٹا ہے  
 اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔ وائے ہو تجھ پر تو زید ملعون پر فخر و ناز کرتا ہے حالانکہ  
 تو ایسی مقدس ہستی کے قتل کا مرتکب ہوا ہے جس کا جھولا جبریل و میکائیل ہلاتے  
 تھے اور جن کا اسم گرامی سر اداق عرش پر لکھا ہوا ہے جن کے نانہا پر نبوت و رسالت  
 ختم ہو گئی۔ جن کے پدربزرگوار نے مشرکین کا قلع قمع کیا۔ کہاں ہے کوئی مثل میرے  
 نانہا محمد مصطفیٰ، میرے باپ علی مرتضیٰ، میری ماں فاطمہ الزہرا، کے۔ اللہ کی صلوٰۃ  
 و درود ہوا ان سب پر)

سہل کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا ایک نصرانی (عیسائی) دوست  
 جمع میں اس وقت میرے ساتھ جو بیت المقدس جانے کے لیے دمشق آیا تھا اور  
 رہنے زیر جامہ کے نیچے تلوار حامل کیے تھا۔ خدا نے اس کے دل کی آنکھوں میں  
 بصیرت و روشنی عطا کی۔ جب اُس نے سر مقدس حضرت سید الشہداء سے نورِ ساحل  
 دیکھا اور آپ کو یہ آیت وَكَأْتَحْسِبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ  
 الظَّالِمُونَ۔ (تم یہ مت گمان کرو کہ خدا غافل ہے ظالموں کے افعال و  
 کردار سے۔) تلاوت فرماتے سنا تو بیساختہ کلمہ شہادتین اس کی زبان سے جاری  
 ہوا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ  
 اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اور تلوار کھینچ کر قومِ اشقیاء  
 پر حملہ کر دیا اور ملائین کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کو گھیر کر شہید  
 کر دیا۔ جناب اُم کلثومؓ نے مجھ سے شور و غل کی وجہ دریافت فرمائی تو میں نے  
 واقعہ بیان کیا اس پر آپ نے فرمایا۔ وَاعْجَبَا النَّصَارَىٰ بِمُحْتَشَمُونَ  
 الدِّينِ الْاِسْلَامِ وَامَّةُ مُحَمَّدٍ الدِّينِ يَزْعُمُونَ عَلٰی دِین

محمّد یقتلون اولادہ و لیستون حریۃ، ولكن العاقبة للمتقين و ما ظلمونا ولكن انما انفسهم یظلمون (مقام حیرت و تعجب ہے کہ عیسائی تو دین اسلام کی عزت و حرمت کریں لیکن اُمت محمدی جو خود کو دین و آئین محمدؐ کی پرستھتی ہے، اُن کی اولاد کو قتل کرتی اور اُن کے اہلِ حرم کو قید کرتی ہے لیکن نیک انجام متقین کے لیے ہے۔ ان لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔) تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کا صرف اُسی وقت یہ رنگ نہیں تھا بلکہ ہر قرن و ہر دور میں بکثرت ایسے مسلمان پائے گئے اور اب بھی پائے جاتے ہیں جو اُشہد ان محمدؐ رسول اللہؐ تو کہتے ہیں لیکن محمدؐ کی آلؐ سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔

منہال میں عمر کی روایت ہے وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے دمشق میں دیکھا کہ سر مبارک امام حسینؑ نیزہ پر لے جا رہے تھے ایک شخص آپؑ کے سر مبارک کے آگے سورہ کہف پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا اَمْرٌ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا۔ (کیا تم گمان کرتے ہو اے رسولؐ کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری عجیب و غریب آیات (نشانیوں) ہیں) تو اُس وقت بیہائے مبارک حضرت سید الشہداءؑ متحرک ہوئے اور آپؐ نے فرمایا امری اعجب منہا (میرا معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے)۔

بحر المصائب میں روایت ہے کہ جب اہل بیتؑ اطہار دمشق میں داخل ہوئے تو جناب زینب علیہا السلام نے فقہ کے ذریعہ شمر شرقی کو طلب کیا اور حضرت عباسؑ کی قربت کا جو آپؑ کی والدہ کی طرف سے تھا، واسطہ دے کر فرمایا کہ وہ اشقیاء کو منع کرے کہ جناب امام زین العابدینؑ کو زرد کوہ نہ کریں کیونکہ آپؑ علیل ہیں اور یہ کہ سید اقدس سید الشہداء علیہ السلام کو آپؑ کی محل سے دُور کر دیں اس لیے کہ جبراً



سکینہ بنت الحسینؑ سر مبارک کو دیکھ کر بہت روتی ہیں۔ قریب ہے کہ رو رو کر ہلاک ہو جائیں شمر ملعون نے آپ کے اس ارشاد کی تعمیل سے انکار کیا۔ جناب زینبؑ نے گریہ فرمایا اور اپنا سر اس زور سے چوب محل پر دے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ صاحب طراز المذہب یہ روایت لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ جناب زینبؑ کی شان اس سے کہیں اعلیٰ وارفع تھی کہ شمر ملعون جیسے سنگدل، ظالم و کافر کو حضرت عباسؑ کی قرابت کا واسطہ دیتیں اور اس سے مراعات و رعایت کی طالب ہوتیں۔ اس دشمن خدا اور رسولؐ کی شقاوت اور عداوت سے آپؑ بخوبی واقف تھیں اور جانتی تھیں کہ اس شقی سے کبھی بھی رعایت اور مروت کی توقع کرنا بیکار ہے۔ جناب زینبؑ کا چوب محل سے سرفے مارنا بھی خلاف عقل و قیاس ہے۔

صاحب طراز المذہب کی رائے سے ہم کو اتفاق ہے۔ یہ روایت موضوعہ اور مخالفین اہل بیتؑ کی وضع کردہ ہے جو شیعہ کتب خانہ داخل ہو گئی۔ جناب عباسؑ کی شمر سے قرابت اور رشتہ داری کا مسئلہ بھی جھوٹ اور من گھڑت ہے۔ ممکن ہے کہ اس روایت کا صرف یہ حصہ کہ جناب سکینہؑ سلام اللہ علیہا کی بیکراری اور شدت گریہ زاری سے متاثر ہو کر جناب زینبؑ نے شمر ملعون سے فرمایا ہو کہ سر اقدس حضرت سید الشہداءؑ آپ کے اونٹ سے دور رکھے دوسرے واقعات کا راوی نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا یا مرور ایام کی وجہ سے اصل روایت میں داخل ہو گئے۔ مقاتل اور تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ نے بلاؤں و مصائب کو بڑے صبر و استقلال کے ساتھ برداشت فرمایا ہے اور حتیٰ الوسع سکوت و سکینہ و وقار سے کام لیا۔ بہت کم کلام فرماتی تھیں اور شکوہ شکایت سے احتراز فرماتی تھیں۔

بروایت شیخ صدوق اور ابن بابویہ جناب فاطمہ سے منقول ہے کہ جب یزید کو اہل بیت کے دمشق میں پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو اس مردود نے حکم دیا کہ سب کو ایک ایسے مکان میں رکھا جائے جو مستقف نہ ہوتا کہ دھوپ سردی سے محفوظ نہ رہے۔ یزید نے بن الفاظ میں یہ حکم دیا تھا وہ قابل ذکر ہیں اس لیے کہ ان سے اس شقی ازلی کی خاندان رسولؐ سے شدید عداوت اور اس کی انتقامی اسپرٹ (جذبہ انتقام) ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مظلوم اہل بیت کے لیے ایک دقیقہ کے لیے بھی اس کے دل میں رحم پیدا نہیں ہوا۔ الفاظ یہ ہیں :- لَا يَكْفِيهِنَّ مِنْ حَرٍّ وَلَا يَقِيَهُنَّ مَرَدٌ حَتَّى تَقْشَعِرَ وَجُوهُهُنَّ۔

(ایسے بے سایہ مکان میں رکھا جائے کہ دھوپ کی تپش اور سردی کے اثر سے محفوظ نہ رہیں یہاں تک کہ ان کے چہروں کی کھال نکل آئے۔)

میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس خرابہ کی تصویر اپنے الفاظ میں یوں کھینچی ہے :- کہتے ہیں :-

کیجے شکستگی خرابے کا کیا بیاں      ثابت نہ جس میں سقفت نہ در نہ سائبان  
وحشت کا گھر ہر اس کی جا خوف کا مکاں      وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الامان

ظلمت کدائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا

حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گزر نہ تھا

فاضل کاشفی لکھتے ہیں کہ بروایت، آل رسولؐ کو صبح کے وقت دمشق میں داخل کیا گیا اس لیے کہ بالعموم صبح میں اہل شہر کا ہجوم زیادہ ہوتا تھا اہل بیت کو تمام دن شہر میں گشت کرایا گیا اور قریب غروب آفتاب یعنی سر مغرب بزرگوار یزید کی محل سرا کے قریب لائے گئے چونکہ ان بزرگواروں کو اس وقت اس

ملعون کے پاس لے جانا ممکن نہ تھا اس لیے ایک خرابہ میں رات کو ٹھہر آئے گئے۔ یہ خرابہ اب تک شہر دمشق میں ہے۔ جناب سکیئہ کی ضریح اسی سے متصل کمرہ میں ہے۔ جو زوار جناب سکیئہ کی زیارت کرتے ہیں تو اس خرابہ میں بھی جاتے اور آہ و بکا کرتے ہیں۔

”دمشق کم و بیش تیس ہینتیس برس سے بنی اُمیہ کا مرکز حکومت اور موجودہ بادشاہ (یزید) کا پایہ تخت تھا جس میں مختلف نسل اور مختلف مذہب کے لوگ بہ کثرت آباد تھے اور گویا غیرت مند مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم افراد کی ایک کافی تعداد بھی نہی عربی کی اولاد اور ذریت کی اس در بدری اور برہنہ سری کا مشاہدہ کرنے کے لیے موجود تھی شہر کی دکانیں بند تھیں اور دربار کے لیے اذن عام تھا۔ قوت، امارت اور شان و شوکت کا انتہائی مظاہرہ کیا گیا تھا۔ شہر کے پہلے دروازہ سے یہ قافلہ داخل کیا گیا تھا اور اس دروازہ کے پاس جو درباریٹ ہی سے قریب تھا روک دیا گیا۔ وہاں کافی دیر ٹھہرائے جانے کے بعد اسے اذن حضوری ملا۔

(ماخوذ از ثنائی زہرا)

صاحب ”شہید النسائیت“ لکھتے ہیں :-

جس دن اہل حرم کا قافلہ دمشق میں داخل ہوا ہے اس دن وہاں کے بازار خاص اہتمام سے سجائے

گئے تھے۔ تمام شہر میں آئینہ بندی کی گئی تھی۔ فتح کے شادیاں بچائے جا رہے تھے۔ ہر طرف جنگ و رہاب کی آوازیں آرہی تھیں۔ لباسِ عید سے لوگ آراستہ ہو رہے تھے۔ نووارد تو دیکھ کر سمجھتے تھے کہ شامیوں کی آج کوئی خاص عید ہے۔ مجمع کی کثرت تھی کہ باوجود اس کے آفتاب نکلنے کے ساتھ ہی اسیرانِ آلِ محمد دمشق میں داخل کیے گئے تھے لیکن زوال کے وقت تک دربارِ نذیر میں پہنچ سکے تھے جس وقت یہ قافلہ بازار سے گزر رہا تھا ابراہیم بن طلحہ (جنگِ جبل کے ایک مشہور افسر طلحہ کے فرزند) نے حضرت سجادؓ سے طنزاً پوچھا ”اے فرزندِ حسین کس کو فتح ہوئی؟“ حضرت نے جواب میں فرمایا ”تم کو اگر معلوم کرنا ہے کہ کس کو فتح ہوئی تو جب نماز کا وقت آئے اور اذان و اقامت کہنا، اس وقت معلوم کر لینا کہ کس کو فتح ہوئی۔“

اس مسئلہ پر کہ جب اہلِ بیتؑ اطہار و مشق میں داخل ہوئے تو شتر ہائے کجاہ پر بے نقاب تھے یا نہیں۔ صاحبِ طراز المذہب نے تفصیلی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ ”صاحبانِ عقل و دانش کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو روایات ہیں کہ اہلِ بیتؑ بے پردہ کھلے چہروں کے ساتھ دمشق میں لائے گئے تو ہمارا خیال یہ ہے کہ یقیناً جنابِ زینبؑ، جنابِ ام کلثومؑ اور دوسری مخدراتِ عصمتؑ طہارت کے ساتھ ایسا نہ کیا گیا ہوگا بلکہ جیسا کہ ہم نے کہیں اور اشارہ کیا ہے، یہ مخدراتِ محمول میں پس پردہ ہوں گی۔ بعض روایات میں اس کی تصریح بھی ہے۔ اگر کھلمنہ اور بے پردہ تھے

تو کس لوگیاں اصحاب انصار کی بیبیاں اور کنیزیں تھیں۔ رسول اللہ کی بیٹیوں اور خدواتِ طہارت کو دوسری عورتوں کے موافق نہ سمجھنا چاہیے۔ بے دینوں اور خائنوں کی آنکھیں ان کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ اشقیاء کی مجال نہ تھی کہ ناموس نبیؐ پر نظر ڈال سکتے۔ شعاع آفتاب کی روشنی کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن خود آفتاب کو نہیں دیکھا جاسکتا اس لیے کہ آفتاب کو دیکھنے سے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ بینائی زائل ہو جاتی ہے۔ اہل بیت طاہرین کی شعاعوں سے زمین و آسمان منور تھے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا نہ کہ خود ان کا دیدار ممکن تھا۔ آیتِ تطہیر اس کی دلیل ہے۔ سہل کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے واللہ ما نظر الیکم بریۃ (خدا کی قسم نہیں دیکھا تم کو اے اہل بیت لوگوں میں سے کسی نے بھی) یہ صاحبِ طراز المذہب کی رائے ہے لیکن یہیں اس سے اتفاق نہیں ہے اس لیے کہ متعدد روایات اس کے خلاف ہیں۔

اسمعیل سکیئہ حیدرہ باطنیہ آباد

جلال العینین فی سیرت علی ابن الحسین میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ یعنی ”امام زین العابدین“ نے فرمایا کہ جب ہم کو یزید ملید کے پاس شام لے جا رہے تھے تو مجھے شتر برہنہ پر سوار کیا تھا اور سب اہل بیت شترانِ برہنہ پر سوار میرے پیچھے تھے۔ میرے پدر بزرگوار کا سر مقدس نیزہ پر بند میرے اونٹ کے سامنے تھا اور ان کافروں نے ہمارے گرد حلقہ بنا رکھا تھا اور ہم میں سے جس کسی کی آنکھ سے آنسو رواں ہوتے دیکھتے تھے تو نیزہ سر پر مارتے تھے۔ بایں حال ہم دمشق پہنچے۔ جب ہم شہر میں داخل ہوئے تو ایک ملعون ندادے رہا تھا کہ یہ ملا عین اسیرانِ اہل بیت رسولؐ ہیں۔ (معاذ اللہ)

کیفیت داخلِ اہل بیت مجلسِ یزید علیہ العین | اہل بیت کے یزید کی مجلسوں میں آنے کے متعلق

تواریخ و مقاتل میں مختلف اور متضاد روایتیں پائی جاتی ہیں اور جو مکالمات ہوئے اس میں بھی اختلاف ہے۔ مختلف روایات کے دیکھنے اور جانچنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کا داخلہ مجلس یزید میں ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ اثنائے قیام دمشق میں ان بزرگواروں کو یزید نے متعدد دفعہ اپنی مجلسوں میں طلب کیا۔ کبھی عام مجلس میں تو کبھی خاص ایسی مجلس میں جہاں وہ اور اس کے چند اعزاء اور صاحبین خاص ہوتے تھے۔ اہل بیتؑ اور یزید کے درمیان جو مکالمات ہوئے وہ بھی ان مختلف ملاقاتوں میں ہوئے نہ کہ ایک دفعہ ایک ہی ملاقات میں۔ اکثر کتب میں واقعات اور مکالمات اس پہلو سے لکھ دیے گئے ہیں گویا کہ ایک ہی موقع پر سب گزرے ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ ابی مخنف نے بھی یہی غلطی کی ہے کہ سب واقعات شروع سے آخر تک بیان کر دیے اور تعین نہیں کیا کہ کون سا واقعہ کب اور کس مجلس میں پیش آیا اور کون سی گفتگو کب ہوئی۔ اب ہم چند روایات درج کرتے ہیں۔

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حوالہ دمشق میں یزید کی ایک نزہت گاہ تھی جہاں یہ سیر و تفریح عیش و سرور کے لیے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ حمودی کہتا ہے کہ اس تفریح گاہ میں ایک ہال (وسیع کمرہ) تھا جو مستطیل و مسقف متعدد ستونوں پر کھڑا تھا اور اس کے اطراف پختہ عمارتیں تھیں۔ جب یزید کو اہل بیتؑ کے دمشق پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اسی ہال میں دربار منعقد کیا اور اہل بیتؑ کو وہاں لانے کا حکم دیا۔ جب اہل بیتؑ دربار میں آئے اور یزید پلیدان بزرگواروں اور سرہائے شہر کو دیکھا تو اس نے اشعار ذیل پڑھے۔

لما بدت تلك الخيول واشتوت      تلك الشمس على رباحيرون  
لغب الغراب فقلت صح اولئصح      فلقد قضيت من العزيم دليوني  
ترجمہ :- جب وہ سوار نظر آئے اور آفتاب جیرون کی پہاڑی پر چمکا تو کو

پکارنے لگا۔ میں نے اس کو کہا تو پکارا نہ پکارا میں نے تو قرض قرضداروں سے وصول کر لیا۔

نوٹ :- ایامِ جہالت میں عرب پرندوں کی بولیوں اور اُن کی نقل و حرکت سے فال لیا کرتے تھے اس لیے کوئے کے پکارنے کا ذکر شعر میں ہے۔ کوئے کا پکارنا بدشگونی اور فال بد سمجھا جاتا تھا اور اس کے پکارنے کو گھر اور وطن سے جدائی کی علامت سمجھتے تھے۔

جب یزید نے یہ اشعار پڑھے تو حاضرین نے اس کو بُرا بھلا کہا اور اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

بعض کتب اخبار میں جناب امام زین العابدینؑ سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

لما وفدنا الی یزید بن معاویۃ التونا بحبال و ربقونا  
کالاغنام و کان الحبل فی عنقی و عنق امر کلثوم و بکتف زینب و  
سکینہ و البنات و کلاما قصرنا عن المشی ضر یونا حتی اذ ققونا بین  
یعدی یزید و هو علی اسریر مملکتہ۔ (جب ہم کو یزید بن معاویہ کے  
دربار میں لے چلے تو اشتیاء نے ہم کو رسیوں سے کس کر باندھ دیا جیسے بھڑ بکروں کو  
باندھتے ہیں۔ میرے گلے میں اور پھوپھی ام کلثوم کے گلے میں رسی تھی۔ پھوپھی زینب سکینہ  
اور دوسری بیبیوں کے بازوؤں پر رسی بندھی ہوئی تھی۔ ہم کو تیزی اور سرعت کے ساتھ  
ہانکا جاتا تھا۔ ہم میں سے کسی کی چال ذرا بھی دھیمی اور سُست ہو جاتی یا کوئی ٹنک  
کر ٹھہر جاتا تو کوڑے مارتے تھے یہاں تک کہ ہم یزید کے سامنے پہنچے اور وہ اپنے  
تخت شاہی پر بیٹھا تھا۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام زین العابدینؑ اور جناب ام کلثومؑ





تو بے حد مسرور ہوا اور دندانِ مبارک کو چھڑی سے اذیت پہنچاتا اور کہتا تھا  
لَقِيتْ بَعِيْكَ يَا حَسِيْنُ (تم نے بغاوت کی سزا بھگتی اے حسین۔)

بحر المصائب اور مفتاح البکاء میں روایت ہے کہ اسیرانِ اہل بیت جو  
در بارِ یزید میں لائے گئے تھے ان کی جملہ تعداد چوبیس تھی۔ جب اہل بیت دربار  
میں داخل ہوئے اور سر ہائے شہداء کو دیکھا تو سب نے وا محمداً وا علیہا  
کہہ کر نالہ و فریاد بلند کیا اور جناب اُم کلثومؓ نے یزید سے کہا یا یزید امانتِ نبوی  
قد تحذرن حرمی فی الخدم واشتہرت بنات رسول اللہ

(اے یزید کیا تجھے شرم و حیا نہیں آتی کہ تو نے اپنی عورتوں کو تو پس پردہ رکھا ہے اور  
رسول اللہ کی بیٹیوں کی اس طرح تشہیر کر رہا ہے۔) بعض کتب میں ہے کہ یہ الفاظ  
جناب زینبؓ نے ارشاد فرمائے تھے بعض علماء کا قول ہے کہ جناب زینبؓ اور  
اُم کلثومؓ دو علیحدہ شخصیتیں نہیں تھیں بلکہ جناب زینبؓ کی کنیت اُم کلثومؓ تھی  
اور کتب میں بعض جگہ زینبؓ لکھا گیا اور بعض وقت آپ کی کنیت لکھ دی گئی۔

کامل بھائی میں روایت ہے کہ یزید علیہ لعن والعذاب نے سراقہؓ جناب  
سید الشہداء سے بیچے ادبی کی یعنی آپ کے سرِ مطہر پر پاؤں رکھا اور یزید بن ارم  
نے اس کو اس فعل پر بہت ملامت کی۔ ہمارے خیال میں روایت صحیح نہیں۔ یزید  
پلید کی مجال نہ تھی کہ ایسا کرتا۔

ناسخ التواریخ میں ہے کہ جب پہلی دفعہ اہل بیت اطہار دربارِ یزید میں  
لائے گئے تو سب ایستادہ تھے۔ ایک لال بال ولے شامی نے جناب فاطمہؓ کو  
بنت الحسینؓ کو بتا کر یزید سے درخواست کی کہ آپ کو اس شقی کو دے دیا جائے یہ  
سن کر جناب فاطمہؓ کانپنے لگیں اور جناب زینبؓ کا دامن تھام کر عرض کیا ”پھوپھی  
اماں میں یتیم ہو گئی اور اب کنیز ہوتی ہوں“ جناب زینبؓ نے اُس شامی کو طع

فرما کر کہا تو جھوٹا ہے اگر تو میری جگہ لے تو اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور نہ یزید کی مجال ہے کہ اس لڑکی کو تجھے دے۔ یزید نے جب یہ سنا تو جناب زینب سے کہا کہ ذبّ واللہ ان ذالک لی ولوشئت افعل لفعلت (خدا کی قسم تم جھوٹی ہو۔ یہ میرا اختیار ہی معاملہ ہے اگر میں چاہوں تو ابھی اس کو کر دکھاؤں۔) جناب زینب نے فرمایا عَلَّا واللہ لن نتجعل ذالک اِلَّا ان تخرج من مملتنا و تدین بغیرھا۔ (حاشا و کلا تو ایسا نہیں کر سکتا مگر ہاں اُس وقت جبکہ تو ہماری ملت و دین کو چھوڑ کر دوسرا کوئی دین اختیار کرے۔) یزید نے اس کے جواب میں کہا کہ ذبّ یا عدد واللہ رجھوٹ کہتی ہو اے دشمنِ خدا۔) جناب زینب نے بکمالِ حلم و صبر فرمایا۔ اَنْتِ تشتم ظالما و تقهر سلطانا۔ (تو حاکم ہے اور دشنام دے کر اپنے ظلم اور سلطانی قہر کا مظاہرہ کرتا ہے۔) آپ کا یہ کلام سن کر یزید شرمندہ ہوا اور خاموش ہو گیا۔ جب جناب زینب اور یزید کی گفتگو ختم ہو گئی تو اس شامی نے پھر یزید سے وہی درخواست کی۔ یزید جو بیچ و تاب کھاتے بیٹھا تھا غصّہ میں آ گیا اور کہا ”خدا تجھے ہلاک کرے“ اور ہولے مردود، جناب اُمّ کلثوم نے اس ملعون کو کہا خاموش ہو اے فرومایہ گستاخ۔ خدا تیری زبان قطع کرے۔ تیری آنکھیں اندھی کرے۔ تیرے دونوں ہاتھ خشک کرے اور آتشِ جہنم تیرا مقام قرار دے اے مردود انبیاء کی اولاد حرام زادوں کی باندی غلام نہیں ہو سکتی۔ راوی کہتا ہے کہ ادھر جناب اُمّ کلثوم کا کلام ختم ہوا کہ اس شقی کے ہاتھ خشک ہو گئے اس پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ مرکزِ زمین پر گر گیا۔ ابن اثیر نے تاریخِ کامل میں یہ روایت بیان کی ہے لیکن الفاظ میں کسی قدر اختلاف ہے۔

سید بن طاووس علیہ الرحمۃ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے لیکن لکھتے ہیں کہ مرد شامی جناب فاطمہ کبریٰ سے ناواقف تھا اور آپ کے متعلق یزید سے دریافت

کیا اور جب یزید نے کہا کہ یہ فاطمہ بنت الحسین ہیں تو پشیمان ہوا۔ یزید کو ملامت کیا اور کہا کہ افسوس تو نے ذریتِ پیغمبر کو قید کیا ہے میں سمجھتا تھا کہ یہ اسرائی روم ہیں یزید اس مرد شامی کی اس تقریر سے برا لگنے لگا ہوا اور اس کو قتل کرا دیا۔

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ جب اہل بیت اطہار داخل دربار ہوئے تو دیکھا کہ یزید کی عورتیں تماشہ بینی کے لیے پس پردہ بیٹھی ہیں اور سر مبارک حضرت سید الشہداء طہریت زریں میں اس کے تخت کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ جناب فاطمہ کبریٰ اور جناب سکینہ نے چاہا کہ سر مبارک کو لیں، لیکن انہیں اس کی اجازت نہ ملی۔ ان صاحبزادیوں اور بیبیوں نے نوحہ و مذہر کیا اور ان سب کی آہ و زاری سن کر دخترانِ معاویہ بھی رونے لگیں۔ جناب زینب، جناب ام کلثوم اور امام زین العابدین سے یزید نے گفتگو کی اور جب مجلسِ برخاست ہوئی تو اہل بیت یزید کے امکان میں سے ایک مکان میں مقید کر دیے گئے کسی کو اجازت نہیں تھی کہ ان سے ملاقات کرے۔ ابن اثیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک مخصوص مکان میں رکھا تھا اور ان سے کمالِ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا تھا۔ امام زین العابدین کو صبح و شام کھانے کے وقت شریک رکھتا تھا۔ اور جب تک آپ نہ آجاتے کھانا شروع نہ کرتا تھا۔ اور یہ کہ جناب سکینہ نے یزید کے متعلق فرمایا۔ "ارأیت کافراً بالله خیر من یزید بن معاویہ" (میں نے نہیں دیکھا میں نے کوئی کافر یزید سے نیک تر) اور یہ کہ جناب زینب نے یزید سے کہا کہ "تو نے ہدایت پائی" ہمارے خیال میں یہ سب باتیں لغو و مہمل اور موضوعہ ہیں۔ یزید کے اخلاق و عادات اس کے دین و ایمان کی حالت معلوم ہو جانے کے بعد اس سے رحم و کرم اور اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اگر یزید نے امام حسین کو شہید کرنے کے بعد راہِ ہدایت اختیار کی ہوتی

تو پھر مکہ و مدینہ کی تباہی اور بربادی کے واقعات کیوں پیش آتے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یزید کی حکومت کا قلیل زمانہ اسلام سوز کارروائیوں میں گذر اور اپنی ان حرکات سے کسی وقت بھی وہ ایک لمحہ کے لیے بھی پشیمان نہیں ہوا۔

اب یہ سوال کہ ایسی مہمل و بے سروپا باتیں و روایتیں کیوں کتب سیر و تاریخ میں داخل ہو گئیں؟ اس کا سیدھا صاف جواب یہ ہے کہ سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس کے دورِ حکومت میں صدیوں اس بات کی منظم کوششیں کی گئیں کہ ائمہ معصومین اہل بیتِ طاہرین کے حالات اور واقعات، فضائل مناقب کو مخفی کیا جائے اور دنیا سے مٹا دیا جائے۔ ہزاروں حدیثیں ایسی موضوع کی گئیں کہ جن سے ان مقدس ہستیوں کے حقیقی اور صحیح حالات پر پردہ پڑ جائے اور صرف ایسے واقعات اور حالات بیان کیے جائیں جن سے ان کی توہین اور منقصت ہو۔ اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انواع و اقسام کے بے بنیاد لغو روایتیں وجود میں آئیں اور مورخین نے (خصوصاً وہ مورخین جن کو اہل بیتِ اطہار سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی) بلاغور و فکر تحقیق و تفتیش ان روایات کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور تدریجاً یہ شیعہ مورخین اور مصنفین کی کتابوں میں داخل ہو گئیں۔ اب یہ باخبر علماء و فضلاء و محققین و مبصرین کا فرض ہے کہ تحقیق و تنقید کے ذریعہ حقائق پر روشنی ڈالیں اور عامۃ المسلمین و مومنین کو گمراہی سے بچائیں۔

علامہ سبط ابن جوزی نے اپنے تذکرہ میں یہ روایت لکھی ہے کہ جب اہلبیت دربارِ یزید میں آئے تو ایک مرد شامی کی نظر جنابِ فاطمہ کے چہرہ پر پڑی اور آپ کا چہرہ درخشاں تھا اور آپ پاکیزہ و روتھیں۔ اس نے یزید سے درخواست کی کہ آپ کو اس کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ آپ سے عقد کرے۔ اگر ابن جوزی کی یہ روایت صحیح ہو تو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اہل بیتِ اطہار دربارِ یزید میں بے نقاب

لائے گئے تھے۔ ورنہ مردِ شامی کیونکر آپ کو دیکھ سکتا تھا اور آپ کے لیے یزید سے درخواست کرتا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے کتاب ”امالی“ میں مردِ شامی کی روایت بھی ہے لیکن اس میں فاطمہ بنت الحسین کے بجائے فاطمہ بنت علی امیر المومنین تحریر فرمایا ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ”الارشاد“ میں فاطمہ بنت الحسین لکھا ہے اور جناب زینب اور یزید کی گفتگو تقریباً وہی لکھی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

بحر المصابی میں کتاب دمعۃ الساکبہ اور کتاب الوار النعمانیہ سے روایت بھی ہے کہ یزید کی مجلس میں جناب سکینہ بنت الحسین اور یزید کے درمیان گفتگو ہوئی جناب سکینہ کی بلاغت و حلاوتِ مقال کو سن کر ایک شخص قبیلہ بنی لحم کا اپنی کرسی سے اٹھا اور یزید کے سامنے آکر کہا اے امیر المومنین مجھے یہ لڑکی بطور غنیمت عطا کر تاکہ میں اس کو اپنی خادمہ قرار دوں۔ جناب سکینہ نے جب یہ سنا تو جناب زینب سے لپٹ گئیں اور کہا اتریں نسل رسول اللہ یکوون ممالیث لادعیاء (اے بھوپتی اماں آپ دیکھتی ہیں کہ اب رسول اللہ کی اولاد باندی غلام ہوتے ہیں۔) الیٰ اخر الخبر۔

بروایت ابی مخنف جب اہل بیت دربارِ یزید میں داخل ہوئے تو وہ شقی کچھ دیر تک سر نیچے کیے بیٹھا رہا پھر سر اٹھایا اور جناب ام کلثوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے دیکھا کہ ”خدا نے مجھے کسی فتح دی۔“ جناب ام کلثوم نے جواب دیا۔ یا ابن الطلیق اعرض عن هذا ارض الله فاك يا ويلك يا ملعون هذه امارك ونسائك وراء السطور علیہن الخدور وبنات الرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ علی الاقتاب لبعیر وطاء ینظر الیہن البر والفاجر ویصدق علیہن الیہود والنصارى

ترجمہ :- اے آزاد کردہ کے بیٹے تو ایسی باتیں نہ کر۔ خدا تیرا منہ توڑے۔ افسوس ہے مجھ پر اے ملعون کہ تیری عورتیں اور کنیزیں تو اس مجلس میں پس پردہ رہیں اور رسول اللہ کی بیٹیاں شتران بے کجاوہ پر بٹھائی جائیں اور اس طرح دربار عام میں بے پردہ لائی جائیں کہ اچھے بُرے لوگ انہیں دیکھیں اور یہود و نصاریٰ صدقات دیں۔

یزید جناب اُم کلثوم کا یہ کلام سُن کر غضبناک ہوا۔ عبد اللہ بن عمر بن عباس جو اس کے قریب بیٹھا تھا اس پر غصہ کے آثار پکڑ خائف ہوا کہ کہیں یہ شقی (یزید) جناب معصومہ کے قتل کا حکم نہ دے اس لیے اٹھا اور یزید کے سر کا بوسہ لے کر کہا کہ اے یزید اس بی بی نے جو کچھ کہا وہ کوئی ایسا کلام نہیں کہ مواخذہ کیا جائے اور پھر وہ ایک ستم رسیدہ، دل شکستہ عورت ہے۔ عبد اللہ کی اس گفتگو سے یزید کا غصہ فرو ہوا اور وہ کچھ نہ بولا۔

ابی مخنف نے اکثر مقامات پر جناب اُم کلثوم کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مقابل میں جو ارشادات اور ملفوظات جناب اُم کلثوم کے بتائے گئے ہیں وہ دوسرے کتب سیرہ مقابل میں جناب زینب سے منسوب ہیں مثلاً اسی روایت میں جو کلام درج ہے وہ دوسری کتب میں جناب زینب کا بتایا گیا ہے نہ کہ جناب اُم کلثوم کا۔ ابی مخنف نے جو ایسا کیا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ بھی جناب زینب و اُم کلثوم کو ایک ہی سمجھتے تھے اس لیے اکثر ارشادات و ملفوظات کو آپ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن درغوض آپ کا اسم گرامی لکھنے کے کثرت لکھتے گئے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کی تحقیق میں یہ ارشادات جناب اُم کلثوم کے ثابت ہوئے اس لیے انہوں نے ان کو آپ سے منسوب کیا۔ اگر جناب زینب اور جناب اُم کلثوم کو دو علیحدہ بیبیاں یعنی جناب زینب کو جناب فاطمہ الزہراء کی بڑی صاحبزادی اور جناب اُم کلثوم کو چھوٹی

صاحبزادی قرار دیا جائے اور ان دونوں بیبیوں کا دربار یزید میں موجود ہونا مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا بڑی بہن جناب زینب کی موجودگی میں جناب ام کلثوم نے بار بار خود گفتگو فرمائی ہوگی۔ عام دستور ہے کہ بزرگوں کی موجودگی میں خود حتی الامکان سکوت اختیار کرتے اور بزرگوں کو گفتگو کا موقع دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف عمل کرنا سوادِ ادب متصور ہوتا ہے۔ لہذا جیسا کہ انز کتب سیر و مقاتل میں اکثر ارشاد و ملفوظات جناب زینب سے منسوب کیے گئے ہیں وہ صحیح ہونا چاہیے۔

ارشاد متذکرہ بالا میں جناب ام کلثوم یا جناب زینب نے یزید کو ابن الطلیق یعنی آزاد کردہ کے بیٹے سے کیوں خطاب کیا۔ اس کی مختصر شرح کر دینا مناسب ہے۔

جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرتؐ شہر میں داخل ہوئے تو ابوسفیانؓ مع اپنی قوم قبیلہ کے مکہ میں موجود تھے اور انہیں خوف تھا کہ اب رسول اللہؐ ان سے انتقام لیں گے۔ یہ قید کیے جائیں گے اور ان کے ساتھ وہی وحشیانہ سلوک کیا جائے گا جو زمانہ جاہلیت میں مفتوح قوموں اور قیدیوں کے ساتھ ہوتا تھا لیکن آنحضرتؐ (جو رحمت للعالمین تھے) نے سب کو جمع کیا خطبہ ارشاد فرمایا اور علی الاعلان فرما دیا کہ: انتہم طلقاء یعنی تم آزاد شدہ ہو۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ روزِ فتح مکہ ابوسفیانؓ کی حضرت ابن عباسؓ نے سفارش و شفاعت کی اور رسول اللہؐ نے قبول فرمائی اور ابوسفیانؓ آزاد کر دیے گئے۔ پس اس لیے جناب معصومہ نے یزید کو یا ابن الطلیق کہا اور اس کو یاد دلایا کہ ایک روز تیرا ادا میرے نانا کے سامنے بطور مجرم و قیدی پیش کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔ رہائی دی اور تو انہیں کا پوتا ہے اور تو نے ہم سے یہ سلوک کیا۔

یزید سے یہ کلام چاہے جناب زینب نے کہا ہو یا جناب ام کلثوم نے مگر

اس سے شان خود داری عظمت و جلال ظاہر ہے۔ یزید جیسے ظالم، جابر، طاعی و باغی (جو اپنی حکومت و اقتدار کے نشہ میں چور تھا) کو دیکھو اور اس مطلوبہ سبکس دے بے یار و مددگار کو دیکھو اور پھر اس کلام پر غور کرو تو مثل روز روشن ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ جرأت صرف شیر خدا علیؑ رضی، فاطمہ الزہراؑ کی بیٹی سے ظاہر ہو سکتی تھی۔ جو مؤمن اللہ اور نائبہ سید الشہداء تھیں۔ جناب امام حسینؑ نے اپنے مشن کی تکمیل اور اپنے وعدہ کی ایفاد میں جہاد بالسیف کیا اور شہید ہوئے۔ جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ اور دوسری محذرات عصمت و طہارت نے اس مشن کی مزید تکمیل اپنی اسیری، در بدری اور اپنے ارشادات و خطبات سے فرمائی۔ دوسرے الفاظ میں جہاد باللسان کیا۔ اور ایسا جہاد فرمایا کہ چند ہی روز میں یزید کے تخت و تاج کو تہ و بالا کر دیا۔ ہمارے اس خیال و قول کی تائید جناب زینبؑ کی اس زیارت سے ہوتی ہے جو اب تک حضرت کے روضہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اس زیارت میں ہے۔

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ نَصَحْتَ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلِفَاطِمَةَ وَالْحُسَيْنَ وَنَصَرْتَهُمْ  
بِقَلْبِكَ وَلِسَانِكَ وَجَاهَدْتَ فِي اللَّهِ بِلِسَانِكَ  
حَقَّ جِهَادًا۔

(میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ آپ نے خیر خواہی کی خدا، رسول، امیر المؤمنین علیؑ، فاطمہ الزہراؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی اور ان سب کی نصرت فرمائی آپ نے دل و زبان سے اور جہاد کیا آپ نے اپنی زبان سے جیسا کہ حق تھا جہاد کرنے کا۔ ابو مخنف نے ارشاد مندرجہ بالا میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جناب معصومہ نے یہ بھی فرمایا "اے یزید میں تجھے خوش خبری دیتی ہوں آتش جہنم کی اور دوزخ کے دردناک عذاب کی جو تجھ پر روز قیامت ہو گا جس روز خدا کا حکم فیصلہ کنندہ ہو گا۔



میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور جہنم زندان ہوگا۔“ یزید نے یہ سن کر جواب دیا کہ ”اگر میں جہنم میں بھیجا جاؤں تو مجھے پر دہا نہیں، دنیا میں تو میری امید برائی اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ میں نے تمہاری قوم و قبیلہ سے کینہ ہائے دیرینہ نکال لیے اور خوب انتقام لے لیا۔ تمہارے باپ علی ابن ابیطالب نے میرے بزرگوں سے جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ میں نے دل کھول کر لے لیا۔ اگر تم عورت نہ ہوتی تو تمہارے کلام کے مواخذہ میں تم کو بھی قتل کرتا۔“

مقتل ابی مخنف میں روایت ہے کہ ایک مجلس میں امام زین العابدینؑ اور یزید کے درمیان گفتگو ہوئی اور امام علیہ السلام کے جرات آمیز کلام اور حق گوئی سے یزید اس قدر برہم ہوا کہ آپ کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت جناب اُم کلثومؑ نے یزید سے کہا۔ یا یزید لقد ارویت الارض من دماء اهل البيت ولم یبق غیر هذا الصبی الصغیر (اے یزید تو نے اہل بیت کے خون سے زمین کی آبیاری کر دی اب سوائے اس کس بچے کے اور کوئی باقی نہیں رہا۔) دوسری بیبیاں بھی نالہ و فریاد کرنے اور کہنے لگیں واقلة رجالہ تقتل الا کابر من رجالنا وتوسی النساء منا ولا یرفع سیفک عن الاضاغر واغوثا لا واغوثا لا یا جبار السماء وباسط البطحا۔ (ہائے ہمارے مردوں کی قلت و فقدان، ہمارے مردوں میں جو بڑے تھے وہ سب قتل ہو گئے۔ ہم عورتیں قید ہو گئے اور اب بھی اے یزید تیری تلوار ہمارے چھوٹوں کو نہیں چھوڑتی۔ اے جبار السماء، اے باسط البطی، ہماری مدد کر۔) بیبیوں کی فریاد سن کر یزید پر خوف طاری ہوا کہ مبادا لوگ اس سے مخوف نہ ہو جائیں، فتنہ و فساد برپا نہ ہو اس لیے وہ اپنے فائدہ ارادہ سے باز آیا اور امام علیہ السلام قتل ہو جانے سے بچ گئے۔ دوسری کتب میں

یہ کلام جناب زینبؓ کا بتایا گیا ہے۔ ممکن ہے ابی مخنف کا منشا ابی آپ سے ہی ہو اور انہوں نے کنیت لکھی ہو۔ ارشاد میں امام زین العابدینؓ کو الصبی الصغير لکھا ہے۔ یعنی چھوٹا بچہ۔ واقعہ کربلا کے وقت امام علیہ السلام کا سن مبارک بیس یا بائیس سال کا بتایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بیس سال والے کو چھوٹا بچہ نہیں کہتے بلکہ نوجوان لڑکا کہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ راوی سے غلطی ہوئی ہے اس نے غلط الفاظ کہہ دیے یا ممکن ہے کہ جناب ام کلثومؓ یا جناب زینبؓ (جن کا بھی یہ کلام ہو) نے فرط محبت و الفت کی وجہ سے صبی الصغير (چھوٹا بچہ) فرما دیا ہو۔ اغلب یہ ہے کہ راوی نے غلطی کی ہے۔

”اسرار الشہادۃ“ میں روایت ہے کہ جب یزید علیہ السلام نے جناب امام زین العابدینؓ کے قتل کا حکم دیا تو آپ کو مجلس یزید سے باہر لے جانے لگے تو جناب زینبؓ نے پکار کر پوچھا۔ (الیٰ امین میرا دیک) بیٹا نہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ امام نے جواب دیا الی القتل (قتل کرنے لیجائے ہیں)۔ یہ سن کر جناب زینبؓ یزید سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا۔ حسبک یا یزید من دماننا اشدک اللہ ان قتلتہ فاقتلنی (اے یزید اب تک ہمارے جو خون بہائے گئے اس سے تیری تشنی نہیں ہوئی؟ تجھے خدا کی قسم اگر تو علی ابن الحسین کو قتل کراتا ہے تو مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کرا دے) یزید آپ کا یہ کلام سن کر متاثر ہوا اور امام کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

شام کے قیام کے زمانہ میں اہل بیتؓ کو کہاں رکھا گیا اس کے متعلق بھی راویوں میں اختلاف ہے بعض لکھتے ہیں کہ قید خانہ میں رکھے گئے تھے بعض کا بیان ہے کہ ایک خرابہ میں مقید تھے جس پر کوئی سایہ نہ تھا بعض کہتے ہیں کہ یزید نے ان بزرگواروں کو اپنے کسی خاص مکان میں رکھا تھا۔ اکثر روایات سے یہ پایا جاتا ہے

کہ ایک خرابہ میں مقید تھے۔ چنانچہ صاحب طراز المذہب تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر کتب مقاتل سے پایا جاتا ہے کہ اہل بیت رسول مدت دراز تک ایسے دیران مکان میں مقید رہے کہ جس پر سقف یا سایہ نہیں تھا۔ دھوپ کی تہاڑت اور سردی کے اثرات سے مخدراتِ عصمت و طہارت اور بچوں کے چہروں کی کھال تنک نکل آئی تھی۔ چہروں کے رنگ بدل گئے تھے اور شدتِ گرمی کی وجہ سے اُن کی آنکھیں مجروح ہو گئی تھیں۔ بدن کا گوشت گھل گیا تھا اور بچے بڑے سب لاغر و نحیف و نزار ہو گئے تھے۔

جلال العینین فی سیرۃ علی ابن الحسین میں ابن بابویہ علیہ الرحمۃ کی روایت ہے کہ یزید ہلید نے امام زین العابدینؑ اور اہل بیت طاہرین کو ایسے ناہنجار مکان میں مقید کیا تھا جس میں گرمی و سردی سے مطلق پنہانہ نہ تھی اور اس قدر زحمت ان حضرات کو وہاں اٹھانی پڑی کہ اُن کے چہروں سے پوست گر گئی۔

کتب مقاتل میں ہے کہ زندانِ شام میں جناب امام حسینؑ کی ایک کمسن صاحبزادی کا انتقال ہوا۔ ان کا اسم گرامی بعض زینبؑ اور بعض سکینہؑ لکھتے ہیں۔ عام طور سے تو یہ مشہور ہے کہ جناب سکینہ بنت الحسینؑ کا زندانِ شام میں انتقال ہوا اور اس وقت آپ کا سن تین یا چار سال کا تھا۔ بعض چھ سال کہتے ہیں۔

صاحب طراز المذہب کہتے ہیں کہ ممکن ہے زندانِ شام میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں انتقال کیا ہو اور یہ حضرت رقیہؑ اور حضرت سکینہؑ ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اُس وقت دمشق کے گورستانِ بزرگ میں جناب سکینہؑ کا روضہ ہے جس پر گنبد تعمیر کیا گیا ہے قبر پر ایک چوٹی تختی پر کتبہ کندہ ہے کہ ”یہ سکینہ بنت الحسینؑ کی قبر ہے۔“

یہ چونی تختی زمین میں مدفون تھی اور حال میں برآمد ہوئی اور قبر منور پر چسپاں کر دی گئی۔ مسجد اموی کے قریب ایک محلہ ہے اس میں ایک مکان ہے جو اس وقت ایک شامی کے قبضہ میں ہے جو سستی ہیں۔ اس مکان میں ایک مزار شریف ہے اور باہر دیوار پر ایک سنگ مرمر کی تختی چسپاں ہے اس پر یہ الفاظ کندہ ہیں ”یہ قبر رقیۃ بنت علی ابن ابیطالب کی ہے“ یہ کتبہ جدید ہے اور غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس میں رقیۃ بنت الحسین یا سکینہ بنت الحسین لکھنا چاہیے تھا جس کمرے میں یہ مزار ہے اس سے ملحق ایک بڑا ہال (کمرہ) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی خرابہ ہے جس میں اہل بیت اطہار مقید تھے۔ یہ ہال اس وقت مسقف ہے اور ضریح کے کمرے سے اس میں جانے کے لیے چند سیڑھیاں نیچے اترتی پڑتی ہیں اس لیے کہ اس کی سطح ضریح کے کمرے کی سطح سے چند فٹ نیچی ہے۔ اکثر شیعوں کا یہ خیال ہے کہ جناب سکینہ کی اصلی قبر یہی ہے جو اس خانگی مکان میں ہے اور جو مزار قبرستان دمشق میں بتایا جاتا ہے وہ فرضی و نقلی ہے۔ استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ روایات میں پایا جاتا ہے کہ جناب سکینہ کا انتقال زندان میں ہوا اور آپ وہیں باہر دفن ہوئیں۔ جیسا کہ صاحب طراز المذہب نے دو صاحبزادیوں کے انتقال کا امکان بتایا ہے۔ یعنی حضرت رقیۃ و حضرت سکینہ اگر ایسا ہی ہوا ہوتا تو یہ ممکن ہے کہ اس خانگی مکان میں جو ضریح ہے وہ جناب رقیۃ بنت الحسین کی ہو اور عدم واقفیت کی وجہ سے اہل دمشق نے نام میں غلطی کی اور رقیۃ بنت علی مشہور کر دیا اور جو قبرستان بزرگ میں ضریح ہے اور جس پر اب کتبہ لگا دیا ہے جناب سکینہ کی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دس سال قبل راقم دمشق گیا تھا اور یہاں کے مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ افسوس کہ علالت کی وجہ سے ان امور کی کما حقہ تحقیق و تفتیش

نہ کر سکا تھوڑی بہت تقیش کی لیکن مقامی باشندوں کی لاپرواہی اور لاعلمی کی وجہ سے اطمینان بخش نتیجہ نہ نکلا۔ اب پھر راقم کا ارادہ ہے کہ عراق و شام جائے اگر خدائے جلیل اپنے فضل و کرم سے ارادہ پورا فرمادے اور صحیح و تندرست وہاں تک پہنچنا نصیب ہو تو انشاء اللہ مجتہد العصر علامہ السید محمد محسن العالمی اور دیگر باخبر حضرات سے مکمل اور مصدق معلومات حاصل کر کے مزارات مقدّسہ کے متعلق رسالہ مرتب و طبع کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جناب سکیئہ کے انتقال کے حالات کے بیان میں صاحبانِ مقاتل اور بعض مورّخین نے جو مکالمات جناب زینبؓ اور جناب سکیئہ کے درج کیے ہیں اور مظلوم صاحبزادی کے غسل و کفن و دفن کے واقعات بیان کیے ہیں وہ اس قدر دردناک اور رقت آمیز ہیں جو تپھر کو پانی اور مرغ و ماہی کو کباب کر دیتے ہیں۔ کتاب اکسیر العبادات، مفتاح البرکات اور بحر المصائب میں شعبی کی روایت ہے کہ زینبؓ کی زوجہ جس کا نام ہند تھا زندان میں آئی اور اہل بیتؑ سے گفتگو کی۔ جب یہ زندان میں آئی تو پوچھا۔ جناب ام کلثومؓ خواہر حسینؑ کون ہیں۔ جناب ام کلثومؓ نے فرمایا: ویدکھا انا ابنتہ الاحام الزکی والہمام التقی والصمصام النقی امیر المؤمنین وقاتل الناکثین والمارقین والقاسطین الذی قرن اللہ طاعته بطاعته وعقابه بمعصيته والذی فرض اللہ تعالیٰ ولايته علی البدوی والحضری وهو مبیّد الاقران والفرسان والمتوج بتاج الولاية والسلطان وهو الذی کسر اللات والعزى وطهر البیت والصفاء۔ ترجمہ :- تو ہلاک ہو! ویکھ میں بیٹی ہوں امام زکیؑ، ہمام نقیؑ اور صمصام نقیؑ امیر المؤمنین (علیؑ) کی جو ناکثین اور قاسطین سے

لڑنے والے تھے اور جن کی اطاعت و نافرمانی بدلنے اپنی اطاعت و نافرمانی سے  
 مقرون کی تھی اور جن کی ولایت ہر کس و ناکس پر فرض کی گئی۔ وہ اپنے زمانہ کے  
 مد مقابل شہسواروں کو فنا کرنے والے تھے۔ اُن کے سر پر ولایت و حکومت کا  
 تاج رکھا گیا تھا اور انہوں نے لات و عزّی کو توڑا اور کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔  
 ہند زو جہ زید نے جناب معصومہ کا یہ کلام فصاحت سمات سنا تو جواباً کہا۔  
 ولاجل ذالک اخذتم و بمثلہ طبتم و هو فتم یا بنی  
 عبد المطلب بمثل ربیعہ و عتبہ و ابی جہل و احزابہم  
 تسفک دما نکم اُسینا اباک یوم بدہ و حنین و ما  
 قتل من رجالنا۔ (ترجمہ) اسی وجہ سے تم لوگوں سے مواخذہ  
 کیا گیا اور بدلہ لیا گیا ہے۔ تم ذیل کر دیے گئے۔ اے بنی عبد المطلب تنہا راجو  
 خن بہا یا گیا تو وہ انتقام تھا ربیعہ، عتبہ اور ابو جہل اور ان جیسے اور لوگوں  
 کے خون کا جو تمہارے بزرگوں کے ہاتھوں ماے گئے۔ کیا ہم بھول گئے کہ تمہارے  
 باپ نے بدر و حنین کی لڑائیوں میں ہمارے مردوں کو قتل کیا تھا۔

اس کا جواب جناب اُم کلثوم نے یہ دیا۔ یا بنت من خبث من  
 الولادة والاولاد یا ابنت الکلتہ الاکباد لست اکسنا ثہم  
 المشہورات بالزنا والخناء ولا رجالنا العاکفین علی اللات  
 والعزّی اُلّیس جدّک ابا سفیان الذی حزب علی  
 الرسول الاحزاب اُلّیست امک ہند باذلة نفسها  
 لحبشی واکلت کبد حمزة جہرا۔ اُلّیس ابوک الضارب  
 فی وجہ امامہ بالسيف اُولّیس اخوک قاتل اخي  
 ظلما وهو سید شباب اهل الجنة وهو اهل الکتاب

والسنة وابن بنت الرسول المخدم وبجبرئیل ومیکائیل  
و کثیر ما مملکتوه فی الدنیا فانہ فی الآخرة قليل .

(ترجمہ) اے خبیث کی اولاد اور ہر خوار کی بیٹی ہم ان عورتوں کی  
مانند نہیں ہیں جو زنا کاری اور بد کاری میں مشہور تھیں اور نہ ہمارے مرد لات  
عربی کی پرستش پر مہر ہے۔ کیا تیرا دادا ابوسفیان وہی نہیں ہے جس نے آنحضرت  
کے خلاف مشرکین کی پارٹیاں (جھٹے) تیار کیے تھے؟ کیا تیری دادی ہندوہی  
عورت نہیں جس نے اپنے کو ایک حبشی کے حوالے کر دیا تھا (یعنی حبشی پر فرقتی تھی)  
اور علانیہ طور پر حمزہ کا جسگ چبا ڈالا تھا؟ کیا تیرا باپ وہی شخص نہیں جس نے اپنے  
امام (علیؑ) کے مقابلہ کے لیے تلوار کھینچی تھی۔؟ کیا تیرا بھائی وہ نہیں جس نے میرے  
بھائی کو ظلم سے قتل کیا حالانکہ وہ سید شباب اہل الجنة اور اہل کتاب اور سنت  
تھے۔ رسول کی بیٹی کے بیٹے اور جبرئیل و میکائیل کے مخدوم تھے۔ ہم نے دنیا میں جو  
اعمال کیے ہیں وہ آخرت میں ہلکے اور قلیل ثابت ہوں گے۔

زوجہ یزید ہند کو کوئی جواب نہ سوچھا اور وہ خفیف اور شرمندہ ہو کر اپنا سا  
منہ لے کر زندان سے چلی گئی۔

یہ گفتگو بھی یقیناً جناب زینب سے ہوئی اور راوی نے جناب زینب کا نام  
لینے کے عوض آپ کی کنیت ظاہر کی۔ جناب زینب کی کنیت اُم کلثوم بھی تھی۔  
بحر المصاب میں روایت ہے کہ زندانِ شام میں اہل بیت کے ساتھ سترہ بچے تھے جن کی  
جناب زینب نگرانی و پاسبانی فرماتی تھیں۔ بسا اوقات بچے بھوک اور پیاس کی شدت سے روتے اور  
تملاتے رہتے تھے جناب زینب سے کھانا پانی مانگتے تھے اور آپ انکی دلجوئی فرماتی تھیں۔  
حالاتِ شام کے متعلق چند روایتیں بیان کر دی گئیں اب اہل بیت اطہار  
کی قید سے رہائی اور مدینہ کو روانگی سے متعلق کچھ حالات درج کیے جاتے ہیں۔

# باب

## رہائی اہل بیتؑ روانگی بہ مدنیہ طیبہ

\* \* \* \* \*

اہل بیتؑ طاہرین کئے دن دمشق میں قید رہے اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔

سید طباطبائی اعلیٰ المقدامہ نے ریاض المصاب کے حاشیہ پر مدت قیام و قید چالیس روز یا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ بتائی ہے۔

کاشفی میلانی لکھتے ہیں کہ اہل بیتؑ پورے چھ مہینے قید رہے۔

کتاب مہج الاحزان میں ایسی روایتیں ہیں کہ جن سے اٹھارہ اور دس روز قید میں رہنا پایا جاتا ہے۔

سبیل سکینہ حیدرآباد لطیف آباد

ایک روایت ہے کہ تین روز قید رہے اور سات روز ایک علیحدہ مکان میں رہ کر اس عذابِ عزا داری بجالائے۔

ملا محمد باقر شتی تذکرۃ الائمہ میں لکھتے ہیں کہ مدت قیام و قید شام چالیس روز سے چھ ماہ تک بتائی جاتی ہے لیکن میرے خیال میں اس سے زیادہ ہوگی۔

ابن صبار نے اپنی کتاب الفصول المہمہ میں اگرچہ مدت قیام نہیں بتائی لیکن کہتے ہیں کہ ایک مدت دراز تک اہل بیتؑ دمشق میں قید رہے۔

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ لکھتے ہیں کہ مدت دراز تک اہل بیتؑ شام میں قید رہے یہاں تک کہ ہندہ زوجہ یزید نے خواب دیکھا۔ یزید کو ملامت کی۔ السید مظہر حسن سہارنپوری نے جلاء العینین سیرۃ علیؑ ابن الحسینؑ میں مدت



قید و قیامِ شام کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

”مدتِ قیامِ اہل بیتؑ شامِ شوم میں باختلافِ مرقوم ہوئی ہے یعنی زیادہ سے زیادہ چھ ماہ اور کم سے کم نوایم.... راقم الحروف کے نزدیک جیسا کہ چھ ماہ کا قول دور از قیاس ہے ویسا ہی آٹھ نو روز کا قیام بھی بعید معلوم ہوتا ہے۔ میرے نزدیک سید طباطبائی اعلیٰ اللہ مقامہ کا قول جو حاشیہ ریاض المصاب میں ہے کہ یہ حضرات چالیس روز شام میں مقیم رہے۔ اقرب بالصواب ہے۔“

ہمارا خیال ہے کہ اہل بیتؑ طویل مدت تک دمشق میں قید رہے ہوں گے۔ طراز المذہب میں روایات ہیں کہ گرمی و سردی کے اثر اور قلتِ آب و طعام کی وجہ سے پیہوں اور پچوں کی کھال نکل گئی تھی اور سب لاغر و نحیف ہو گئے تھے تو یہ حالت دو چار، دس بیس روز میں نہیں ہو سکتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ روایات جن میں مدتِ قید چھ مہینے بتائی گئی ہے صحیح اور قرین قیاس ہیں۔

جب یزید پید نے خوب دل کھول کر اہل بیتؑ اطہار سے انتقام لے لیا۔ قید، سخت کلامی وغیرہ کے ذریعہ اپنے قلبِ سیاہ کو ٹھنڈا کر لیا تو بعض لوگوں کے مشورہ اور رائے کی بناء پر ان ستم رسیدہ حضرات کی رہائی کا اس کو خیال پیدا ہوا اور بیرہا کیے گئے۔ مقتلِ ابی مخنف، بحر المصاب، نور العین میں ہے کہ جب یزید اپنے کردار سے پشیمان ہوا تو اس نے اہل بیتؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں آپ کو رہا کرنا چاہتا ہوں اور اختیار دیتا ہوں کہ چاہو تو دمشق میں آرام و راحت سے رہو یا چاہو تو اپنے وطن مدینہ کو واپس جاؤ۔ اہل بیتؑ نے مدینہ واپس جانے کی خواہش ظاہر کی جنابِ زینبؑ نے کہا اچھا کہ جب سے امام حسینؑ شہید ہوئے ہم کو ان پر دل کھول کر رونے اور

ہاتھ کرنے کا موقع نہیں ملا اس لیے کہ عمر ابن سعد اور ابن زیاد نے اس کی اجازت نہیں دی  
اب قبل روانگی ایک مکان دے دیا جائے اور مجلس عزابراپا کرنے کی اجازت دے دی  
جائے۔ یزید نے اجازت دی اور حکم دیا کہ ایک وسیع مکان خالی کیا جائے اور اہل بیت  
کو اس میں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک مکان خالی کیا گیا اہل بیت  
اطہار اس میں تشریف لائے اور مجلس عزابراپا کی۔ یہ پہلی مجلس عزائے حسین تھی جو  
منعقد ہوئی۔

بعض کتب اخبار میں ہے کہ جب یزید علیہ کو اطلاع ملی لگیں کہ جناب امام  
حسینؑ کے قتل اور اہل بیتؑ رسولؑ کی اسیری کی وجہ سے ملک کے بعض علاقوں میں  
بے چینی اور بددلی پھیل رہی ہے اور لوگ اس سے متنفر ہو رہے ہیں۔ فتنہ و فساد  
کا اندیشہ ہے تو یثقی مجبور ہوا کہ اہل بیتؑ کو رہا کر دے۔ اس نے ایک روز جناب  
امام زین العابدینؑ کو طلب کیا اور ملازمین کو تاکید کی کہ احترام و احتشام کے ساتھ  
آپ کو لائیں۔ جب امامؑ زندان سے روانہ ہونے لگے تو جناب زینبؑ نے یزید  
کی تلون مزاجی، عذاری کے مد نظر آپ کو فرمایا۔ یا قرۃ عینی و سلوة فادی  
لا تتکلم الا بکلامہین و قول لیں فامنت ظالم عنید و  
شقی شدید لا یخاف الله و عذابہ ولا یسبحی من رسولہ  
و ولیہ۔ (اے قرۃ العین اے سرور دل تم یزید سے نرمی اور ملائمت کے  
ساتھ گفتگو کرنا اس لیے کہ وہ ظالم سرکش اور شقی شدید ہے۔ اس کو نہ تو خدا کا اور  
نہ اس کے عذاب کا خوف ہے نہ وہ رسول اللہ اور ان کے ولی (علی رضی) سے  
شرم کرتا ہے۔) جب جناب امام زین العابدینؑ یزید کے پاس پہنچے تو یثقی آپ کو  
تشریف لاتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور صدر مجلس پر آپ کو بٹھایا اور خندہ پیشانی  
سے کہا کہ یا علیؑ ابن الحسینؑ جو کچھ خواہش و حاجت ہو بیان فرماؤ گے میں اس کو

پوری کرنے پر آمادہ اور تیار ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھ سے میں کوئی جانت نہیں رکھتا اس کے علاوہ چھوٹی زینب کے مشورہ و استمراج کے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یزید نے یسّٰنؓ کو کہا کہ پردہ کا انتظام کریں اور جناب زینبؓ اور بیبیوں کو بلالائیں۔ جب اہل بیتؑ تشریف لائے تو یزید نے تعظیم و تکریم کی اہلیت اس سے قبل کی مجلسوں کو یاد کر کے رونے لگے اور جب ان کا گریہ مٹا تو یزید نے کہا کہ اے اہل بیتؑ رسولؐ میں نے آپ سب کو رہا کر دیا اب اگر آپ چاہیں تو یہاں رہیں یا مدینہ مراجعت فرمائیں۔ یزید کا یہ کلام سُن کر جناب زینبؓ رونے لگیں اور واخاۃ واذلتاۃ وواضیعتاۃ فرمایا۔ یزید نے پوچھا کہ یہ بی بی کون ہیں جو اس طرح روتی اور فریاد کرتی ہیں۔ جب کہا گیا کہ یہ نورحسین علی مرتضیٰ صدیقہ صغریٰؑ ناسبہ زہرا زینبؓ کہریٰ خواہر امام حسینؑ ہیں تو یزید پشیمان ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب نالہ و زاری سے کیا حاصل۔ سکون اختیار کیجیے اور پس ماندگان کی خبر داری کیجیے۔ جناب زینبؓ براشتفتہ ہوئیں اور کہا ہم مدینہ خالی گھروں کو جا کر کیسا کریں سوائے اس کے کہ ہمارے غم و الم میں اضافہ ہو اور قتل اعزاز کی یاد ستائے۔ یزید نے جواب دیا۔ ”مساقر ہمیشہ آرزو مند رہتا ہے کہ اپنے وطن کو پہنچے مدینہ آپ کا وطن ہے اس لیے وہاں جانا آپ کے لیے باعث سرور و سونا چاہیے۔ یہ سُن کر جناب زینبؓ نے گریہ فرمایا یزید خاموش ہو گیا پھر آپ سے کچھ نہ بولا۔

یہ بھی روایت ہے کہ اس مجلس میں یزید نے جناب زینبؓ سے کہا کہ اگر کوئی حاجت ہو تو فرمائیے۔ جناب زینبؓ نے فرمایا کہ میں تجھ سے تین چیزوں کی طالب ہوں وہ مجھے دیدے، ایک تو میرے نانا رسول اللہؐ کا عمامہ دوسرے میری ماں فاطمہ الزہراؑ کا مقنع تیسرے میرے بھائی کی خون آلود قمیص۔ یزید نے جواب دیا کہ عمامہ رسولؐ اور جناب فاطمہ الزہراؑ کا مقنع تو تبرکاتِ تیسماً میں نے اپنے خزانہ میں

رکھ لیا ہے آپ کے بھائی کی قمیص کے متعلق نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ جناب زینبؓ نے فرمایا کہ اے یزید میرے بھائی کی قمیص اس کپڑے کی ہے جس کو میری ماں نے خود بنا ہے۔ کپڑا بُنتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ حسینؑ جب کربلا میں شہید ہوں گے تو اس وقت اس کپڑے کی قمیص پہنے ہوں گے۔ اے یزید روزِ عاشورا میرے بھائی اس ہی کپڑے کی قمیص پہنے ہوئے تھے جو بعد شہادتِ شفیقاؑ نے لوٹ لی۔ یزید نے حکم دیا کہ بہر طور وہ قمیص تلاش کی جائے اور ہر آمد کر کے جناب زینبؓ کو پہنچا دی جائے۔

اس کے بعد یزید نے جناب زینبؓ سے کہا کہ اگر اور کوئی حاجت ہو تو فرمائیے۔ جناب زینبؓ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا۔ جب سے ہمارے سید و سردار حسینؑ شہید ہوئے ہیں ہم کو ان پر فوج و تدبیر کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہاں زندان میں ان کی لڑکی دارفانی سے سدھاری اس کے لیے بھی رونے کی اجازت نہ ملی۔ پس میں چاہتی ہوں کہ ایک وسیع و کشادہ مکان ہمارے لیے خالی کرادیا جائے تاکہ ہم وہاں حسینؑ ابن علیؑ کا ماتم برپا کریں۔ دخترانِ قریش، زنانِ بنی ہاشم کو اجازت دی جائے کہ وہ بھی ان مراسمِ عزاداری و سوگواری میں شریک ہوں اور ہماری مدد کریں۔ یزید راضی ہو گیا اور حکم دیا کہ محلہ دارالحجارہ میں ایک وسیع مکان خالی کیا جائے اور اس میں اہل بیتؑ منتقل کر دیے جائیں۔ زنانِ دمشق کو عام اجازت دے دی گئی کہ جو چاہے مراسمِ عزاداری میں شریک ہو۔ مکان کا انتظام ہوتے ہی اہل بیتؑ قید خانہ سے اس میں تشریف لائے اور جناب زینبؓ نے پہلی مجلسِ عزاء حضرت سید الشہداءؑ برپا فرما کر آئندہ مجلسوں کی بنیاد قائم فرمادی۔ اس مجلس میں زنانِ قرشیہ و ہاشمیہ سیاح لباس پہنے ہوئے گریبان چاک، بال کھولے، سر پٹتی روتی ہوئی اس طرح مجلس میں آئیں جیسے میت پر آتی ہیں۔ جب کافی جمع ہو گیا تو جناب زینبؓ نے امام زین العابدینؑ کو لا کر حضرت

سید الشہداء کی مسند پر بٹھا دیا اور یہ منظر دیکھ کر حاضرین مجلس میں کھرام برپا ہو گیا۔ اس کے بعد عورتیں حضرت سید الشہداء اور شہداء کو کربلا کے حالات و واقعات دریافت کرنے لگیں اور جناب زینبؓ جوابات دیتی تھیں۔ شہداء کے حالات بیان فرماتی جاتی اور سرہائے شہداء بتاتی جاتی تھیں۔ آخر میں آپؓ نے فرمایا کہ اے زنانِ شام دیکھو اس قوم جفا شعار نے آلِ علیؑ سے کیا سلوک کیا۔ تم واقعہ کربلا سے بے خبر ہو اس لیے سن لو کہ کربلا میں حسینؑ مع عزیز و اقراء و انصار بھوکے پیاسے شہید کیے گئے ان کی شہادت کے بعد پسر زیاد بے حیا کے حکم سے کوفیوں نے بیواؤں اور یتیموں کو قیدی بنایا اور شتران بے کجاوہ پر بے مفتح و چادر بٹھا کر کوفہ لائے اور کوچہ و بازار میں پھرا کر تشہیر کیا۔ حجتِ خدا علیؑ ابن الحسینؑ کو طوق گر ان پہنایا، زنجیروں میں کس دیا۔“

جناب زینبؓ کا یہ بیان سن کر حاضرین مجلس میں غل مچ گیا۔ اس وقت جناب زینبؓ نے سراقہؓ سید الشہداءؑ کے اپنے سینہ سے لگایا اس کے بوسے لیے اور بدینہ کی طرف منہ پھیر کر اپنی مادرِ گرامی کو مخاطب کیا اور چند دردناک کلمات فرمائے۔ پھر بھائی کے منہ پر منہ رکھ کر کلماتِ جانگزا ارشاد فرمائے اور مجلس ختم ہوئی۔

بعض راویوں نے لکھا ہے کہ یزید نے اپنے افعال و کردار سے پشیمان ہو کر اہل بیتؑ کو قید سے رہا کیا بعض روایات میں ہے کہ فتنہ و فساد برپا ہو جانے کے اندیشہ سے اس نے رہائی دی اور اہل بیتؑ کو مدینہ واپس بھیج دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسی چیز زیادہ قرین عقل و قیاس ہے۔ یزید کی فطرت و کیرمیکٹر (عادات و اخلاق) کے مد نظر یہ تصور کرنا کہ اس کو خجالت و ندامت دامن گیر ہوئی ہوگی قرین عقل نہیں بلکہ یہ امر زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس نے فتنہ و فساد اور اپنی حکومت

کے زوال کے خوف سے اہل بیت کو رہا کیا تاکہ لوگوں کی تالیفِ قلوبی ہو اور ان کی زبانیں بند ہوں۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یزید کی پوری کارروائی بنی ہاشم و خاندانِ رسول سے دیرینہ بغض و عداوت اور انتقامی اسپرٹ (جذبہ) پر مبنی تھی اور اس میں پیشانی اور ندامت کا کوئی دخل ہی نہ تھا۔ اگر محض بیعت نہ کرنے کی وجہ سے امام حسینؑ کو شہید کیا جاتا تو آپ کی شہادت کے بعد سارا قصہ ختم ہو جاتا لیکن بعد شہادت جو بد عنوانیاں پیش آئیں کہ اہل بیت کو اسیر اور مغلول کیا گیا، اُن کا مال و اسباب لوٹا گیا۔ خیمے جلائے گئے، انھیں مثل اسرائیل ترک و ولیم و زنگبار بھوکے پیاسے شہر بہ شہر بھرا گیا۔ دمشق لایا گیا اور یہاں بھی کافی تشہیر کرائی گئی ایک عرصہ تک قید رکھا گیا۔ کبھی کسی ویرانہ میں کبھی مسجد میں کبھی خرابہ میں۔ پھر وقتاً فوقتاً یزید کی بھری مجلسوں اور محفولوں میں لائے گئے۔ ایسی حالت میں کہ اس شقی کی محفلیں امراء و درو سا و شام و عراق سے بھری رہتی تھیں۔ اسبابِ رقص و سرود، شراب و کباب ہتیا رہتے تھے۔ اقتدار و اختیار، شان و شوکت کا پورا مظاہرہ کیا جاتا تھا اور ستم رسیدہ اہل بیت مع امام زمان گھنٹوں کھڑا کر دیے جاتے اور یزید اور اس کے مصاحبین ان غریبوں کی خستہ حالی و تنہا ہی کو دیکھ کر قہقہے لگاتے اور لطف اٹھاتے تھے تو کیا ان سب امور سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یزید کی سب کارروائی کینہ و بغض دیرینہ اور انتقامی جذبہ پر مبنی تھی۔ ایسی صورت میں کیوں کر خیال کیا جاسکتا ہے کہ یزید پیشیمان ہوا ہو گا۔ لا و اللہ۔ ہاں البتہ اپنی جان اور حکومت کے زوال کے خوف سے ضرور خائف ہوا ہو گا اور یہی اہل بیت کی رہائی کا یقیناً باعث اور سبب ہوا۔

مولانا سبط الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”جس زمانہ میں اہل بیت رسول قید شام میں تھے مملکت

یزید میں انقلابی آثار پیدا ہو رہے تھے اب اس نے خیال کیا کہ اس انقلاب کو روکنے کے لیے اہل بیت رسول کو رہا کر دینا چاہیے۔ بعض مورخوں کا یہ خیال ہے کہ مروان نے یزید سے یہ کہا کہ ملک میں جو بے چینی پھیل ہوئی ہے اس کو دبانے کے لیے اہل بیت کا رہا کر دیا جانا ضروری ہے ورنہ سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ بہر کیف جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ یزید نے اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے امیران بلا کر رہا کر دیا۔" (ماخوذ از شہید الشانیت)

مولانا سبط الحسن صاحب کے قول سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ روایات کے بموجب بعد رہائی جناب زینبؓ نے جو مجلس عزاء برپا فرمائی تو بظاہر مراسم عزاداری و سوگاری بجالانے کے لیے کی لیکن ہمارے خیال میں اس کے علاوہ جناب زینبؓ کا اس مجلس کے منعقد کرنے سے یقیناً یہ مطلب و مقصود تھا کہ یزید اور اس کی قوم کے مظالم و متاعب سے اہل شام کو واقف کرادیں اور اپنے مظلوم بھائی کے فضائل و مقامات عالیہ ان پر ظاہر فرمادیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

زنانِ شام جو کر بلا و کوفہ کے حالات و واقعات سے لاعلم تھیں اس مجلس میں تفصیلی حالات سے واقف ہوئیں تو انہوں نے گھروں کو واپس جا کر ان واقعات سے اپنے مردوں کو مطلع کیا جس سے ان کے قلوب میں انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ اکثر لوگ جو تھوڑا بھی ایمان رکھتے تھے یزید سے بدظن اور مخوف ہو گئے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بھی جناب زینبؓ کا جہاد باللسان تھا اور امام علیہ السلام کے مشن کی تکمیل تھی جو آپؐ نے فرمائی۔

آج دنیا میں جو حیثیت کا نام باقی ہے اور دنیا کے ہر حصہ میں حیثیت کا ذکر ہوتا ہے

تو یہ کثرتِ مجالس کا نتیجہ ہے جس کی بناء اسی سوگوار جاں نثار بین زینبؓ نے ڈالی۔ جناب زینبؓ نے تین مجالسِ عزائیں پہلی تو یہ دمشق میں ہوئی اس کے بعد دوسری مجلس قبرِ حسینؑ پر کربلا میں منعقد کی اور تیسری مدینہ منورہ میں برپا ہوئی جس کا ذکر آگے بیان میں آئے گا۔

صاحبِ بحرِ المصائبؒ نے ایک روایت لکھی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ ہندہ زوجہ یزید کی سعی و سفارش و کوشش سے اہل بیتؑ کی قید سے رہائی ہوئی لکھا ہے کہ جب اہل بیتؑ قید تھے تو ایک رات ہندہ قید خانہ میں آئی اور اہل بیتؑ طاہرین کو پہچان کر روتی دلاستہ تسلی دی۔ واپس جا کر یزید کو ملامت کی اور ایسے کلمات کہے کہ یزید متاثر ہوا اور کہا کہ خدا ہلاک کرے پس مر جانے کو کہ حسینؑ ابن علیؑ کو قتل کیا اور دونوں جہاں میں میرا منہ کالا کیا اب ندامت میرے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ تو قید خانہ چا اور اہل بیتؑ کو محلِ شاہی میں لا کر اپنے پاس رکھا اور ان کے آرام و آسائش کا سامان کر۔ میری جانب سے عذر خواہی کر اور کہہ کہ میں حسینؑ کے قتل پر راضی نہ تھا۔ ہندہ آلِ ابی سفیان کی چند عورتوں اور کنیزوں کو مائمی لباس پہنا کر ساتھ لیے ہوئے خرابہ کو آئی۔ قید خانہ میں سب کے گریہ و زاری سے محشر بپا ہوا۔ جناب زینبؓ نے فرطِ غم و الم سے مدینہ کی طرف منہ کر کے اپنی مادرِ گرامی کو مخاطب فرما کر مرثیہ کے طور پر چند اشعار پڑھے اور پھر سوئے کربلا منہ پھیر کر چند اشعار ارشاد فرمائے۔ ہندہ اور زنانِ آلِ ابی سفیان نے اہل بیتؑ کو فردا فردا تسلی دی۔ معذرت، منت و سماجت کر کے سب کو محل میں لائیں اور سب کی خدمت گزاری کرتی رہیں۔ ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو لیکن اس میں یہ جو لکھا ہے کہ یزید نے امام حسینؑ کے قتل کا ابنِ مر جانہ کو ذمہ دار قرار دیا تو اگر اس نے ایسا کہا تو وہ جھوٹا تھا اس لیے کہ یزید خوب جانتا تھا کہ کس کے حکم سے امام شہید کیے



گئے۔ اس نے جو احکام والی مدینہ کو دیے تھے وہ صاف و صریح تھے کہ امام حسین سے بیعت طلب کر اگر انکار کریں تو قتل کر دے اور سران کا بھیج دے اور یہی احکام اس مردود کاذب نے ابن زیاد کو دیے۔ پس اس روایت میں اس کے جو الفاظ بیان کیے گئے ہیں یا تو وہ صحیح نہیں اور اگر صحیح و درست ہوں تو پھر اس نے ہند کو خوش کرنے کے لیے دروغ گوئی اور غلط بیانی کی۔ ہند کی لامت اور ناراضی سے خود کو محفوظ رکھنے کی خاطر جھوٹ کہا اور اس کو دھوکہ دیا۔

بحر المصائب اور بعض کتب اخبار میں ہے کہ جب یزید نے اہل بیت کو رہا کرنے اور مدینہ واپس کرنے کا تصفیہ کر لیا تو زر بن علم، زنگین اور پُر تکلف لباس، سیم و زر جناب امام زین العابدین کے پاس بھیجا اور پیام بھیجا کہ یہ مال و زر ان مصائب کے عوض ہے جو آپ سب پر گذرے ہیں۔ جناب زینب نے یہ لباس مال و زر سب واپس کر دیا اور جواب کہلا بھیجا کہ یزید سے کہہ دو کہ تو کس قدر بے شرم و سنگدل ہے کہ ہمارے سید و سردار کو ان کی اولاد کو قتل کیا اور اس کی تلافی کے لیے یہ مال و اسباب، زر و سیم بھیجا ہے۔ کیا تو نے میرے نانا محمد مصطفیٰ کی حدیث نہیں سنی کہ جو شخص کسی مومن کو پہلے محزون اور مکرر کر دے اور اس کے بعد تمام دنیا بھی اس کو بخش دے تو اس حزن و الم کا جو اسے پہنچ چکا ہے بدلہ و عوض نہیں ہو سکتا۔ جناب زینب کا یہ جواب سن کر یزید پلید تر مندہ ہوا اور خاموش ہو گیا۔

انتظام دانگی اہل بیت بہ مدینہ | اہل بیت کی مدینہ کو روانگی کے وقت یزید نے جو انتظام و انتہام کیا اس کے متعلق علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار الانوار میں صاحب مناقب کی روایت تحریر فرمائی ہے کہ جب یزید نے اہل بیت کو رہا کیا اور دمشق میں رہنے یا مدینہ واپس جانے کا اختیار دیا تو ان بزرگواروں نے مدینہ

جانا پسند فرمایا۔ جناب زینبؓ نے کہلا بھیجا کہ ردنا الی المدینہ فانہا  
 مہاجر جردنا۔ رہم کو مدینہ واپس کر دے اس لیے کہ وہ ہمارے جد کی  
 ہجرت گاہ ہے۔) یزید نے اس کو منظور کر لیا اور نعمان ابن بشیر کو جو صحابہ رسول  
 اللہ سے تھے طلب کیا اور انہیں مفصل ہدایات دیں کہ اہل بیت اطہار کو ان  
 کے شایانِ شان انتظام و احتشام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیں۔ قبل روانگی ضروری  
 لباس و زادِ راہ کا معقول انتظام کریں۔ راستہ کی حفاظت وغیرہ کئے لیے کافی  
 تعداد میں سوار و پیادے ساتھ رکھیں۔ جب روانگی کا وقت آیا تو امام  
 زین العابدینؓ کو ٹلا کر بہت کچھ عذر و معذرت کی نعمان ابن بشیر کو مزید تاکید  
 کی کہ اہل بیت کے اعزاز و اکرام کا ہر وقت خیال رکھیں۔

کتاب بیت الاحزان میں روایت ہے کہ جب جناب زینبؓ نے دیکھا  
 کہ اونٹوں پر زرق برق محلیں ہیں اور ان میں ریشمی و مخملی فرش ہیں تو آپ  
 نے حکم دیا کہ سب محلوں کو سیاہ پوش کر دیا جائے تاکہ لوگ جانیں کہ اولادِ خاتمہ  
 سوگوار و عزادار ہے۔

روایت ہے کہ جب اہل بیتؓ کی مدینہ کو روانگی کی اطلاع اہل دمشق کو  
 ہوئی تو زنان و دخترانِ اہل دمشق سیاہ پوش ہو کر گھروں سے نکل آئیں اور بیت  
 کی قیام گاہ پر جمع ہو گئیں سب نے گریہ و نالہ کرتے ہوئے اہل بیتؓ کو وداع کیا۔  
 جناب زینبؓ کو وہ وقت یاد آگیا جب آپ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ سے  
 روانہ ہوئی تھیں اس وقت زنان و دخترانِ بنی ہاشم و اہل مدینہ نے اسی طرح  
 روتے پیٹے ہوئے آپ کو وداع کیا تھا۔ آپ نے شدت سے گریہ فرمایا۔ جناب  
 امام زین العابدینؓ نے آپ کو دلاسمہ دیا اور آپ کو اور سب بیبیوں کو سوار کرایا۔  
 جن راستوں سے قافلہ گذرتا تھا لوگ جوق جوق روتے ہوئے ساتھ ہو جاتے تھے

اور سب نے تھوڑی دور تک مشایعت کی۔

جب اہل بیت کی عماریاں نظروں سے غائب ہو گئیں تو سب لوگ افسردہ و رنجیدہ خاموش و ساکت شہر کو واپس ہوئے۔

شام کے واقعات ختم کرنے کے بعد اب ہم جناب زینب علیہا السلام کا وہ خطبہ درج ذیل کرتے ہیں جو بروایت سید بن طاووس اعلیٰ اللہ مقامہ، جناب معصومہؑ نے یزید کی مجلس میں اس وقت ارشاد فرمایا جب سر اقدس حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء طشت میں اس کے سامنے رکھا گیا اور وہ ملعون و ندان مبارک سے اپنی چھڑی کے ذریعہ بے ادبی کرنے لگا اور وہ مشہور اشعار بھی پڑھے جن کا پہلا مصرعہ لیت اشیاخی بدمر شہدوا .... الخ ... ہے

## خطبہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة على جدی

سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ صَدَقَ اللَّهُ كَذَلِكَ يَقُولُ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ  
الَّذِينَ آسَأُوا السُّؤَالَ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ  
أَخَذْنَتْ يَا يَزِيدُ حِينَ أَخَذَتْ عَلَيْنَا أَقْطَارَ الْأَرْضِ وَضَيِّقَتْ  
عَلَيْنَا أَفَاقَ السَّمَاءِ فَاصْبَحْنَا لَكَ فِي أَسَارٍ نَسَاقُ إِلَيْكَ سَوْقَانِي  
قَطَارِ وَأَنْتَ عَلَيْنَا ذُو الْقُدْرَةِ أَنْ بَنَى مِنَ اللَّهِ هُوَ أَنَا وَعَلَيْكَ  
مِنْهُ كَرَامَةٌ وَأَمْتَنَا وَإِنَّ ذَاكَ لِعَظْمُ حَظْرِكَ وَجَلَالَةِ  
قُدْرِكَ فَشَمَخْتَ بِأَنْفِكَ وَلَنَظَرْتَ فِي عَظْفِكَ تَضْرِبُ أَصْدْرِكَ  
فَرَحًا وَتَنْفُضُ مَذْرُوبِكَ مَرَحًا حِينَ رَأَيْتَ الدُّنْيَا لَكَ  
مُسْتَوْسِقَةً وَالْأُمُورَ لَدَيْكَ مُسْتَقَّةً وَكَفَرُوا أَلَا نَمُوتُ لَهُمْ  
خَيْرٌ لَّا نَفْسُهُمْ أَلَا نَمُوتُ لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ



عَذَابٌ مُّهِينٌ. أَمِنَ الْعَدْلُ يَا بَنِي الطَّلَقَاءِ تَخَذَرُكَ حَرَائِرُكَ  
وَأَمَّا نِكَاحُكَ وَسُوقُكَ وَبَنَاتُ رَسُولِ اللَّهِ سَبَايَا قَدْ هَتَكَتِ  
سُتُورَهُنَّ وَأَيْدِيَهُنَّ وَجُوهَهُنَّ تَحْدُوا بِهِنَّ الْأَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ  
إِلَى بَلَدٍ وَيَسْتَشْرِفُهُنَّ أَهْلُ الْمَنَاقِلِ وَيَتَبَرَّزْنَ لِأَهْلِ الْمَنَاهِلِ  
وَيَتَصَنَّمْنَ وَجُوهَهُنَّ الْقَرِيبُ وَالْبَعِيدُ وَالْغَائِبُ وَالشَّهِيدُ وَ  
الْوَضِيعُ وَالشَّرِيفُ وَالِدُنَى وَالرَفِيعُ - لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رَجَالِهِنَّ  
وَلِيٌّ وَلَا مَنْ حَمَاتُهُنَّ حَمِيمٌ عَتَوْا مَنَّا عَلَى اللَّهِ وَحُجُودًا  
لِرَسُولِ اللَّهِ وَدَفَعَالِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ - وَلَا غَرَضَ مِنَّا  
وَلَا عَجَبَ مِنْ فَعْلِكَ وَأَتَى يَرْتَجَى مُرَاقِبَةً مِنْ لَفْظِ فَوْهٍ  
أَكْبَادُ الشَّهَادَةِ أَوْ نَبَتْ لِحْمِهِ بِدَمَاءِ السَّعْدَاءِ وَنَصَبُ الْحَرْبِ  
رُسَيْدُ الْأَنْبِيَاءِ وَجَمْعُ الْأَحْزَابِ وَشَهْرُ الْحَرَابِ وَلَهْزُ السِّيُوفِ  
فِي وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ - أَشَدُّ الْعَرَبِ  
لِللَّهِ حُجُودًا وَأَنْكَرَهُمْ لَهُ رَسُولًا وَأَظْهَرَهُمْ عِدْوَانًا وَ  
أَعْنَاهُمْ عَلَى الرَّبِّ كُفْرًا وَطُغْيَانًا إِلَّا أَنَّهُمَا نَتِيجَةُ خِلَالِ  
الْكُفْرِ وَضَبِ يُجْرَجِرُ فِي الصَّدْرِ لِقَتْلَى يَوْمَ بَدْرٍ فَلَا يَسْتَبْطِ  
فِي بَغْضَانَا أَهْلَ الْبَيْتِ مَنْ كَانَ نَظَرُهُ الْيَنَاسُفَ وَأَشْنَانًا  
وَاحْنًا وَأَضْغَانًا - يَظْهَرُ كُفْرُهُ بِرَسُولِهِ وَلِيفْصُمُ ذَلِكَ  
بِلِسَانِهِ وَهُوَ يَقُولُ فَرَجًا بِقَتْلِ وَلَدِهِ وَسَبِي ذُرِّيَّتِهِ غَيْرِ  
مُتَحَوِّبٍ وَلَا مُسْتَعْظَمٍ لَا هَلُوَ وَأَسْتَهْلُوا فَرَحًا وَلَقَالُوا يَا  
يَزِيدُ لَا تَشَلْ مُنْتَحِيًّا عَلَى ثَنَائِي أَبِي عَبْدِ اللَّهِ وَكَانَ مُقْبِلٌ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ يَنْكُتُهُمَا بِمَحْضَرَتِهِ قَدْ

التمع السور بوجهه. لعمرى لقد نكأت القرحة و  
 استأصلت الشافة باراقتك دمر سيد شباب اهل  
 الجنة وابن يعسوب العرب وشمس ال عبد المطلب  
 وهتفت باشياخك تقربت بدمه الى الكفرة من اسلافك  
 ثم صرحت بنذارك ولعمرى لقد ناديتهم ولو شهدوك  
 وشيكا تشهدهم وان يشهدوك ولتود يمينك كما  
 زعمت شلت بك عن مرفقها وجذت واجبت  
 امك لم تحملك واباك لم يلدك حين تسير الى  
 سخط الله ومخاصمك رسول الله صلى الله عليه واله  
 اللَّهُمَّ خُذْ بِحَقِّنا وَانْتَقِمْ مِنْ ظالِمِنا واحل غضبك  
 بمن سفك دماؤنا ونقض ذمارنا وقتل حمايتنا وهتك عنا  
 سُدُّونا وفعلت فعلتك التي فعلت وما فريت الاجلدك  
 وما جزرت الا لحملك وسترد على رسول الله بما تحملت  
 من ذريته وانتهكت من حرمة وسفكت من دماء  
 عاترت ولحمته حيث يجمع به شملهم ويلعب  
 شعثهم وينتقم من ظالمهم وياخذ لهم بحقوقهم من  
 اعدائهم فلا يستغفر لك الفرح بقتله وَلَا تَحْسَبَنَّ  
 الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بَلْ أحياءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
 يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وحسبك  
 بالله وليا وحاكما ورسول الله خصيما ومجبريل ظهيرا  
 وسيعلم من بواك ومكتك من رقاب المسلمين ان بشر

للظالمين بدلا وايكم شر مكانا واضل سبيلا ط  
وما استصغاري قدرك ولا استغظامي تقريعتك لوهما  
لا فتجاع الخطاب فيك بعد ان تركت عيون المسلمين به  
عبري وصدورهم عند ذكر لا حري فتلك قلوب قاسية  
ونفوس طاغية واجسام محشوة بسخط الله ولعنة الرسول  
قد عشتش فيه الشيطان وفرخ ومن هنالك مثلك  
درج ما درج ونهض -

والعجب كل العجب تقتل الاتقياء واسباط الانبياء  
وسليل الاوصياء بايدي الطلقاء الخبيثة ونسل العهرة  
الفجرة تنظف افضهم من دماءنا وتحلب افواههم من  
لحومنا وللجثث الزكية على الجيوب الضاحية تتناجها  
العواسل وتغفرها الفواعل فلئن اتخذتنا مغنا لنجد  
بنا وشيكا مغرما حين لا تجد -

ألا ما قد مت يدك وما الله بظلام للعبيد فإلى  
الله المشتكى والمُعول واليه الملجأ والموئل ثم كد  
كيدك واجهد جهدك فوالذي شوقنا بالوحى والكتاب  
والنبوة والانتخاب لا تدرك امدنا ولا تبلغ غايتنا ولا  
تمحو اذكركنا ولا يرخص عنا عارها - وهل رايت الا  
فندوا ايامك الاعدد الا بدد يوم ينادى المنادى الا  
لعن الله الظالم العادى والمجد لله الذى حكم لاوليائه  
بالسعادة وختم لاصفيائهم ببلوغ الارادة ونقلهم الى

الرحمة والرافة والرضوان والمغفرة ولم يشق بهم غير  
ولا ابتلى بهم سواك ونسئله ان يكمل بهم الاجر  
ويجزل لهم الثوب والذخر ونسئله حسن الخلافة  
وجميل الانابة انه رحيم ودود ۛ

ترجمہ :- تعریف اس خدا کی جو رب العالمین ہے اور درود ہو  
میرے نانا سید المرسلین پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس کا قول سچ ہے کہ  
”انجام بُرے کام کرنے والوں کا بُرا ہو گا۔ جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا  
اور ان کا مذاق اڑایا۔

اے یزید! کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے  
آفاق تنگ کر دیے (یعنی زمین و آسمان تنگ کر دیے) اور ہم تیرے قیدی  
ہو گئے اس لیے کہ تیرے پاس قطار میں لائے گئے ہیں اور تو ہم پر غلبہ و اقتدار  
حاصل کر چکا ہے اور کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہم کو ذلت و رسوائی  
پہنچی اور تجھے عزت و توقیر، اور یہ ظاہری فتح جو تجھے نصیب ہوئی وہ تیری جلا  
قدر اور عظمتِ شان کی وجہ ہوئی اور تو اس پر ناک چڑھانے لگا (یعنی معزور  
ہو گیا) اور اترانے لگا۔ خوشی سے بغلیں بجانے اور شوخی کرنے اور گستاخی  
کرنے لگا۔ تو سمجھتا ہے کہ تجھے دنیا مل گئی اور تیرے معاملات مستحکم و منظم  
ہو گئے اور ہمارا ملک تیرے قبضہ میں آگیا اور ہماری سلطنت تجھے حاصل ہو گئی  
ٹھہر جا! جہالت سے اتنا نہ اچھل گیا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھول گیا وَلَا تَحْسَبَنَّ  
... الخ ... ”یعنی ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے کافروں کو اس لیے مہلت دی  
ہے کہ اس میں ان کی بھلائی ہے بلکہ اس وجہ سے مہلت دی ہے کہ ان کے گناہ  
زیادہ ہو جائیں اور وہ ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا ہوں“

اے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تو اپنی بی بیوں اور لونڈیوں کو توپس پردہ رکھے اور رسولؐ کی بیٹیوں کو قید کر کے در بدر پھرائے؟ تو نے ہماری ہتکِ حرمت کی، ہمارے چہروں کو بے نقاب کیا (تیرے حکم سے) اشقیاء ہم کو شہر بہ شہر پھرا رہے ہیں۔ ہمہ اقسام کے لوگ خواہ وہ پہاڑوں میں رہتے ہوں یا پانی کے چشموں پر خمیہ زن ہوں ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ قریب و بعید، غائب و حاضر شریف و رذیل، امیر و غریب سب کی نظریں ہم پر پڑ رہی ہیں اور ہماری حالت ہے کہ ہمارے مرد عزیزوں میں سے کوئی نہیں ہے اور نہ ہمارا کوئی معین و ناصر ہے۔ اے یزید! جو کچھ تو نے کیا ہے اس سے تیری خدا سے سرکشی اور رسولؐ اللہ سے انکار ثابت ہوتا ہے اور اس کتاب (قرآن) اور سنت کو رد کرتا ہے، جو رسولؐ اللہ خدا کی طرف سے لائے اور تیرا یہ فعل کوئی تعجب خیز اور حیرت انگیز بھی نہیں ہے اس لیے کہ جس کے بزرگوں نے شہیدوں کے جگر چاہے ہوں، جن کا گوشت اہل سعادت کے خون سے نشوونما پایا اور بڑھا ہوا، جنہوں نے سید الانبیاء سے جنگ کی ہو اور ان کے مقابلہ کے لیے احزاب (جتنے) جمع کیے ہوں اور رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں تلواریں کھینچیں ہوں وہ یقیناً اللہ و رسولؐ کے انکار کرنے میں تمام عربوں سے سخت اور کفر، طغیان و تعدی اور اللہ و رسولؐ کی دشمنی میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

یاد رکھ! کہ جو اعمالِ قبیحہ اور افعالِ شنیعہ تجھ سے سرزد ہوئے یہ طبائعِ کفر کا نتیجہ اور وہ دیرینہ کینہ ہے جو بدر کے مقتولین کی وجہ تمہارے دلوں اور سینوں میں موج زن ہے۔

جو شخص ہم کو عداوت، بغض اور کینہ کی نظر سے دیکھتا ہے وہ ہم اہل بیت رسولؐ سے دشمنی کرنے میں تامل نہیں کرتا۔ رسولؐ سے اپنا کفر ظاہر کر دیتا ہے اور ان



سے بھی کہہ دیتا اور خوش ہو ہو کر کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہ کے فرزندوں کو قتل اور ان کی دریت کو قید کیا اور اس کو گناہ اور امر عظیم نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ اگر اس کے بزرگ اس کے اس کا نامہ کو دیکھتے تو خوش ہو کر کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں کہ تو نے ہمارا انتقام لیا وغیرہ

اے یزید تو اس مجمع میں ابو عبد اللہ الحسین کے دندان مبارک کو چھڑی سے اذیت دے رہا اور بے ادبی کر رہا ہے حالانکہ وہ رسول اللہ کی بوسہ گاہ ہے اور تیرے چہرہ سے خوشی و مسرت ظاہر ہو رہی ہے۔

میری جان کی قسم کہ تو نے سردارِ جوانانِ اہل بہشت، یسوب العرب (علی) کے بیٹے، آفتابِ آلِ عبد المطلب کا خون بہا کر ہمارے زخم کو گہرا کر دیا اور حط کو زمین سے اکھاڑ دیا۔ حسین ابن علی کو قتل کر کے تو نے اپنے کافر اسلاف سے تقرب حاصل کیا اور فخر کے ساتھ انہیں صدا دیتا اور کہتا ہے کہ اگر وہ تجھے دیکھیں تو کہیں گے کہ اے یزید تو نے خوب کام کیا خدا تیرے ہاتھ شل نہ کرے۔ اے یزید اگر تو اپنے افعال و کردار پر غور کرے کہ تو کس امرِ عظیم کا مرتکب ہو تو یقیناً تو تڑپتا کرے گا کہ واقعی تیرا ہاتھ شل ہو کر کہنی سے علیحدہ ہو جائے اور بول لکھٹے گا کہ اے کاش میرے ماں باپ مجھے نہ جنتے کیونکہ تو محسوس کرے گا کہ خدا تجھ سے ناخوش ہو گیا ہے اور رسول اللہ تیرے خصم (دشمن) بن گئے ہیں۔

اے اللہ تو ہمارا حق ہم کو دلا۔ ہمارے ظالموں سے ہمارا انتقام لے اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہمارے خون بہائے، ہم سے عہد شکنی کی، ہمارے عزیزوں اور حامیوں کو قتل کیا، ہماری بے عزتی کی تو اپنا غضب نازل فرما۔

اے یزید جو کچھ کرنا تھا تو کر چکا لیکن یاد رکھ کہ تو نے اپنی ہی جلد کاٹی اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، تو عنقریب رسول اللہ کی حضور میں پیش

ہوگا اس گناہ کا بار لیے ہوئے جو کہ تو نے ان کی ذریت کے ساتھ کیا ہے یعنی ان کی عزت کا خون بہا کر اور ان کی ذریت کی ہتک حرمت کر کے۔ یہ وہ مقام و موقع ہوگا جہاں ان کی ذریت جمع ہوگی اور ان کے ظالموں سے انتقام اور ان کے دشمنوں سے بدلہ لیا جائے گا۔

سبیل سیکھنے حیدر آباد لطیف آباد

اے یزید تجھے نہ چاہیے کہ تو عزت رسول کو قتل کر کے خوشی سے اچھلے اور ہرگز یہ نہ خیال کر کہ (لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزُقُونَ ط فَبِرَحْمَتِ اللَّهِ بِنَا أَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ)۔ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے (شہید ہوئے) وہ مردہ ہو گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اور خدا کی طرف سے انہیں رزق پہنچ رہا ہے اور وہ خوش ہیں اللہ کی نعمت پر جو انہیں ملی ہے۔

تیری خبر لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔ رسول خدا تیرے خصم (مخالف دشمن) ہیں، جبرئیل تیرے مقابلہ میں ہماری پشت پناہ ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے تجھے سلطنت دی اور مسلمانوں کی گردنوں پر تجھ کو سوار کر دیا عنقریب جان لیں گے کہ ان کا کیا حشر ہوگا۔ ظالمین کا انجام بُرا ہے اور یہ کون جانتا ہے کہ تم میں سے بُرا کون اور گمراہ کون ہے۔

اے یزید میں نے اپنی تقریر میں جو تیری عزت گھٹائی اور تیرے عذاب کی شدت کا اظہار کیا۔ ہے اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ بعد اس کے کہ تو نے مسلمانوں کو رُلایا اور ان کے دلوں کو زنجیر کیا اس سے تو کچھ اثر لے اس لیے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے دل سخت، نفوس سرکش اور اجسام خدا کی نافرمانی اور رسول کی لعنت میں مبتلا ہیں، تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے دلوں میں شیطان نے گھونسے بنالے اور بچے دیے اور ان گھونسوں سے بچے نکلے جو نکلے دینی تو

بھی اسی ایک گھولنے کی پیداوار ہے۔)

تعب کا مقام ہے کہ نیک بندے جو انبیاء و اوصیاء کے فرزند ہیں وہ آزاد کردہ خبیث غلاموں اور فاسقوں اور فاجروں کی اولاد کے ہاتھوں قتل ہو جائیں، ہمارے خون سے ان کے ہاتھ رنگے جائیں اور ہمارا گوشت اُن کی غذا بنے۔ !!

افس ہے ان پاک بدنوں پر جو دشتِ بلا میں بے گور و کفن پڑے ہوئے ہیں اور جو تیروں کے زخم خوردہ ہیں۔

اے یزید! اگر تو ہمارے شکست کو غنیمت سمجھتا ہے تو یاد رکھ تجھے اس کا تاوان بھی ادا کرنا ہوگا اس روز جبکہ تجھے اپنے کیے کا پھل ملے گا۔ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ خدا ہی پر ہمارا بھروسہ ہے، وہی ہمارا ملجاء اور جائے پناہ ہے اور اسی سے ہماری امید و البتہ ہے۔

تو جتنا مکر کرنا چاہتا ہے کرنے اور جس قدر کوشش کرنا چاہتا ہے کرے، اس ذات کی قسم جس نے ہمیں وحی، کتاب اور نبوت و امتحان سے مشرف فرمایا ہے تو ہمارے درجات نہیں پائے گا اور نہ ہماری منزلت کو پہنچے گا، اور نہ تو ہمارے ذکر کو مٹا سکتا ہے۔ نہ اس ننگ و عار کو دور کر سکتا ہے جو تجھ پر ہم پر ظلم و ستم کرنے کی وجہ سے عائد ہوا ہے۔ تیری رائے کمزور اور دن گنتی کے ہیں۔ تیری جماعت منتشر ہو جائے گی اس روز جبکہ منادی ندا کرے گا کہ خدا کی لعنت ہے ظالم اور تعدی کرنے والے پر۔

تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے اپنے اولیاء کا خاتمہ بخیر کیا اور اپنے اصفیاء کی مرادیں پوری کیں۔ اور انہیں اپنی رحمت، مہربانی، خوشنودی کی طرہ بلالیا اور تو ان پر ظلم کر کے بد بختی اور شقاوت میں مبتلا ہو گیا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ان (اولیاء و اصفیاء) کی وجہ سے ہمارا اجر پورا کرے۔ ہمیں ثواب کثیر بخشے اور ہمیں حسنِ خلافت اور جمالِ امامت عطا فرمائے۔ وہ (خدا) مہربان ہے اور اپنے بندوں سے بہت محبت کرنے والا ہے۔

صاحب طراز المذہب تحریر فرماتے ہیں :-

”چوں یزید این نوع فصاحت و بلاغت و اشارات  
کنایات و احتجاج را از حضرت صدیقہ صغریٰ بدید  
دایں کلمات دہشت و سمنان درشت کہ از قوارع  
بلایا و مقارع منایا و دندانِ افعی و نیش مار گزندہ تر  
بود بشنید و دروفش از میزان و عدوانِ اگند تر  
گشت و از ہول و بہم نخی تو انست آں حضرت را  
و چار رنج و زحمت دارد و آبی بر آتش دل و سینہ  
برافشانند از راسے دیگر و عذرے دیگر برآمد و این  
شعر بخواند۔

”یا صیحتہ محمد من صوائحُ ہا اھون الموت علی النوائحُ“  
رازق الحیرمی صاحب نے اپنی تالیف ”سیدہ کی بیٹی“ میں جنابِ زینب  
سلام اللہ علیہا کے اس خطبہ کا ترجمہ دیا ہے لیکن ترجمہ اصل سے کسی قدر بدلا ہوا ہے  
لفظی نہیں ہے۔ بہر حال خطبہ درج کرنے کے بعد جو خیالات اس کے متعلق ظاہر فرمائے  
ہیں وہ ہم نقل کرتے ہیں :-

یزید کا دربار شایموں سے کچا کچ بھرا ہوا تھا مگر ایسا  
معلوم ہوتا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہے ہر شخص

بے حس و حرکت اس طرح بیٹھا یا کھڑا تھا جس طرح پتھر کی موتی، ان کی زبانیں اور ان کے ہونٹ چپکے ہوئے تھے۔ ان کے دل دریائے حیرت میں غوطے کھا رہے تھے۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب شیر خدا کی بیٹی لاکھوں کے مجمع میں شیر کی طرح دھاڑ رہی اور رعیت کے سامنے ان کے بادشاہ کو لگا کر رہی تھی۔ خود یزید انت پس پس لیتا۔ ہونٹ چباتا اور تانڈیچ کھا رہا تھا مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ سیدہ کی بیٹی کی تقریر روانی کا ایک شہر تھا کہ ابلا جلا آ رہا اور فصاحت کا ایک دریا تھا جو بے چلا جا رہا تھا اور کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس تقریر سے بی بی زینبؓ نے صدمت اور حق گوئی کا حق ادا کر کے اسلام کی ایک ناقابلِ فراموش خدمت انجام دی۔ اس تقریر سے شاہیوں کو معلوم ہو گیا کہ خلافت حکومت میں تبدیل ہو کر اسلام کو کیسا زبردست دھچکا لگا ہے۔“

علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا، تحریر فرماتے ہیں :-  
 ”حضرت زینبؓ کی شجاعت و جرات ایک مرتبہ دو مرتبہ سے مخصوص نہیں بلکہ اُس کا ظہور ہر اُس موقع پر ہوتا رہا جب مشکلات کا ہجوم اور مصائب کا اژدہام تھا جب کہ تماشا یوں سے بازار کو مٹھے اور برآمدے مملو تھے۔ کوفہ میں داخلہ کے وقت، کوفہ سے نکلنے کے

موقع پر، راہ میں، بازارِ شام میں، ہر مناسب موقع پر  
 زینبؓ کی زبان فریضۂ تبلیغ میں گویا تھی۔ انہوں نے حق  
 کو واضح کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انہوں نے  
 ہر موقع پر ایسی تقریر کی جو کسی ایسے خطیب سے بھی ناممکن ہے  
 جس کے لیے تمام خاطر جمعی اور راحت و اطمینان کے اسباب  
 موجود ہوں۔“ (ماخوذ از شہیدِ انسانیت)

## شرح

اصل خطبہ اور اس کا ترجمہ درج کرنے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند  
 مشکل الفاظ اور اشارات کی مختصر شرح بھی کر دیں۔

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اَسَآؤُا السُّوْاى . الخ۔ جنابِ زینبؓ  
 نے بعد حمد و صلوة اس آیتِ قرآنی سے خطبہ شروع فرمایا۔ یہ آیت سورہ روم میں  
 کفارِ عجم اور حکایتِ عاد و ثمود کے ضمن میں وارد ہوئی کہ کس طرح عجم مغلوب ہوئے  
 اور عاد و ثمود اپنے افعالِ شنیعہ اور کردارِ قبیحہ کی وجہ سے بلیات میں مبتلا اور ہلاک  
 ہوئے۔ جنابِ زینبؓ کا اس آیت سے خطبہ ابتداء کرنے کا مقصد یہی تھا کہ ظاہر فرمادیں  
 کہ جیسا کہ عاد و ثمود ہلاک و تباہ ہوئے اسی طرح یزید اور اس کے ساتھی بھی ہلاک  
 ہوں گے اور ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو عاد و ثمود اور کفارِ عجم کا ہوا۔ اس کے علاوہ  
 یہ بتادینا مقصود تھا کہ جو لوگ خدا کی آیات کا تمسخر اور استہزاء کرتے ہیں وہ مثل  
 کفار اور مشرکین کے ہیں

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا... الخ الا یتد: اس آیت کے معنی  
 ترجمہ میں دیدیے گئے ہیں۔ جنابِ زینبؓ نے یزید کی فتنہ وغیرہ کا حال بیان فرمادیا

کے بعد اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ٹھہر جا ٹھہر جا کیا تو خدا کا یہ ارشاد بھول گیا اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یہ آیت، یہود و نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے متعلق ہے۔ خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ، مشرکین و منافقین کو جو مہلت دنیا میں دی یعنی ان کی عمریں دراز کیں اور ان کے لیے اسباب دنیا فراہم کیے وہ اس لیے نہیں ہے کہ ان کے لیے بہتری و بہبودی ہو بلکہ اس لیے کہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہو اور جتنا چاہیں وہ ظلم و جور کر لیں تاکہ عذاب سخت کے مستوجب ہو جائیں۔ پس جناب زینبؓ نے یزید اور اس کے ساتھیوں کو بتا دیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ خدا نے جو تم کو مہلت دی ہے وہ اس لیے ہے کہ خدا نے تم میں خیر و نیکی پائی بلکہ اس لیے کہ تم کو پورا موقع دے کہ تم خوب معاصی میں مبتلا ہو اور پھر تمہاری گرفت کرے۔

یا ابن الطلقاء۔ طلاق جمع ہے طلیق کی، طلیق اس کو کہتے ہیں جو قید ہو کر پھر آزاد کر دیا گیا ہو۔ اسلام میں طلاق وہ لوگ کہے جاتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد بطور قیدی آنحضرتؐ کے پاس پیش کیے گئے اور آپؐ نے انہیں آزاد فرمادیا۔ جمع البحرین میں ہے کہ فتح مکہ کے روز جب سب قریش ایک جگہ جمع کیے گئے تو آنحضرتؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا ما سترون انی فاعل بکم یعنی اے قریش تمہارے ساتھ میں کیا سلوک کروں گا اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ قریش نے جواب دیا کہ ہمارا گمان ہے کہ آپؐ ہم سے اچھا سلوک کریں گے اور ہم آپؐ سے سوائے خیر و خوبی کے اور کچھ نہ دیکھیں گے اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اذہبوا فانتم طلقاء یعنی جاؤ تم سب آزاد کر دیے گئے۔ تواریخ میں ہے کہ ابوسفیان اور ان کے فرزند معاویہ سرداران مشرکین و کفار بھی اس جماعت میں شریک تھے اور خائف و ترسائے تھے کہ دیکھیں رسول اللہؐ ان کے لیے کیا سزا بخویر فرماتے ہیں لیکن جب رسول اللہؐ نے

آزادی کا اعلان فرمادیا تو خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے گھر واپس ہوئے۔ جناب زینبؓ نے خطبہ میں یزید کو یا ابن الطلقاء فرما کر اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ ابوسفیان یزید کا دادا اور معاویہ اس کا باپ یہ دونوں طلقاء سے تھے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے الطلیق لایورث یعنی آزاد کردہ وارث نہیں ہو سکتا۔ پس یزید اور اس کے باپ دادا کی کسانتہلت تھی ظاہر ہے اور یہ کیوں کر وارث خلافت رسولؐ ہو سکتے تھے۔

مَنْهَلٌ : بفتح میم وسکون نون وفتح ہاء : معنی میں مشرب یعنی پانی پینے کی جگہ کے ہے صحرا دیابان میں ہر جگہ پانی میسر نہیں ہوتا بلکہ خاص جگہ ملتا ہے اور وہاں قافلے اور مسافر وارد ہوتے اور سیراب ہوتے ہیں۔  
مَنْقَلٌ : بروزن مقعد ہے اُس راستہ کو کہتے ہیں جو پہاڑوں میں گذرتا ہے۔

إِحْناء : بکسر ہزہ ہے اس کے معنی بغض و کینہ ہیں۔ حدیث میں آیا ہے وَفِي قُلُوبِكُمُ الْبَغْضَاءُ وَالْإِحْنَاءُ۔

شَلَّ : بفتح شین وتشدید لام۔ راندن کے معنی رکھتا ہے اور شَلَلٌ ہاتھ خشک ہو جانے کو کہتے ہیں۔ مقام نفرین میں کہا جاتا ہے۔  
أَشَدَّهَا اللَّهُ۔

فَرِيتٌ جلدك وما جززت إلّا لحملك یعنی تو نے اپنی ہی جلد کو شگافہ کیا اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ ہمارا خیال ہے کہ جناب زینبؓ نے اس قول میں اُس قرابت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو امام حسینؑ اور یزید کے درمیان تھی۔ عبد مناف کے کئی لڑکے تھے جن میں سے ہاشم اور امیہ بھی تھے۔ ہاشم کی اولاد میں آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ ہیں۔ امیہ کی اولاد



الوسفیان، معاویہ اور یزید ہیں۔ اس طرح یزید امام حسین کا چچا ابھائی ہوتا ہے  
 پس جبکہ یزید نے باوجود اس قرابت کے امام حسین کو شہید کیا تو گویا اپنی ہی جلد  
 چاک کی اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے کیے۔ بعض مسلمان علماء جو خارجی اور  
 ناصبی تھے اس سے فائدہ اٹھا کر کہہ گئے ہیں کہ امام حسین اور یزید دو شہزادے  
 تھے اور عزیز تھے جو آپس میں لڑے ایک کو فتح ہوئی دوسرے کو شکست پس اس  
 میں حسین کے لیے تاسف یا گریہ و بکا کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ یزید کو ملامت  
 کرنا درست ہے۔ یہ علماء یقیناً حضرت نوح اور ان کے بیٹے کا واقعہ بھول گئے  
 جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت نوح کا بیٹا جب ان سے منحرف ہوا اور ہلاک  
 ہو گیا تو مردود و ملعون ہو گیا۔ اسی طرح یزید اور اس کے اسلاف جب پیغمبر وقت  
 سے پلٹ گئے اور آپ سے برسرِ پیکار ہوئے تو باوجود اس قرابت کے جو ان کو  
 آنحضرت سے تھی مردود و ملعون ہو گئے اور کوئی ذی عقل اور صاحب ایمان  
 ان کو محض آنحضرت کی قرابت کی وجہ سے اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اور نہ  
 یہ فعل جائز و درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت اور ابو جہل کی مثال ہے۔  
 ابو جہل آنحضرت کا چچا تھا جس نے رسول اللہ سے مخالفت کی تھی۔ ان علماء  
 کے نظریہ کے بموجب تو مسلمانوں کو ابو جہل کو بھی برا نہ سمجھنا اور برا بھلا نہ کہنا چاہیے۔  
 فَرْعَل : بچہ گفتار کو کہتے ہیں اور اس کی جمع فَرَاعِل ہے۔ کہتے ہیں  
 کہ جب فَرْعَل کشندگان کے لاشوں پر آتا ہے تو خوش ہو کر ایسا منہ کھولتا ہے  
 کہ گویا ہنس رہا ہے۔

اصدم : کنپٹی کی دو شریانوں کو کہتے ہیں۔ یہاں مطلب اُس حصہ  
 سے ہے جو آنکھوں اور کانوں کے درمیان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جاء یضرب  
 اصدم یہ یعنی سر پیٹا آیا۔ ابن اثیر اپنی کتاب "نہایہ" میں لکھتے ہیں کہ حدیث  
 میں آیا ہے : یضرب اصدم یہ ۔

# باب

## حالاتِ سفرِ اہل بیتؑ از دمشق تا مدینہ منورہ

\*\*\*

روایات میں ہے کہ نعمان ابن بشیر اثناء سفر میں اہل بیتؑ کی تعظیم و تکریم کا بجز لحاظ رکھتے تھے حتیٰ کہ جہاں قافلہ اُترتا تو اپنا خیمہ اور سپاہیوں کے خیام اہل بیتؑ کے خیموں سے ایک میل کے فاصلہ پر نصب کراتے تھے تاکہ یہ بزرگوار آزادی سے رہ سکیں۔ اور کسی نا محرم کی نظر اُن پر نہ پڑے۔ اہل بیتؑ جس منزل پر اُترتے تھے وہاں مجلسِ عزاء برپا کرتے اور وہاں کے لوگ شریک ہوتے تھے۔

ابن طاووس نے روایت لکھی ہے کہ جب اہل بیتؑ سرزمینِ عراق میں داخل ہوئے تو جناب زین العابدینؑ نعمان بن بشیر سے کہا کہ کہلا لے چلے۔ نعمان نے سماعاً و طوعاً کہا اور قافلہ کو کہلا پہنچا دیا۔ جب اہل بیتؑ حاضرِ شریف میں داخل ہوئے تو حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ اور ایک جماعت بنی ہاشم ساداتِ آلِ رسولؐ کو حضرت سید الشہداءؑ کی حرقہ منورہ پر پایا جو سب زیارت کے لیے آئے تھے۔ اہل بیتؑ نے یہاں قیام فرمایا اور سب نے مل کر مجلسِ عزاء برپا کی خوب نالہ و ماتم کیا اور پھر جانبِ یثرب روانہ ہوئے۔ کتابِ لہوف، عوام اور منتخب شیخ طریح میں بھی یہ روایت اور تقریباً ہی واقعات بتائے گئے ہیں۔ اعظم کوئی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ اہل بیتؑ مع سرہائے شہداء مدینہ جاتے ہوئے مین صفر کو کہلا وارد ہوئے۔ جناب امام زین العابدینؑ کمر بستے

شہداء کو ابدانِ ظاہرہ سے ملحق فرمایا اور بعد ادائی مراسمِ عزاداری راہی مدینہ ہوئے۔  
امام زین العابدین کا سرہائے شہداء کا ساتھ لانا اور کربلا میں بدلوں کے  
ساتھ ملحق کرنا، خصوصاً سرِ اقدس سید الشہداء کی تدفین بحثِ طلب ہے اس  
پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ آئندہ روشنی ڈالیں گے۔

سبط ابن جوزی نے اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے امالی میں یہ روایت بھی  
ہے کہ روزِ اربعین یعنی مبین صفر کو یہ واقعات پیش آئے۔ اگرچہ انہوں نے  
سال کا تعین نہیں کیا لیکن ظاہر ہے کہ واقعہ دوسرے سال اربعین کا  
ہے۔ ان دونوں کی روایات میں جابر بن عبد اللہ انصاری کی ملاقات کا  
ذکر نہیں ہے۔

مقتل ابی مخنف میں روایت ہے کہ اہل بیت کو بلا آئے حضرت  
جابر سے ملاقات ہوئی اور اہل بیت نے چند روز قیام کیا اور مراسمِ عزاداری  
بجلائے۔ اس میں انہوں نے نہیں بتایا کہ کب اہل بیت کو بلا پہنچے اور سرہائے  
شہداء کی تدفین کا بھی ذکر نہیں ہے۔

کتاب الفصول المہمہ میں اہل بیت کے مدینہ جاتے ہوئے کو بلا آنے  
اور قیام کرنے کا ذکر ہی نہیں ہے۔

ابو مخنف نے اپنے مقتل میں محمد بن حسن حرملی نے وسائل الشیعہ میں  
صاحب روضۃ الاذکار و سید بن طاووس نے اہل بیت کا اربعینِ اول کو کربلا  
آنا اور حضرت جابر سے ملاقات کرنا لکھا ہے۔

ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ روزِ اربعین  
امام حسین کی زیارت پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے اس لیے کہ اس روز اہل بیت  
کو بلا تشریف لائے اور امام زین العابدین نے سرہائے شہداء کو بدلوں سے

ملحق اور دفن فرمایا۔

فی زماننا شیعوں میں یہی خیال عام طور پر رائج ہے کہ اربعین کو اہلبیتؑ اطہار وارد کر بلا ہوئے اور سرہائے شہداء کو دفن فرمایا۔

مختلف روایات درج کر دینے کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حسب ذیل امور پر تنقیدی نظر ڈالیں۔

(۱) امرِ اول یہ کہ بعد شہادت امام حسینؑ اہل بیتؑ اطہار کر بلا آئے یا نہیں؟ اگر آئے تو کتنے دفعہ اور کب؟

(۲) امرِ دوم یہ کہ حضرت جابر سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کب ہوئی؟

(۳) امرِ سوم یہ کہ امام زین العابدینؑ سر اقدس حضرت امام حسینؑ اور سرہائے شہداء ہمراہ لائے اور دفن فرمایا یا نہیں اور اگر دفن فرمایا تو کب دفن فرمایا؟

امرِ اول کے متعلق یہ ہے کہ کتب مقاتل و اخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلبیتؑ دو دفعہ کر بلا آئے، یہاں قیام فرمایا اور مراجم عزاداری بجالائے پہلی دفعہ

کو قہ سے دمشق جاتے ہوئے کر بلا پہنچے اور اربعین کر بلا میں کیا چنانچہ ہم نے اوپر ان روایات کو درج کیا ہے جن سے ظاہر و ثابت ہوا کہ سترہ یا اٹھارہ صفر

کو اہل بیتؑ وارد کر بلا ہوئے اور بیس صفر تک قیام کیا۔ دوسری دفعہ یعنی شام سے مدینہ جاتے ہوئے اہل بیتؑ کا کر بلا آنا اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے لیکن

اکابر علماء شیعہ مثلاً شیخ مفید، علامہ مجلسی، علامہ حلی لکھتے ہیں کہ اہل بیتؑ دمشق سے براہ راست مدینہ چلے گئے۔ کر بلا گئے اور نہ وہاں قیام کیا مولانا سید

اولاد حیدر صاحب فوق "صحیفۃ العابدین" میں لکھتے ہیں کہ باتفاق فریقین ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ بروزِ اربعین داخل کر بلا ہوئے مگر اختلاف

یہ ہے کہ بعض بروزِ گوار شام سے مدینہ جاتے ہوئے کر بلا روزِ اربعین پہنچا بتاتے

ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کوفہ سے شام جاتے ہوئے کربلا میں قیام کیا۔  
 متضاد اور مختلف روایات کی موجودگی میں تصفیہ کرنا بہت مشکل ہے  
 کہ صحیح تاریخی واقعہ کیا ہے۔ قیاس و قرینہ سے کہا جاسکتا ہے کہ پہلی دفعہ  
 یعنی کوفہ سے شام جاتے ہوئے اہل بیتؑ کا کربلا آنا اور دو تین روز قیام  
 کر کے مراسم عزاداری کا، بجالانا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اُس وقت اہل بیتؑ  
 کو بطور قیدی اسقیاء شام لے جا رہے تھے اور اُن ملاعین کو بیدار رکھنا چاہتے  
 تھے کہ اہل بیتؑ کو جلد تر دمشق پہنچا دیں، تو ایسی صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ  
 اُن بزرگواروں کو کربلا جانے، وہاں قیام کرنے اور مراسم عزاداری بجالانے کی  
 اجازت دیتے۔ کوفہ سے دمشق تک جو منازل بتائے گئے ہیں تو بعض روایات  
 میں تو قادیسیہ منزل بتائی گئی ہے اور بعض میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے۔ روایات  
 میں ہے کہ جب یزید نے اہل بیتؑ کو قید سے رہائی اور مدینہ جانے کی اجازت  
 دی تو جناب زینبؑ نے اس شقی کو کہلا بھیجا کہ ایک مکان خالی کر دے تاکہ قبل  
 روانگی مجلس عزاداری کی جائے اس لیے کہ شہادتِ حشیں کے بعد سے مراسم عزاداری  
 بجالانے کا موقع نہیں دیا گیا۔ جناب زینبؑ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ  
 کوفہ سے شام آتے وقت اہل بیتؑ کو کربلا جانے، وہاں قیام کرنے اور مراسم عزاداری  
 بجالانے کا موقع نہیں ملا ورنہ آپ یہ نہ فرماتیں کہ ”اب تک ہم کو عزاداری کا موقع  
 نہیں دیا گیا“ اور صاحب طراز المذہب کا خیال ہے کہ اہل بیتؑ طہرین  
 کوفہ سے شام جاتے وقت کربلا نہیں آئے اور نہ حضرت جابر سے ملاقات ہوئی  
 تحریر فرماتے ہیں ”اما بیان اول کہ اہل بیتؑ در البین اول بزیارت مرقد  
 منورہ آمدہ باشند و با جابر ملاقات نمودہ باشند بدلائل حسیہ و عقلیہ و نقلیہ و خبریہ  
 بعد است کہ محل اعتناء و نشاید شمر د“ صاحب طراز المذہب کی رائے سے ہم

کو بھی اتفاق ہے۔

شام سے مدینہ جاتے ہوئے اہل بیت طاہرین کا کر بلا آنا، قیام فرمانا اور مراسم عزاداری بجالانا بالکل قرین عقل و قیاس ہے اس لیے کہ اس دفعہ سب گزادیتھے دلیل سفیر نعمان ابن بشیر ہمدرد، دوستان آل محمد سے تھے اس لیے جناب زینب کے احکام کی تعمیل یقیناً کی ہوگی۔ اور کر بلا لائے ہوں گے۔

امر دوم یہ ہے کہ اہل بیت کی ملاقات حضرت جابر سے ہوئی یا نہیں۔ ہوئی تو کب ہوئی؟ روایات سے یہ تو بالکل ثابت ہے کہ حضرت جابر ایک گروہ کے ساتھ امام حسین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اب رہا یہ کہ اربعین اول کو آئے یا دوسرے سال روز اربعین آئے، تو اس کے متعلق بھی روایات میں اختلاف ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت جابر دوسرے سال آئے ہوں گے۔ اور اسی زمانہ میں اہل بیت بھی شام سے مدینہ جاتے ہوئے کر بلا پہنچے اور حضرت جابر سے ملاقات ہوئی۔ امام حسین کی شہادت دسویں محرم کو واقع ہوئی اور ایک عرصہ تک شہروں اور قریلوں کے باشندوں کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی بلکہ بندریچ لوگ اس سے واقف ہوتے گئے ایسی صورت میں اس کا امکان کم تھا کہ حضرت جابر اس خبر وحشت سے فوراً مطلع ہوتے اور اربعین اول کو کر بلا پہنچتے یہ ہمارا محض خیال ہے لیکن ایقان کے ساتھ اس خبر کی تردید نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ حضرت جابر اکابر صحابہ رسول اللہ سے تھے اور آل رسول کے بڑے عاشق شیدائے تھے۔ جب انہیں امام حسین کی مدینہ سے جانب عراق روانگی کی اطلاع ہوئی ہو گی تو ضرور آپ کے حالات اور واقعات سے باخبر رہے ہوں گے (بلکہ کیا عجب آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش بھی کی ہوگی اور کسی مجبوری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے) جیسے ہی امام علیہ السلام کی شہادت کی خبر پائی اٹھ کھڑے

ہوئے اور کربلا پہنچ گئے ہوں گے۔ پھر سال دوم بھی زیارت کے لیے آئے ہوں گے اور اہل بیت سے ملاقات ہوئی ہوگی۔

طراز المذہب میں کتاب محزون البکاء، کتاب تنظلم الزمر سے ایک روایت درج کی گئی ہے جو دراصل اعش کی کتاب بشارۃ المصطفیٰ سے اخذ کی گئی ہے کہ عطیہ عوفی راوی ہیں کہ جب حضرت جابر یوم اربعین زیارت حضرت سید الشہداء کے لیے کربلا آئے تو میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دیکھا کہ وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر زیارت مرقد منورہ سے مشرف ہوئے اور اس کے بعد مجھ سے کہا کہ مجھے کوفہ لے چلو۔ اس روایت میں اہل بیت کے کربلا آنے اور حضرت جابر سے ملاقات ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ صاحب طراز المذہب یہ روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہے کہ اربعین اول کے زمانہ میں جب حضرت جابر کربلا آئے تو اہل بیت سے ملاقات نہیں ہوئی بلکہ بعد زیارت حضرت جابر نے کوفہ میں قیام کیا اور وہاں سے کبھی کبھی زیارت کے لیے آتے تھے۔ سال دوم اربعین میں بھی زیارت کو آئے اور اس دفعہ اہل بیت سے ملاقات ہوئی۔

تیسرا امر یہ ہے کہ آیا امام زین العابدین نے سرہائے شہداء ہمراہ لا کر دفن فرمائے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں بھی روایات مختلف ہیں ہم ایک علیہ باب میں تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

# باب ۱۶

## حالات جنابِ یزیدؓ زمانہ قیامِ کربلا

کتاب لورالہ بصر میں روایت ہے کہ دمشق سے مدینہ جاتے ہوئے بنی صفور کو اہل بیتؓ کربلا پہنچے۔ جب قتل گاہ میں آئے تو دیکھا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ صبح ایک گروہ بنی ہاشم موجود ہیں۔ سب نے مل کر خوب عزاداری کی اطراف و اکناف کے قرلوں کی عورتیں بھی شریکِ عزا ہوئیں۔

فاضل خراسانی اپنی تالیف "حرقة الفواد" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب

الکامل اور

یزیدؓ جب قتل گاہ میں پہنچیں تو خود  
 عرض کی۔ یا اخواہ یا اجاہ و یا  
 لسان اشکو الیک من ال  
 اللہام ومن اُمّی المصائب  
 او من شہاتۃ اهل الشہادۃ  
 ترجمہ : اے میرے بھائی  
 اے ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کہ  
 کروں جو ہم پر کوفہ و شام میں گذر  
 پہنچائیں کن کن مصائب کا ذکر کرو  
 اور اس شہادت کا جو اہل کوفہ و شام  
 کتاب ریاض الشہادت میں  
 ہے وقتِ مرقہ منور سے لپٹ کر فرمایا



زندہ شام میں میں نے آپ کے تئیں کی نگرانی اور پاسبانی کی اور ایسی حفاظت کی کہ جو تازیانے اُن کے لیے بند ہوتے تھے وہ میں اپنے ہیم پر لے لیتی تھی اور کبھی بہن اُم کلثوم بچوں کو بچانے کے لیے خود کوڑوں کی مار برداشت کر لیتی تھیں۔

روایات میں ہے کہ زمانہ قیام کربلا میں جناب زینبؓ بیحد مغوم و محزون و گریہ کن رہیں اور جب آپ کو وہاں سے روانہ ہونے کے لیے کہا گیا تو انکار فرمایا۔ جناب امام زین العابدینؓ سے فرمایا۔ یا علیؑ یا قرۃ عینی دعنی اقیم عند اخی حتیٰ جاء یوم وعدی لانی کیف یلقی اهل المدینۃ واری الدور الخالیۃ۔ (لے علیؑ ابن الحسینؑ لے قرۃ العین مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے بھائی کے پاس رہوں یہاں تک کہ میری موت آجائے میں کیونکہ اہل مدینہ سے ملاقات کر سکوں گی اور خالی گھروں کو دیکھ سکوں گی!) جناب امام زین العابدینؓ نے عرض کی کہ بھوپا اماں آپ کا ارشاد مجباً ہے کہ سب عزیز و اقربا کو کھو کر ہم کیونکر مدینہ جائیں اور خالی گھروں میں رہیں لیکن خدا کی رضا اسی میں تھی اور نانا رسول اللہؐ کا حکم بھی یہی تھا جو بابا حسینؑ بجالا۔ بہر حال امامؑ کے سمجھانے، منت و سماجت کرنے پر جناب زینبؓ کربلا سے نہایت مدینہ روانہ ہوئیں۔

سبیل سکنہ حیدر آباد لطف آباد

لکھا ہے کہ جب اہل بیتؑ نے کربلا میں قیام فرمایا اور صبح و شام شدت سے نالہ، گریہ و بکا کرتے رہے تو بالآخر نعمان ابن بشیرؓ امام زین العابدینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، اے سید و سرور میرے میں آپ پر فدا ہو جاؤں اگر بیسیوں اور بچوں کی گریہ و زاری کا یہی حال رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ لہذا اب روانگی قافلہ کی اجازت ہو۔ امامؑ نے اجازت دی۔ نعمان نے محلیں تیار کرائیں اور کوچ کا اعلان کیا۔

روانگی سے قبل اہل بیت میں کہرام برپا ہوا۔ ہر ایک بی بی نے نظم و نثر میں  
 بین کیا اور خوب روپیٹ کر روانہ ہوئے۔ جب اہل بیت مدینہ سے حضرت  
 امام حسین کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو سید و سردار امام حسینؑ اور اٹھارہ بی  
 ہاشم ساتھ تھے اب جبکہ امام و آقا اٹھارہ عزیزوں کو کھوکھو کر لوٹ و غارت کری  
 اسیری و بے پردگی، دربدی کے مصائب برداشت کر کے ان بزرگواروں نے  
 مدینہ کا رخ کیا ہوگا تو ان کے قلوب کا کیا حال ہوا ہوگا اور ان پر کیا گذری  
 ہوگی اس کا اندازہ کرنے کے لیے تصور شرط ہے۔ الفاظ میں اس حالت و  
 کیفیت کی تصور کسی بالکل ناممکن ہے۔

# باب

## حالاتِ سفر از کربلا تا مدینہ منورہ

بحر المصائب میں روایت ہے کہ کربلا سے روانہ ہونے کے بعد اہل بیت جب پہلی منزل پر پہنچے تو ہاتھ کی آواز سُنی کہ حضرت سید الشہداء کے مرثیہ کے طور پر اشعار پڑھ رہا ہے۔ اہل بیت یہاں قیام فرمایا۔ اطراف و اکناف کے اعراب بادیہ کی کثیر تعداد جمع ہو گئی اور ماتم سرائی و عزاداری حسینِ براہ ہوئی۔ منزل دوم پر بھی زن و مرد جمع ہوئے اور مجلسِ عزاء برپا ہوئی منزلِ پنجم پر بھی لوگ جمع ہوئے، مجلسِ عزاء منعقد ہوئی اور جناب زینبؑ نے مصائبِ روزِ عاشورا و ذنائبِ جنابِ خاص آلِ عبدالنظم میں بیان فرمائے بحار الانوار میں یہ ابیات ہیں۔

روایت ہے کہ جب منزلِ نہم میں اہل بیت کا قیام ہوا تو جناب زینبؑ نے جناب فاطمہؑ الزہراء کو مخاطب کر کے کہا۔ "یا اُمّہا رجعنا و قلوبنا مقروحة و حفوننا من الیکما بحر و حة و رجالنا مقتولة و اموالنا منهویة (اے اماں ہم مدینہ واپس آئے ہیں لیکن ایسی حالت سے کہ ہمارے قلوب مجروح ہیں۔ روتے روتے ہمارے سینہ و شکم متضرر ہوئے ہیں۔ ہمارے مرد قتل کر دیے گئے، ہمارا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔)

کتب اخبار میں لکھا ہے کہ منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے اہل بیت مدینہ پہنچے۔ ہر منزل پر زن و مرد جو جو حاضر ہوتے تھے اور مجلسِ عزاء برپا ہوتی

تقی اور مراسم عزا داری بجالاتے تھے۔

مفتاح البکام میں روایت ہے کہ جب مدینہ قریب آیا تو نعمان بن بشیر امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے سیدہ سردار آپ کے جد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ کا شہر دکھائی دے رہا ہے یہ سن کر امامؑ نے ایک آہ سرد بھری اور رونے لگے۔

تجمع المصائب، مہج الاحزان، محرقة القلوب، روضۃ المصائب، تحفۃ الذاکرین، جلال العیون اور محزن البکام قتل میلانی ان سب کتابوں میں روایت ہے کہ جب اہل بیتؑ نے سوادِ مدینہ دیکھا تو امام زین العابدینؑ نے ایک ایسی آہ سرد بھری کہ معلوم ہوتا تھا گویا آپ کی روح پرواز کرنے والی ہے۔ جناب زینبؑ نے بیبیوں کو پکار کر کہا۔ اے بیبیو! اے بہنو! عمار یوں سے اتر جاؤ، پیدل ہو جاؤ کہ مدینہ آگیا۔ نانا رسول اللہ کا روضہ منور نظر آ رہا ہے سب بیبیاں اتر پڑیں، سیاہ جھنڈے بلند کیے گئے اور سب کی نالہ و فغاں سے خروشِ محشر نمایاں ہوا۔

# باب

## ورود اہل بیت اطہار در مدینہ حلالہ مدینہ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت سیدھے مدینہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ شہر سے کچھ فاصلہ پر اتر گئے چندے قیام فرمایا پھر شہر میں داخل ہوئے۔

لہوف میں لکھا ہے کہ جب قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا تو جناب امام زین العابدین علیہ السلام اتر پڑے، نیچے نصب کرائے اور سب بیسیوں کو اتار کر خیموں میں پہنچایا۔

ابن اثیر نے تاریخ کامل میں اور شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے روایت لکھی ہے کہ جب اہل بیت اطہار مدینہ کے قریب پہنچے تو شہر کے قریب ایک مکان میں اترے اور اس کے اطراف خیمے نصب کیے گئے۔ جناب فاطمہ بنت امیر المومنین علی علیہ السلام نے جناب زینب سے عرض کی کہ نعمان بن بشیر نے ہم کو نہایت تعظیم و تکریم، آرام و راحت کے ساتھ مدینہ پہنچایا ہے پس چاہیے کہ ہم سے جو کچھ بھی ممکن ہوا ہمیں بطور صلہ دیں۔ جناب زینب نے فرمایا ”خدا کی قسم کہ ہمارے پاس اس وقت کوئی چیز ایسی نہیں جو ہم بطور صلہ نعمان کو دیں مگر ہاں میں اپنا حلقہ اور چند چیزیں دستی ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے ایک حلقہ دست بند مرسلہ اور قلادہ نعمان ابن بشیر کے پاس بھیجا اور معذرت کی کہ اس سے زیادہ کچھ نہ دے سکیں گے۔ نعمان ابن بشیر نے یہ سب چیزیں واپس کیں اور کہلا بھیجا کہ میں نے مال دنیا کی طرح سے یہ خدمت انجام نہیں دی ہے بلکہ خدا گواہ ہے کہ صرف خوشنودی خدا اور رسول کے لیے۔

بحر المصائب اور بعض کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ جب اہل بیت طہرین مدینہ سے قریب اترے اور غیہ نصیب کئے تو دریاں میں جناب امام حسین علیہ السلام کا خیر نصیب کیا گیا جو شہادت کے بعد اب تک نصیب نہیں ہوا تھا اور اس میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی مسند بچائی گئی۔ جب جناب زینبؓ نے خیر اور مسند دیکھی تو آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ بیہوش ہو گئیں اور جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا۔ یا اخی یا حسین ہولاء جدک واملک و اخوک الحسن و ہولاء اقرباؤک و موالیک ینظرون قدومک و مسؤلون عنی فما جوابی۔ فکیف اتکلم و ما لسانی یا نور عینی قد قضیت نجی و اوتتتی حزنا طویلا مطولاً یا لیتنی مت و کنت نسیاً منسیاً۔

ترجمہ: اے بھائی! اے حسین! یہ آپ کے نانا۔ آپ کی اماں آپ کے بھائی حسن اور آپ کے اعزاء و اقرباء، دوست و موالی آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں اور آپ کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہیں۔ اے بھائی بتائیے میں انہیں کیا جواب دوں اور کس زبان سے۔ آپ تو قضا کر گئے اور مجھے حزن و غم طویل کا وارث کر گئے۔ اے کاش میں پہلے مر گئی ہوتی اور مجھے بھلا دیا گیا۔

پھر مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ یا ایا مدینۃ جدی فاین یومنا الذی قد خرجنا منک بالفرح و المسرۃ و الجمح للجماعۃ و لکن رجعنا الیک بالاحزان و الالام من حوادث الزمان و الانا مفقدنا الرجال و البنات تفرق شملنا الشتات دخل الزمان علینا و فرق بیننا ان الزمان مفرق الاحباب) ترجمہ: اے نانا کے مدینہ کہاں ہے وہ دن جب ہم خوش خوش تھے

سے نکلے تھے اور ہماری جماعت کثیر تھی۔ آج ہم تیری طرف حوادثِ زمانہ کی وجہ سے  
ہجوم و غموم لیے واپس آئے ہیں۔ ہم نے اپنے مردوں اور لڑکیوں کو کھود دیا۔  
ہماری جماعت پر اگندہ ہو گئی۔ زمانہ نے ہم کو پریشان کر دیا اور زمانہ ہمیشہ  
احباب کو براگندہ کرتا ہے۔

اس کے بعد جناب زینبؑ نے روضۃ الرسولؐ کی طرف منہ کر کے کہا کہ  
یا جد اہانا ناعیتہ الیک من بنا تک و بنیک۔ "اے نانا  
میں آپ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی سنانی لائی ہوں" پھر اہلِ مدینہ کی طرف  
متوجہ ہوئیں اور فرمایا۔ یا اهل الشرب والبطحا: "اے اہلِ شرب  
و بطحار اتنا کہہ کر ایک ایسی آہ جگر خراش کی کہ قریب تھا کہ آپ کا کلیجہ  
پھٹ جائے پھر فرمایا: ابن الاحباء والاصدقا ابن الرجال  
والہاشمیات ہلا یحبون ولم یحبیون و ہلا یساعدونی  
اولم یعلوا ما اصابنا وما اصبنا افلا ینظرون الی الرجال  
المذبحہ والدماء المسفوحہ والابدان المسلوبہ و  
الاموال المنہوبہ والجیوب المشقوقات والصارخات  
والخیام الخالیات المہزقات۔

ترجمہ: کہاں ہیں ہمارے دوست احباب۔ کہاں ہیں ہمارے  
ہاشمی مرد اور عورتیں وہ کیوں نہیں آتے اور کیوں مجھے جواب نہیں دیتے اور  
کیوں ہماری مدد نہیں کرتے۔ کیا ان کو ہمارے مصائب کا علم نہیں، کیا وہ  
ہمیں دیکھتے ہمارے ذبح کیے ہوئے مردوں کو، ہمارے پتے ہوئے خوں  
کو، ہمارے چھینے ہوئی چادروں کو، لٹے ہوئے مال و اسباب کو، کیا وہ نہیں  
دیکھتے کہ ہمارے دامن چاک ہیں۔ ہمارے بچے رو رہے ہیں، ہمارے شیے

خالی اور پھٹے ہوئے ہیں۔) لکھا ہے کہ جناب زینبؓ کی بقیہ رازی و اضطرار کا اس وقت یہ عالم تھا کہ آپ کبھی اُسٹھتی تھیں کبھی بیٹھ جاتیں اور کبھی زمین پر گر پڑتی تھیں اور بیسیوں سے فرماتی تھیں کہ مجھے کسی طرف صحرائیں نکل جانے دو، میرے لیے ممکن نہیں کہ شہر میں داخل ہوں بنی ہاشم اور اہل مدینہ کو منہ دکھاؤں اور ان کے سوالات کا جواب دوں۔

یہاں ہم ایک نفسیاتی نکتہ پر روشنی ڈالتے ہیں تقریباً سب مورخین صاحبانِ مقاتل و اخبار اس پر متفق ہیں کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ کے قریب پہنچنے کے بعد اہل بیت اطہار کو راست شہر مدینہ اور گھروں کو نہیں لے گئے بلکہ چندے شہر کے باہر قیام فرمایا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ یہ ایک نفسیاتی نظریہ ہے کہ اگر کسی انسان کو کوئی بڑی وحشت ناک یا دردناک خبر یا کوئی غیر معمولی خوش خبری یکدم سُنادی جائے تو بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر ہلاک نہ بھی ہو تو اُس کا دماغ اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ جنون اور بدحواس ہو جاتا ہے۔ خبر چاہے خوشی کی ہو یا غم کی بتدریج سُنانی جائے تو سُسنے والے پر اتنا صدمہ اور اثر نہیں ہوتا۔ جناب امام زین العابدینؓ جو حجت اللہ اور امام وقت تھے اور جو علم لدنی کے حامل تھے اس نفسیاتی راز سے بخوبی واقف تھے۔ اگر یکدم اہل بیت کو مدینہ لے جاتے اور بیت الشرف میں داخل ہوتے تو خالی گھر کو دیکھ کر یقیناً اتنا صدمہ ہوتا کہ بیسیوں کے کلیجے پھٹ جاتے دم نکل جاتے اس لیے امام علیہ السلام نے ایسا انتظام فرمایا کہ اہل بیت مدینہ کے باہر کچھ قیام فرمائیں۔ مدینہ کو دور سے دیکھیں، بنی ہاشم اور اہل مدینہ جمع ہوں پر سہ دیں اور اہل بیت روپیٹ کر کچھ دل کی آگ بجھالیں پھر قدرے تسکین و سکون ہو جائے اور شہر مدینہ میں داخل ہوں اور بیت الشرف



تشریف لے جائیں۔

کتابِ مقاتل میں مسطور ہے کہ جب حضرت سید الشہداء کا لٹا ہوا قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا اور اہل مدینہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو کوئی گھر میں نہ رہا سب مرد و زن سیاہ لباس پہنے سرو پا برہنہ منہ پر طاپخے مارتے بال نوچتے گرد و غبار میں اٹے ہوئے قیام گاہ اہل بیت پر پہنچ گئے اور وہاں اس قدر آہ و بکا نالہ و فریاد کیا کہ قیامت کا منظر نظر آیا۔

صاحبِ ریاض المصابئ تحریر فرماتے ہیں کہ پانچ وقت مدینہ میں شورشِ بزرگ اور آشوبِ عظیم واقع ہوا۔ ایک وہ وقت جب اُحد کے روز آنحضرت کی شہادت کی غلط خبر پھیلی۔ دوسرا وہ وقت جب آنحضرت کی وفات واقع ہوئی۔ تیسرے جب جناب امیر علیہ السلام کی شہادت کی اطلاع آئی چوتھے جب جناب امام حسین آخری دفعہ مدینہ سے جانبِ عراق روانہ ہوئے پانچواں وہ وقت جب اہل بیت رہا ہو کر شام سے مدینہ آئے۔

بحر المصابئ میں کتابِ عمان البکاء اور میلانی سے روایت ہے کہ جب اہل بیت مدینہ کے قریب ایک مکان میں اترے اور لٹا ہوا اسباب رکھ دیا گیا اور سب بیٹھے ہوئے مشغول نالہ و بکا تھے تو یکایک اہل مدینہ، زنانِ مہاجر و انصار کا غلغلہ سنا تو جناب زینب نے فرمایا کہ ان کا استقبال کرنا چاہئے چنانچہ آپ اور سب بیبیوں نے سیاہی کیا۔ جب زنانِ مدینہ کی ان سیاہ پوش بیبیوں پر نظر پڑی اور مکان میں سولے امام زین العابدین کے اور کسی مرد کو نہ پایا تو انہوں نے ایک کہرام برپا کیا۔ اس کے بعد کچھ عورتیں جناب زینب کے اطراف جمع ہوئیں کچھ جناب ام کلثوم اور دوسری بیبیوں کے پاس چلی گئیں۔ یتیم بچوں کو گودوں میں لے کر تسلی و دلاساہ دینے لگیں۔ جب عورتوں نے جتا

زینبؓ سے پریش احوال کی تو آپؐ نے جو کچھ مصائب گزرے تھے یعنی حضرت سید الشہداء اور شہدائے کربلا کے شہادت کے حالات ان کے لاشہائے بے سر کا بلا غیل و کفن و دفن چھوڑ دیا جانا، خیام کا لٹنا اور جلنا، اہل بیت کی امیری، در بدری، جناب سکنے کی قید خانہ شام میں وفات وغیرہ کا حال اس قدر دردناک پیرائے میں بیان فرمایا کہ سامعین میں تہلکہ پڑ گیا۔ گریہ و بکا سے قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔

روایت ہے کہ جب زمانہ مدینہ اہل بیت کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو جناب زینبؓ کو پہچان نہ سکیں اس لیے کہ کثرتِ مصائب و آلام جسمانی و روحانی سے آپؐ کی صورت و شکل میں تغیرِ عظیم واقع ہو گیا تھا۔ اُمّ لقمان حضرت عقیل ابن ابی طالب کی ہمیشہ نے اپنے بھائی اور بھتیجوں کی شہادت پر ندبہ فرمایا اور مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

ایہا القاتلون ظلما حسینا البشروا بالعذاب والتشکیل  
(اے حسینؑ کو ظلم سے قتل کرنے والو! تمہیں خوش خبری ہو عذاب و تشکیل کی۔)  
روایت ہے کہ جب امام زین العابدینؑ نے دیکھا کہ اہل بیت کے گریہ و بکا میں شدت ہوتی جا رہی ہے تو آپؑ نے جناب زینبؓ اور بیٹی کو صبر و سکون کی تلقین فرمائی اور مدینہ چلنے کے لیے کہا۔ جناب زینبؓ نے فرمایا کہ اے علی ابن الحسینؑ! تم امام اور حجتِ خدا ہو تمہارا حکم واجب التعمیل ہے لیکن ہم ہی بتاؤ کہ بھائی حسینؑ کے بغیر میں کیونکر مدینہ میں داخل ہوں اور خالی گھر میں جاؤں تم مجھے اجازت دے دو کہ میں صحرا و بیابان میں نکل جاؤں اور وہیں اپنی عمر گزار دوں۔ القصہ سب بیبیاں اٹھیں اور مدینہ جانے کے لیے ایک جگہ جمع ہو گئیں۔ عزاداروں، سوگواروں کی ہیئت سے جانب مدینہ روانہ ہوئیں۔

جب جناب ام کلثومؓ کی شہر مدینہ پر نظر پڑی تو آپ نے شدت سے گریہ فرمایا اور چند اشعار پڑھے۔ جس کے پہلے شعر کا مطلب یہ تھا۔ ”اے ہمارے نانا کے شہر ہم کو قبول نہ کر کیونکہ ہم غم و حسرت لیے ہوئے تیری طرف آئے ہیں۔“ بعض کتب میں یہ اشعار جناب زینبؓ کے بتائے گئے ہیں۔ لکھا ہے کہ جب آپ کی مدینہ پر نظر پڑی تو آپ نے روضہ رسول اللہؐ کی طرف منہ کیا اور کھڑے ہو کر دعا کی۔

”یا جَدُّنا لَشَكُوْا اِلَيْكَ بَنُو امِيَّةٍ“ (اے نانا ہم آپ سے بنی امیہ کی شکایت کرتے ہیں۔) اور پھر وہ اشعار پڑھے جس کے پہلے شعر کا مطلب ابھی اوپر لکھا گیا ہے۔

ابو مخنف نے روایت لکھی ہے کہ اہل بیتؑ روزِ جمعہ مدینہ میں داخل ہوئے۔ اس روز اہل مدینہ کے رونے پیٹنے کا وہی عالم تھا جو روزِ وفاتِ پیغمبرؐ تھا۔ جناب ام کلثومؓ بروایت جناب زینبؓ قبر رسول اللہؐ پر پہنچیں اور کہا یا جَدُّا اِنِّیْ نَاعِیْتُ اِلَيْكَ وَلَدُكَ الْحَسَّیْنَ (اے نانا میں آپ کے پاس آپ کے فرزند حسینؑ مظلوم کی سنانی لاتی ہوں۔) مرقدِ منور سے ایک ایسا نالہ بلند ہوا کہ لوگ روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ مولانا رازؒ القحیری نے جناب زینبؓ کے ان دلی جذبات اور کیفیات کو جو رسول اللہؐ اور جناب فاطمہ الزہراؑ کے روضوں پر پہنچنے کے وقت ہوں گے خوب ادا فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

”تمازِ ظہر کا وقت تھا جب بی بی زینبؓ کا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا۔۔۔ سیدھی سرور کائنات کے مزارِ مبارک پر پہنچیں۔ اس وقت دل کی جو حالت ہوئی ہوگی الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے۔ بین فریاد،

نالہ و شیون زبان سے کچھ نہ کہا لیکن آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور دل جو کچھ عرض کر رہا ہوگا اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے۔

نانا جان! آپ کی نواسی، آپ کی جگر گوشہ آپ کی پیاری بیٹی فاطمہ زہرا کے آنکھوں کا نور اور آپ کے دل کا سرور، آپ کی زینبؑ وہ زینبؑ جو آپ کے مبارک کندھوں پر جب آپ سجدہ میں ہوتے سوار ہوتی تھی، وہ زینبؑ جسے آپ گود میں لیتے اور پیار کرتے تھے، اپنے پیارے بھائیوں، اپنے عزیز بھتیجیوں اور اپنے چاند سے بیٹوں کو دین مستقیم اور اسلام کی بقاء کی خاطر قربان کر کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوئی ہے۔ ہائے کیسی سنگدلی اور بیدردی کے ساتھ سفاکوں نے ان پر تیرہ سائے اور تلواریں چلائی ہیں۔ ان کا قصور بس یہ تھا کہ انہوں نے اسلام کا انہدام منظور اور اس شخص کی بیعت قبول نہ کی جس کی دادی نے اُحد کی لڑائی میں امیر حمزہؑ کا کلیجہ چبایا تھا جس کا دادا منافق تھا۔ جس کے باپ نے خلافت کے حصول کے لیے مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا۔ میرے باپ کو طرح طرح سے پریشان کیا اور ان پر تہمتیں رکھیں اور الزامات اٹھائے تھے۔

نانا جان! آپ کے آگے جبریل جیسے فرشتے کا سر

جھکتا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کی ذریت آپ کے  
 اہل بیت اصول اسلام کے خلاف مطالبہ پر سر تسلیم  
 خم کر سکتے تھے جسٹین بھائی اور ان کے ساتھیوں  
 نے اپنی جانیں دینی منظور کیں مگر یہ منظور نہ کیا کہ ان  
 کی وجہ سے اسلام کو ضعف پہنچے اور آپ کی ناموس  
 پر حرف آئے۔ ہم لوگ گنتی میں بہت تھوڑے تھے اور وہ  
 لوگ بہت زیادہ، مگر اس پر بھی انہوں نے جبر و تعدی  
 ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ جس دریا سے درند اور پرند پیرا  
 ہو رہے تھے اس پر پیرہ لگا دیا گیا اور تین دن تک آپ کے  
 پیاروں کے خلق میں پانی کی ایک بوند نہ گئی ہم نے فساد  
 مٹانے کے لیے راستہ طلب کیا تو انہوں نے راستہ بند  
 کر دیا اور چاروں طرف سے گھیر کر ایسے میدان میں  
 محصور کر دیا جہاں نہ کوئی درخت تھا نہ امن و سکون  
 کی جگہ۔ دھوپ کی شدت اور آفتاب کی تمازت  
 نے ان کے جسموں کو جھلس دیا اور پانی میسر نہ آنے  
 کی وجہ سے ان کی زبانیں باہر نکل آئیں لیکن آپ  
 کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے والوں نے ایک قدم  
 بھی پیچھے نہ ہٹایا اور آپ کے دین کے لیے آپ ہی کا  
 کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں دس محرم کو سرکٹا کر  
 جانیں دیدیں۔ جس جسم کو آپ کھجے سے چمٹاتے تھے سر  
 الگ کرنے کے بعد اس پر گھوڑے دوڑائے گئے اور

جن کانوں پر آپ نے لب ہائے مبارک رکھے تھے  
 اُن کو گوشوارے گھسیٹ کر لہو لہان کیا گیا۔ آپ  
 نے حاتم طائی کی بیٹی کو چادر اڑھائی تھی مگر آپ کی  
 نواسیاں پھٹے پکڑوں کھلے چہروں رسیوں سے بندھی  
 ہزاروں آدمیوں کا تماشا بنیں۔

متعدّد کتب و مقاتل و تاریخ میں لکھا ہے کہ پندرہ روز تک  
 اہل مدینہ مراسم عزاداری و سوگداری بجالائے۔ یوں تو اہل بیت اور دوستانِ  
 اہل بیتؑ عر تمام سوگوار رہے لیکن پندرہ روز تک شب و روز مراسم عزاداری  
 ادا ہوتے رہے۔

صاحبانِ بصیرت، عاشقانِ حسین اگر ان مصائب کو جو حضرت  
 سید الشہداء، شہدائے کربلا اور اہل بیتؑ پر کربلا، کوفہ و شام میں گزرے اور  
 پھر اہل بیتؑ کے مدینہ آنے، اہل مدینہ حضرت محمد حنفیہ حضرت ام البنین جناب  
 فاطمہ صغریٰ اور دوسرے بنی ہاشم سے ملاقات کرنے، مرقدر رسول اللہ  
 فاطمہ الزہراءؑ حسنؑ مجتبےؑ پر جانے کے پرورد حالات و واقعات بغور  
 پڑھیں تو عمر بھر ایسا روئیں گے کہ آنکھوں سے دریا بہہ جائیں اور صحراؤں  
 کو ترکریں بلکہ آنسوؤں کے عوض خونِ دل و جگر روئیں گے جو دشت و صحرا  
 کو لالہ گوں کر دیں گے اور اس کے بعد سبھی ان مصائبِ عظمیٰ کی تلافی نہ ہوگی۔



# باب ۱۹

بیان وفات حضرت صدیقہ صغریٰ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا

— پی —

جناب زینب سلام اللہ علیہا کی تاریخ وفات اور مدفن کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ بحر المصاب میں مسطور ہے کہ جناب زینب پر واقعہ کربلا اور ان بلاؤں اور رزمتوں کا جو آپ پر کوفہ و شام میں وارد ہوئیں اس قدر اثر ہوا کہ آپ کے موتے مبارک سفید ہو گئے، آپ کی کمر خمیدہ ہو گئی دائم الحزن رہیں یہاں تک کہ رحلت فرمائی۔ اس ہی کتاب میں یہ بھی روایت ہے کہ شام سے لپی کے چار مہینے بعد جناب ام کلثوم کا انتقال ہوا اور اس کے اسی روز بعد جناب زینب نے ایک رات اس قدر گریہ فرمایا اور منہ پیٹا کہ بیہوش ہو گئیں اور اس ہی عالم بیہوشی میں مرغِ روح قفسِ غصہ سے جدا ہو کر شاخسارِ ریاضِ رضواں میں اپنا آشیانہ بنالیا۔

بعض کتب میں ہے کہ جناب زینب نے ایک شب جناب فاطمہ الزہرا کو خواب میں دیکھا اور بیدار ہو کر شدت سے گریہ فرمایا اور اسی سے آپ کا انتقال ہو گیا۔

صاحب انوار الشہادۃ، بحر المصاب اور متعدد کتب کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یزید کے فسق و فجور، کفر و شقاق اور امام حسین کو قتل کرانے کی وجہ سے اہل مدینہ اس ملعون سے متنفر ہو گئے اور اس کی بیعت توڑ دی۔ عبداللہ بن زبیر نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکر

گراں کے ساتھ اہل مدینہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ اہل مدینہ کو قتل کرے ان کے ملک و اموال تاراج کر دے۔ اہل بیت رسولؐ کو اسیر کر کے شام روانہ کر دے۔ بنی ہاشم کے حملہ کو ویران کر دے مسلم بن عقبہ علیہ العن مدینہ پہنچا اور مدینہ کو غارت کرنے اور قتل عام کرنے کے بعد بنی ہاشم کے حملہ کو سہارا کر دیا اور اہل بیت کو قید کر کے بڑے رنج و آلام کے ساتھ دمشق روانہ کیا۔ عورتوں اور بچوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور یہ بھوکے پیاسے منزلیں طے کرتے تھے جب دمشق سے ایک منزل کا فاصلہ باقی رہا اور سوادِ دمشق نمودار ہوئی تو جناب زینبؓ نے گریہ کنناں درگاہ حضرت ذوالمننؓ میں دست بدعا ہوئیں کہ اے خداوند مہربان، اے پناہ بیکیساں، اے یادِ درمندگان ہم غریبوں اور بیکیسوں پر رحم کر اور مجھے موت عطا فرما تاکہ میں پھر حالتِ اسیری میں یزید کی مجلس میں پیش نہ کی جاؤں۔ جناب معصومہؓ کی دعا قبول ہوئی۔ آپ یکایک علیل ہو گئیں اور حضرت سجادؓ کو طلب فرمایا اور کہا کہ یہ میری آخری علالت ہے میں اس مرض سے جانبر نہ ہوں گی اور پھر چند دھیتیں فرمائیں کہ بیٹا جب تمہارے پدرِ گرامی جامِ شہادت نوش فرمانے چلے تھے تو بیواؤں اور یتیموں کی نگرانی میرے سپرد کی تھی اب میں تم کو ان کا محافظ اور نگران قرار دیتی ہوں۔ دوسرے یہ کہ جب تم مجلسِ یزید میں جانا تو احتیاط اور نرم کلامی سے کام لینا اس لیے کہ اگر وہ شقی تمہارے قتل کا حکم دے تو تمہارا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ جب اپنے پدرِ بزرگوار کا سر پانا تو میری طرف سے اس کے پوسے لینا اور عرض کرنا کہ آپ کی بہن زینبؓ نے آپ کے فراق میں جان دیدی اور اس کا دل کباب ہو گیا۔ چوتھے یہ کہ جب میری روح پرواز کرے تو عورتوں کے ذریعہ میرا غسل و کفن کرانا اور تم نمازِ جنازہ پڑھنا یا پانچویں



یکہ بعد دفن میری قبر پر تلاوت قرآن کرنا اس لیے کہ میں اس بیابان میں غریب ہوں۔ ان وصایا کے بعد سب بیبیوں کو وداع کیا۔ بچوں کو بلا کر گلے لگایا پیار کیا، رونے لگیں اور موت کے آثار نمودار ہوئے آپ نے کلمہ شہادتیں جاری فرمایا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ حَْدٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اَنْ اَبٰی وَّلٰی اللّٰهُ۔ آپ کی روح مقدس پرواز کر گئی اور آپ کے آباء و عظام اہل بیت کرام کی ارواح مقدسہ سے ملحق ہو گئی۔ آپ کے انتقال کے بعد جناب امام زین العابدین نے غسل کے لیے اشقیاء سے پانی طلب کیا تو کسی ملعون نے کہا کہ تم لوگ خارجی ہو اس لیے تمہاری اموات کے لیے غسل جائز نہیں۔ پانی نہیں ملا اور امام علیہ السلام نے غسل کے عوض تیمم دلایا اور وہیں حوالی دمشق میں آپ کو دفن فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب امام زین العابدین نے دعا کی۔ زمین سے پانی جاری ہوا اور آپ نے جناب زینب کو غسل دلایا۔ اس روایت میں جو جناب زینب کی وصیتیں ہیں ان کے متعلق صاحب طراز الزہری تحریر فرماتے ہیں :

” ہرگز در نظر بیچ خردمند پسند نیاید۔ چکو نہ با امام زمان و حجت یزدان ایں گو نہ سخن می کنند و آنگہی مثل حضرت زینب کسی کہ اورا عالمہ و فہیمہ و عارفہ و کاملہ در لسان امام می خوانند و دیگر این کہ سر مبارک امام حسین مگر در آل وقت در شام بود یا مکان معینہ داشت کہ با امام وصیت فرماید کہ آل سر مبارک را در عوض بہوس۔“

ترجمہ : کوئی عقلمند اس بات کو نہیں مان سکتا کہ جناب زینب جن کو

خود امام نے عالم، فہیمہ، عارفہ اور کاملہ کہا ہوا امام زمان حجت خدا زین العابدینؑ کو اس قسم کی وصیتیں فرمائی ہوں گی۔ پھر یہ کب یقین تھا کہ سر مبارک جناب امام حسین علیہ السلام دمشق میں یا کسی مقام معین پر ہے کہ آپ فرمائیں کہ سرِ مٹھر کے میرے عوض بوسے لو۔

ہمارا خیال ہے کہ جناب زینبؑ نے وصایا تو فرمائی ہوں گی لیکن ممکن ہے کہ روایت کے الفاظ میں رد و بدل ہو گیا ہو اور کچھ کا کچھ لکھ دیا گیا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ راوی اول نے کچھ کہا ہو صحیح کہا ہو اور مرور ایام کی وجہ سے بعد میں جو روایت کی کتابت ہوتی رہی اس میں الفاظ میں تغیر ہوتا گیا۔

شیخ محمد بغدادی اپنی کتاب منتخب السیر میں یہ روایت لکھتے ہیں کہ یزید نے بعد شہادت امام حسینؑ چاہا کہ اپنے افعالِ شنیعہ کو چھپائے اور ان سے خود کو بری ثابت کرے تو ان اعمال کو ابن زیاد سے منسوب کرنے لگا جب حضرت عبداللہ بن جعفر کے انتقال کی اطلاع اس کو ہوئی تو جناب امام زین العابدینؑ کو خط لکھا اور اس خط میں اظہارِ ارادت و خلوص کرتے ہوئے لکھا کہ میں آپ کی بھوپتی جناب زینبؑ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آلِ فاطمہؑ کے بدن کا مس کرنا باعثِ نجات و رستگاری ہوتا اور بہشت میں داخل کرتا ہے۔ پس آپ جناب زینبؑ کو باحشام و عزت شام روانہ فرمادیں۔ امام زین العابدینؑ نے یہ خط جناب زینبؑ کو دکھایا۔ آپ پڑھ کر شدت سے گریہ فرمانے لگیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ گریہ و زاری نہ فرمائیں بلکہ سفر اختیار فرمائیں اس لیے کہ یہ آپ کا سفرِ آخرت ہوگا۔ یزید کو آپ کا دیدار تک نصیب نہ ہوگا آپ حوالی شام میں وفات فرمائیں گی۔ جناب زینبؑ حسب ہدایت امام زین العابدینؑ

سفر کی تیاری فرما کر شام روانہ ہوئیں اور جب اس منزل پر پہنچیں جہاں آپ کا مرقہ مدفون ہے تو آپ کو مرگ یزید کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے وہیں خیمہ نصب کرایا اور اتر گئیں۔ آپ کے خیمہ کے عقب میں ایک باغ تھا جس میں ایک نہر بہتی تھی۔ آپ باغ میں چلی گئیں اور نہر کے کنارے بیٹھی ہوئی اپنے مصائب پر گریہ فرمانے لگیں یہاں تک کہ بیہوش ہو کر نہر میں گر گئیں، نہر کا پانی رُک گیا اور باغبان نے یہ سمجھ کر کہ کوئی چیز پانی کو روک رہی ہے پیچھے مارا جو آپ کی پشانی پر پڑا پشانی کو شگافتہ کر دیا۔ آپ کے ملازم و خادم اس طرح مجروح حالت میں آپ کو خیمہ میں لائے۔ مالک باغ کو اس ساتھ عظیم کی اطلاع ہوئی تو حاضر ہو کر جناب معصومہ سے معذرت کی اور آپ نے قبول فرمایا اور مالک باغ نے اقرار کیا کہ اگر اس صدمہ سے آپ فوت ہو جائیں تو آپ کو اسی باغ میں دفن کر دے گا اور باغ آپ کے نام پر وقف کر دے کر دے گا۔ چنانچہ آپ کی شہادت ہو گئی اور آپ باغ میں دفن ہوئیں۔

صاحب طراز المذہب اہل بیت کے دوبارہ اسیر ہو کر شام جانے کے متعلق چند روایات لکھ کر اور محمد بغدادی شافعی کی یہ روایت درج کرنے کے بعد ان پر تنقید کی ہے اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے فرماتے ہیں کہ اہل بیت کے دوسری دفعہ قید کیے جانے اور یزید کی جناب زینب سے نکاح کی درخواست کے متعلق جو روایات ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اول تو متقدمین کی کتب میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر یزید کے کئی سال بعد تک زندہ رہے۔ ایسی صورت میں یزید کے نکاح کی درخواست کا امکان ہی نہ تھا۔

تیسرے یہ کہ یزید اہل بیت کو اسیر کرنے کے بعد چاہے وہ پشیمانی سے ہو

یافتہ و فساد کے خوف سے قید سے رہا کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ مدینہ واپس کیا۔ پس بلا وجہ دوبارہ قید کرنے اور شام طلب کرنے کی اس کو ضرورت ہی نہ تھی۔ چوتھے یہ کہ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلم بن عقبہ کو مدینہ کی غارتگری کے لیے یزید نے روانہ کیا تو بطور خاص تاکید کی کہ جناب امام زین العابدینؑ اور اہل بیت سے معترض نہ ہونا اور انہیں کوئی گزند نہ پہنچانا۔ ہم کو صاحب طراز المذہب کی رائے سے اتفاق ہے کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں خصوصاً محمد بغدادی شافعی کی روایت۔ یہ ان روایات موضوعہ سے معلوم ہوتی ہے جو ہر دور ہر قرن میں اہل بیتؑ کے مخالفین و معاندین ان کی منقصت اور شان کھٹانے کے لیے وضع کر لیتے تھے۔ یزید کا جناب زینبؑ سے نکاح کی درخواست کرنا ایک ایسی لغو و جہل بات ہے کہ اس کو عقل سلیم مان نہیں سکتی۔ اول تو تواریخ سے ثابت ہے کہ جناب زینبؑ کے شوہر حضرت عبداللہ یزید کی موت کے بہت بعد تک زندہ رہے، دوسرے جناب زینبؑ کی شخصیت، عظمت و جلال کی کیفیت آپ کے خطبات و ارشادات سے اور ان مکالمات سے جو جناب زینبؑ اور یزید کے درمیان ہوئے اس شقی پر بخوبی واضح و روشن ہو گئی تھی اس کے بعد اس کی ہر گز جرات نہیں ہو سکتی تھی کہ اس قسم کی درخواست کا تصور کرتا۔ بجز اس کے کہ کثرت زنا کاری، شراب خوری اور جفا کاری سے اس کی عقل مختل ہو گئی ہو۔ یہ دیوانہ ہو گیا ہو۔ اہل بیتؑ کا دوبارہ قید ہو کر شام جانے کا مسئلہ بھی تحقیق طلب ہے۔ جیسا کہ صاحب طراز المذہب نے لکھا ہے متقدمین کی کتب میں اس کا ذکر نہیں ہے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ ایسا نہ ہوا ہوگا لیکن دمشق میں اہل بیتؑ رسولؐ کے کئی بزرگواروں کی قبور بتائی جاتی ہیں۔ مثلاً جناب ام کلثومؑ، جناب زینہؑ جناب سکینہؑ۔

بعض شیعہ حضرات کا خیال ہے کہ سوائے جناب سکینہؑ کے مزار کے دوسرے جو مزارات بتائے جاتے ہیں وہ نقلی ہیں۔ یہ بزرگوار نہ پھر شام آئے اور نہ یہاں انتقال فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اہل دمشق نے ترکوں کی حکومت کے زمانہ میں ان مزارات کے نام سے معاشیں پیدا کرنے اور متولی کی خدمات حاصل کرنے کے لیے یہ قبور قائم کر لیے اور انہیں اپنا ذریعہ معاش بنا لیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ عبدالملک کے حکم سے جناب امام زین العابدینؑ کو دوبارہ شام لے جانے لگے تو جناب زینبؑ آپ کے ساتھ ہو گئیں اور دمشق کے قریب ایک باغ میں منزل کی۔ امام حسینؑ کو یاد کر کے گریہ وزاری فرما رہی تھیں کہ باغبان جو خراج و ناصبی تھا آپ کے سر مبارک پر سیلچہ مارا اور اس صدمہ سے آپ انتقال فرما گئیں اور اسی باغ میں دفن ہوئیں۔ آج کل کے ذاکرین مجالس میں بھی یہی روایت بیان کرتے ہیں۔

صاحب خصائص زینبیہ نے روایت لکھی ہے کہ یزید کے محل میں ایک طاق مخصوص تھا جس میں بروایت سراقس امام حسین علیہ السلام رکھا جاتا تھا اور اس میں سر مبارک کا خون جم گیا تھا۔ جب مسیب خراعی نے خروج کیا اور اہل بیت اطہار کو کوہ لبنان سے باہر لایا تو جب حضرت زینبؑ کی نظر اس خون پر پڑی تو اسی وقت جوارِ رحمت حق سے آپ واصل ہوئیں اور اسی طاقچہ کے قریب آپ کا دفن ہوا اور اس پر ایک مسجد بنادی گئی جو مسجد اکبر بھی جاتی تھی۔ یہ روایت عجیب و غریب ہے۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت کو کوہ لبنان کے کسی مقام پر قید رکھا گیا تھا جہاں سے مسیب انہیں رہا کر کے دمشق لائے اور یہاں جناب زینبؑ نے طاقچہ میں خون دیکھا اور صدمہ سے انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئیں۔ اگر حقیقتاً اہل بیت لبنان کے کسی مقام پر قید تھے

تو یہ پہلا قید نہیں ہو سکتا اس لیے کہ تواریخ اور مقاتل سے ظاہر و ثابت ہے کہ پہلی دفعہ جب اہل بیت قید ہو کر کوفہ سے شام لائے گئے تو یزید نے انہیں دمشق میں مقید رکھا اور یہاں سے ہی رہا ہو کر یہ بزرگوار مدینہ گئے۔ ایسی صورت میں یہ دوسری دفعہ کا قید ہونا چاہیے۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ عبدالملک کے حکم سے امام زین العابدین علیہ السلام دوبارہ گرفتار کیے گئے اور دمشق لائے گئے اور آپ کے ہمراہ جناب زینب بھی آئیں۔ اگر یہ روایات صحیح ہوں تو اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ اس دفعہ ان بزرگواروں کو لبنان کے کسی مقام پر نظر بند کیا گیا ہو لیکن ہمارے خیال میں یہ روایت ضعیف اور غیر صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اہل بیت کی مکرر گرفتاری کی روایات خود ضعیف اور غیر صحیح سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مسیب خزامی کا لبنان تک پہنچنا صحیح نہیں ہے۔

روایت متذکرہ بالا میں جو طاقہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ طاقہ اب تک موجود ہے یزید کے محل کا وہ وسیع ہال جس میں وہ دربار منعقد کیا کرتا تھا جس میں اہل بیت بھی لائے گئے تھے اس شقی کے بعد مسجد کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور اس کا نام مسجد اموی رکھا گیا۔ چنانچہ اب بھی وہ مسجد ہی ہے۔ اس ہال سے متصل یزید کا خانگی توشہ خانہ تھا اور اس توشہ خانہ کے ایک طاقہ میں طشت طلا میں سر اقدس حضرت امام حسین رکھا گیا تھا۔ یہ طاقہ اب تک موجود ہے اور لوگ یہاں زیارت پڑھتے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ جناب زینب اپنے شوہر حضرت عبداللہ ابن جعفر کے ساتھ دمشق آ رہی تھیں۔ دمشق کے قریب پہنچ کر یکایک علیل ہو گئیں اور انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئیں۔

صاحب طراز المذہب لکھتے ہیں کہ بعض اہل خبر لکھتے ہیں کہ ایک سال

مدینہ میں سخت قحط ہوا اور حضرت عبداللہ بن جعفر اپنے عیال کے ساتھ شام روانہ ہوئے تاکہ چند روز وہاں قیام کریں اور قحط رفع ہونے کے بعد مدینہ واپس ہوں حضرت عبداللہ نے شام پہنچنے کے بعد دمشق سے قریب ایک قریہ میں سکونت اختیار کی اور یہاں جناب زینب علیل ہوئیں وفات پائی اور دفن ہوئیں۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ جناب معصومہ کا انتقال قاہرہ میں ہوا اور آپ وہیں دفن ہوئیں۔ چنانچہ اب بھی مصر میں آپ کا روضہ بتایا جاتا ہے۔ قاہرہ میں دو تین جگہ آپ کی فریح بتائی جاتی ہے۔ ایک قناطر اساع میں ہے۔ یہاں جو قبر ہے اس پر کتبہ ہے اور اس پر لکھا ہے۔ ہذا قبر زینب بنت احمد بن عبد اللہ بن جعفر بن محمد بن محمد بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم : کتبہ سے خود ظاہر ہے کہ یہ قبر جناب زینب کی نہیں ہے بلکہ حضرت محمد حنفیہ کی اولاد سے کوئی بی بی زینب ہیں۔

اس کے علاوہ قاہرہ میں ایک مسجد ہے جو ”جامع سیدتنا زینب“ کہی جاتی ہے اور اس میں جناب زینب کا مزار بتایا جاتا ہے لیکن بعض باخبر اہل مصر کا بیان ہے کہ یہ مسجد مصر کے خلیفہ فاطمیہ کے کسی خلیفہ کی بہن نے تعمیر کرائی تھی جن کا نام زینب تھا اور اس میں جو قبر ہے وہ بھی ان ہی کی ہے۔ الغرض یہ مصر والی روایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ تواریخ سے جناب زینب کا کسی وقت بھی مصر تشریف لے جانا پایا نہیں جاتا۔ رازق الحجری صاحب نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ جناب زینب مصر تشریف نہیں لے گئیں۔ چنانچہ کتاب ”سیدہ کی بیٹی“ میں لکھتے ہیں :-

”بعض مورخین کا بیان ہے کہ بی بی زینب نے مصر میں

وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے مگر مورخین یہ

نہیں بتاتے کہ مصر کا سفر کیوں کیا اور وجہ کیا تھی؟

قیاس زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ ابن جعفر تاجر تھے اور بسلسلہ تجارت دور دراز شہروں اور مختلف ملکوں میں جاتے رہتے تھے تعجب نہیں کہ حادثہ کربلا کے بعد مدینہ واپس آکر جب بی بی زینبؓ اُداس اور غمگین رہنے لگیں تو اُن کی المناک زندگی کے اس دور کو دیکھ کر اُن کی صحت کے خیال سے کچھ عرصہ کے لیے اپنے ساتھ مصر لے گئے ہوں۔ مگر قیاس اس وجہ سے درست نہیں کہ افرادِ خاندان کو اُصِیْب ان ہی سے تقویت تھی اور وہی سب کی اُمید گاہ تھیں ان سب کو بالخصوص علیؓ ابن الحسینؓ کو چھوڑ کر جنہیں وہ ایک لمحہ کے لیے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں مگر محض اپنی صحت کے لیے جانا قیاس صحیح نہیں۔ امام زین العابدینؓ کا سفر مصر بھی کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا اس لیے مصر میں جن زینبؓ کا مزار ہے وہ سیدۃ النساءؓ کی بیٹی کا نہیں یہ کوئی اور زینب ہوں گی۔“

صاحبِ طراز المذہب لکھتے ہیں ”انچہ صحیح می نماید ایں است کہ حضرت زینبؓ بعد از مراجعت بہ مدینہ طیبہ وفات کردہ است اور مدینہ مدفون شدہ است ہم کو اس خیال سے اتفاق نہیں اس لیے کہ بقول رازق الخیری صاحب ”مدینہ کے قبرستانوں کی فہرست میں زینبؓ بنت فاطمۃ الزہراؓ کا نام نہیں ہے۔“ جناب زینبؓ کی ہستی ایسی نہ تھی کہ آپ مدینہ میں مدفون ہوتیں اور آپ کا مرقد منور کا نام و نشان اور پتہ باقی نہ رہتا۔



ہمارے خیال میں وہی روایت جس میں بتایا گیا ہے کہ مدینہ میں قحط ہوا اور حضرت عبداللہ مع اپنے عیال کے شام آئے جناب زینبؓ بھی آپ کے ہمراہ تشریف لائیں اور حوالی دمشق میں ایک قریہ میں قیام فرمایا۔ وہاں علیل ہوئیں، انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئیں صبح ہے۔ اس وقت دمشق کے قریب ایک قریہ ہے جو زینبیہ کے نام سے موسوم ہے اور یہاں جناب زینبؓ کی قبر منور ہے۔ قبر پر شاندار گنبد تعمیر کی گئی ہے۔ زائرین کے ٹھہرنے کیلئے کمرے بنا دیے گئے ہیں۔ صحن وسیع ہے۔ روضہ باغ میں واقع ہے۔ یقیناً یہ وہی قریہ ہے جہاں جناب زینبؓ نے انتقال فرمایا جو آپ کے نام سے زینبیہ مشہور ہو گیا اور اصلی قبر منور وہی ہے جو اسی قریہ میں اب موجود ہے۔

جناب زینبؓ کی وفات کس سن میں ہوئی تواریخ سے پتہ نہیں چلتا۔ تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ۲۱ جمادی الثانی کو آپ نے رحلت فرمائی۔ چنانچہ بقول رازق النجری صاحب کے لکھنؤ اور آگرہ میں اسی تاریخ میں آپ کی برسی کی جاتی ہے۔ زمانہ مجالس ہوتی ہیں۔ بعض محققین کے بیان کے مطابق حیدرآباد دکن میں ۱۴ صفر تاریخ وفات قرار دی گئی ہے اور اسی روز مجالس عزاء برپا کی جاتی ہیں۔

۱۹۲۳ء میں راقم شام گیا تھا اور روضہ جناب زینبؓ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ روضہ اقدس شہر دمشق سے تقریباً پانچ یا چھ میل ایک قریہ میں ہے جو زینبیہ کہلاتا ہے۔ موٹر کے ذریعہ دمشق سے اس مقام تک پہنچنے میں تقریباً پون گھنٹہ سفر ہوا اس لیے کہ راستہ بہت خراب تھا۔ چونکہ سوائے اہل قریہ اور زواروں کے اور کوئی آتا جاتا نہیں۔ اس لیے حکومت راستہ کی درستی اور نگہداشت کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ اہل دمشق سے جن کی مرادیں آتی ہیں ندریں چڑھانے آتے ہیں۔

جو شیعہ ہیں وہ مجلس کرتے اور زیارت پڑھتے ہیں اور سنی نذر چڑھانے کے بعد روضہ کے باغ میں پنچت دہز کرتے، کھاتے پیتے اور گاتے بجاتے ہیں جو ہمارے خیال میں غیر مستحسن ہے اس سے شیعوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔

رازیق الحیری صاحب کتاب "سیدہ کی بیٹی" میں لکھتے ہیں کہ سیدہؓ ابھری ہیں ایک ہندوستانی سیاح دمشق گیا تھا وہ اپنے سفر نامہ زیارت الشام القدس میں لکھتا ہے کہ جنوبی جانب شہر کا وہ مشہور مقدس قبرستان ہے جو مقبرۃ الصغیر کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ اس مقبرہ میں قبہ کے اندر چند مزارات خاندان نبوت کے بھی واقع ہیں۔ خواہر سیدنا حسین شہید کربلا یعنی سیدتنا زینب بنت علیؓ اذ فاطمہ بنت علیؓ کے مزارات مشہور ہے کہ اس مقبرہ میں ہیں۔ اس سیاح کے بیان سے ہم کو اختلاف ہے۔ دمشق میں قبرستان باب الصغیر تو ہے لیکن اس میں جناب زینب علیہا السلام کا مزار نہیں ہے بلکہ جناب ام کلثومؓ اور جناب کینہؓ کے مزارات یہاں بتائے جاتے ہیں۔

رازیق الحیری صاحب نے دو اور سیاحوں کا ذکر کیا ہے جو زینبیہ جا کر زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک سید قاسم علی شاہ، دوسرے والی اصغر آباد۔ سید قاسم علی شاہ روضہ کے متعلق لکھتے ہیں :

”روضہ زینب دمشق سے چار میل کے فاصلہ پر ہے  
دو میل مٹرک پنچتہ اور دو میل کچی ہے۔ روضہ چھوٹے  
سے خوبصورت باغ میں ہے۔ روضہ کا صحن فراخ ہے  
اور سنگ مرمر کا ہے۔ اندر صحن میں ایک چھوٹا سا مربع  
حوض ہے۔ صحن کے شمالی کنارے پر زائرین کے رہنے  
کے حجرے ہیں۔ جنوب کی طرف روضہ کی عمارت ہے

برآمدہ سفید پتھر کا ہے۔ اندر روضہ کا کمرہ چھوٹا سا مگر  
 عالی شان ہے۔ دروازہ نفرتی ہے۔ کمرہ کا جنوبی  
 حصہ سیاہ رنگ کے پردہ سے علیحدہ کیا گیا ہے جو  
 زناں مسجد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قصبہ زینبیہ  
 کی آبادی ایک ہزار ہوگی۔ سب اہل سنت ہیں کوئی  
 شیعہ نہیں۔ مقبرہ بستی سے علیحدہ ایک باغ میں ہے۔  
 روضہ کا کلید بردار شتر برس کا معمر شیعہ سید ہے۔

کافی صحن ہے۔ روضہ کے مقابل جدید کمرے انگریزی  
 طرز کے تعمیر ہوئے ہیں جو کسی ہندوستانی نے تعمیر کرا دیے  
 ہیں۔ روضہ کے سنگی ستون کا ایک برآمدہ سر آغا خاں  
 کی والدہ نے تعمیر کرایا ہے۔ روضہ میں داخل ہوتے ہی  
 قبیلہ رخ مسجد ہے جس کا دروازہ صحن میں بھی ہے اس کے  
 برابر گلہ سٹہ اذان کا منارہ بھی ہے ان کے برابر ایک  
 چوکور روضہ ہے۔ وسط میں جناب زینب کی قبر  
 مبارک ہے۔ قبر مبارک پر صندوق چوبی ہے جس پر  
 قیمتی پارچے پڑے ہوئے ہیں۔ . . . . روضہ کا گنبد  
 آہنی چادروں کا ہے جس پر سبز روغن ہے۔ کلس  
 سونے کا ہے۔ یہ روضہ ترکی سلطنت کے عہد میں تعمیر ہوا۔

سید محمود حسن صاحب والی اصغر آباد اپنے سفرنامہ شمع زیارت میں لکھتے ہیں:-

”سننے ہیں کہ پہلے مسلمان یزیدی کی قبر پر پتھر پھینکتے تھے کسی  
 شخص نے یہ جگہ حکومت سے لے کر یہاں شیشہ سازی کا

کارخانہ بنایا ہے۔ اب وہاں بھیڑی ہے اور خاص اُس جگہ  
جہاں قبر ہے۔ روزانہ شیشہ پگھلا یا جاتا ہے اور شیشہ کے  
برتن بنتے ہیں۔“

جب ہم شام کے ٹوہم سے بھی یہی کہا گیا۔ ہم نے دمشق کے قبرستان باب  
الصغیر میں معاویہ ابن ابی سفیان کی قبر بھی دیکھی جو ایک تنگ و تاریک خستہ  
حال کمرہ میں ہے۔ اس کی چھت سفالی ہے۔ اس وقت کمرہ بالکل مفلک کر دیا گیا ہے  
کہا گیا ہے کہ چند سال قبل کمرہ کا دروازہ کھلا رہتا تھا لیکن لوگ اندر جا کر قبر پر پتھر  
مارتے اور تھوکتے تھے اس لیے اب بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ کواڑ میں سے چھانک  
کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قبر بھی اچھی حالت میں نہیں ہے۔ اس قبر کو دیکھ کر غربت  
ہوئی کہ وہ شخص جس نے دنیوی حکومت سلطنت اور دولت حاصل کرنے کے  
لیے دین کو برباد کیا۔ خوب دولت و زر و سیم جمع کیا مثل قیصر و کسریٰ کے زندگی بسر  
کی آج اس کی قبر کی یہ حالت ہے کہ ایک تنگ و تاریک کمرے میں کچرے کوڑکے  
سے بھری پڑی ہے۔

.....\*~\*~\*~\*~\*.....

# باب

## روایات متعلق سراقِ قدس حضرت امام حسین علیہ السلام

اس کتاب میں امام حسین علیہ السلام کے سراقِ قدس کے متعلق روایات بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن اوپر ہم نے لکھ دیا تھا کہ سراقِ قدس کے متعلق کہ بعد شہادت کہاں دفن ہوا علیحدہ باب میں بحث کریں گے۔ اس لیے اس باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

کتاب روضۃ المناظر میں مسطور ہے کہ سربارک حضرت سید الشہداء و سنان ابن انس نخعی علیہ العن نے جد کیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ شمر ملعون اس فعل کا مرتکب ہوا اور سراقِ قدس جہیم مطہر سے جدا کرنے کے بعد عمر بن سعد کے پاس لایا اُس شقی نے عبداللہ ابن زیاد والی کوفہ کے حوالے کیا اور اُس ملعون نے یزید ملیک کے پاس بھیج دیا۔ اب یزید کے پاس سے سراقِ قدس کہاں گیا۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔

(۱) بعض صاحبان اخبار کہتے ہیں کہ سربارک مدینہ لایا گیا اور جناب فاطمۃ الزہرا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ چنانچہ کافی اور تہذیب میں یہی لکھا ہے۔ یافعی کی بھی یہی روایت ہے۔ صاحب مناقب ابوالعلائی سے روایت کی نقل کی ہے کہ یزید نے سراقِ قدس مدینہ بھیجا اور عمر ابن سعید والی مدینہ کو حکم دیا کہ بقیع میں پہلوئے جناب فاطمۃ الزہرا میں دفن کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ابن نما اس روایت سے اتفاق کرتے ہیں۔

(۲) بعض کا قول ہے کہ دمشق میں باب الفرائس کے قریب سراقس دفن کیا گیا صاحب طراز الذہب روایت لکھتے ہیں کہ منصور ابن جہور ایک روز یزید کے خزانے میں داخل ہوا تو ایک جوہر سرخ جس پر چمڑا طرز ہوا تھا پایا اور اپنے غلام سے کہا کہ اس جوہر کی حفاظت کرے۔ اس کو خیال ہوا کہ اس میں کوئی قیمتی جوہر ہیں بعد جب جوہر کو کھولا گیا تو اس میں سراقس امام حسین پایا گیا جو ایسی حالت میں تھا کہ آپ کی ریش اقدس محض حالت میں سیاہ تھی منصور نے سر مبارک ایک کپڑے میں پیٹ کر باب الفرائس کے پاس کنارِ برج ثالث مشرق کی طرف دفن کر دیا۔

(۳) بعض مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ فلسطین کے شہر عسقلان میں سر مبارک دفن کیا گیا۔ چنانچہ اب بھی جو شیعہ فلسطین جاتے ہیں تو زیارت کے لیے عسقلان جاتے ہیں۔

(۴) بعض صاحبان اخبار خصوصاً اہل مصر اس امر پر زور دیتے اور اصرار کرتے ہیں کہ سر مبارک قاہرہ میں مدفون ہے۔ کہتے ہیں کہ جب مہر بن فاطمین کی حکومت قائم ہوئی تو ان کے ایک خلیفہ کے زمانہ میں عسقلان سے سر مبارک مصر لایا گیا اور قاہرہ میں دفن کیا گیا۔ الشیخ سید الشبلخی مصری اپنی تالیف "نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار" میں ایک پورا باب سراقس کے متعلق لکھا ہے اور مختلف روایات درج کی ہیں۔ چونکہ خود مصری ہیں اس لیے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سراقس قاہرہ پائے تخت مصر میں مدفون ہے۔ اس کی تائید میں حسب ذیل روایتیں درج کی ہیں :-

(الف) ایک گروہ کا خیال ہے کہ سراقس جو شہر بہ شہر گشت کر آیا جا رہا تھا عسقلان پہنچا اور وہاں دفن کیا گیا۔ الصالح طلائع وزیر نے ایک رقم کثیر ادا کر کے سر مبارک حاصل کیا اور بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ قاہرہ روانہ کیا جہاں محمد خان الجبیلی میں دفن کیا گیا اور یہ مقام "المشہد الحسینی" کے نام سے مشہور ہوا۔

(ب) شیخ علی الاجہوری رسالہ فضائل عاشوراء میں لکھتے ہیں کہ اہل تاریخ کا خیال ہے کہ سراقس حضرت سید الشہداء مہر میں مدفون ہے اور اہل الکشف کا بھی یہی خیال ہے۔

(ج) شیخ عبدالوہاب الشعرانی نے اپنی کتاب طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ سراقس بلاد مشرق میں دفن کیا گیا۔ جب اس کی اطلاع طلائع بن زریک وزیر کو ہوئی تو تیس ہزار دینار دے کر حاصل کیا اور مصر روانہ کیا اور قاہرہ میں دفن کر کے مشہدِ حسینی تعمیر کرایا۔ شعرانی کی کتاب "المنن" میں بھی یہی روایت درج ہے۔

(د) مقریزی کی کتاب "المحطوط" میں ہے کہ سراقس امام حسینؑ عسقلان سے قاہرہ لایا گیا۔ امیر سیف المملکہ اور قاضی الموت بن مسکین سربارک لائے اور روز یکشنبہ آٹھویں جمادی الآخر ۵۴۸ھ ہجری کو قاہرہ پہنچے اور تیرہویں جمادی الآخر کو سمر مطہر قہر شاہی (جو قمر زمر د کہلاتا تھا) کے سرداب میں رکھا گیا اور پھر یاب دہلیز میں قبۃ الدلیم کے پاس دفن کیا گیا۔ روایت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب سراقس مدفون عسقلان سے نکالا گیا تو خونِ تازہ تھا خشک نہ ہوا تھا اور شکے غنبر کی بو آ رہی تھی۔

(ه) ابن عبدالنظار کی روایت ہے کہ طلائع بن زریک وزیر المشہور بصلاح نے جب دیکھا کہ عسقلان پر اہل یورپ کا قبضہ ہو گیا ہے تو ان کو رقم کثیر ادا کر کے سراقس حضرت امام حسینؑ حاصل کر لیا اور قاہرہ روانہ کیا اور بابِ زویلہ کے باہر دفن کرنے اور اس پر گنبد تیار کرنے کا ارادہ کیا لیکن آلِ مقرر نے مزاحمت کی اور کہا کہ ہم اس کام کی تکمیل کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دفن کیا اور گنبد تعمیر کرایا یہ واقعہ الفائز باللہ کی خلافت کے زمانہ یعنی ۵۴۸ھ ہجری کا ہے۔

(۶) شیخ صدوق علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کہ سِرِ اقدس حضرت سید الشہداء ام شام میں یزید کے پاس پہنچنے کے بعد کیا ہوا۔ مورخین اور صاحبانِ مقاتل میں اختلاف ہے۔

(الف) ایک گروہ کہتا ہے کہ یزید پلید کے حکم سے سِرِ اقدس شہر بہ شہر گشت کرایا گیا یہاں تک کہ شہر عقلان پہنچا اور وہاں دفن کیا گیا۔ جب اس شہر پر نصرانیوں کا قبضہ ہوا تو صلاحِ زریک بن جو فاطمی خلیفہ کا وزیر تھا رقم کثیر ادا کر کے سِرِ مبارک حاصل کیا اور رشتی کیسہ میں رکھ کر مشک و عنبر سے معطر کیا اور پھر آنسو کی لکڑی کے صندوق میں رکھا اور بڑے انتظام اور اہتمام کے ساتھ مصر روانہ کیا۔ خود اس نے بھی تعظیماً چند منزل تک مشایعت کی۔ سِرِ مبارک قاہرہ پہنچا اور محمد خان خلیل میں دفن کیا گیا اور یہ مقام مشہد الحمین کے نام سے مشہور ہوا۔ قاضی الغاضل نے وزیر کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(ب) بعض لوگ مثلاً زبیر بن بکار اور علاء الہمدانی کہتے ہیں کہ سِرِ مبارک اہل بیت کے ساتھ مدینہ بھیج دیا گیا اور جناب فاطمۃ الزہراء اور امام حسن مجتبیٰ کے پہلو میں دفن ہوا۔ قرطبی بھی یہی لکھتا ہے۔

(ج) گروہ امامیہ کا خیال ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے چالیسویں دن یعنی روزِ اربعین سِرِ مبارک کو بلال لایا گیا اور جبرِ اقدس سے ملتی کر دیا گیا۔

(۶) ابواسحاق اسفراینی کتابِ نور العین میں لکھتے ہیں کہ اہل بیت سِرِ اقدس کو بلال لائے اور جبرِ مطہر سے ملتی کیا۔

(۷) بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ مرگِ یزید تک سِرِ مطہر اس کے پاس تھا اور اس کے جہنم واصل ہونے کے بعد سلیمان ابن عبد الملک کو اس کا علم ہوا اور اس نے سِرِ اقدس برآمد کرایا تو پایا کہ گوشت پوست باقی نہ تھا بلکہ استخوان سفید و



گئے تھے۔ اس نے غسل و کفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرادیا۔

(۸) یہ بھی روایت ہے کہ جب اہل بیت قید سے رہا ہوئے اور مدینہ روانہ ہونے لگے تو یزید کے حکم سے سوائے سر مبارک جناب امام حسین علیہ السلام کے باقی سب شہداء کے سر دمشق میں دفن کر دیے گئے۔ سر اقدس حضرت سید الشہداء دمشق سے باہر ایک مقام پر رکھا گیا جس کی شب و روز پچاس سوار حفاظت و حراست کرتے تھے۔ جب یزید مر گیا تو محافظین نے سر مبارک اس مقام سے لا کر خزانہ شاہی میں رکھوا دیا۔ کنز الانساب میں لکھا ہے کہ یزید کے محل کے ایک حصہ میں ایک طاقچہ مخصوص تھا جس میں سر اقدس امام حسین علیہ السلام رکھا جاتا تھا۔ دمشق میں مسجد اموی سے ملحق رواق میں ایک طاقچہ ہے کہا جاتا ہے کہ یہ وہی طاقچہ ہے جس میں یزید نے سر اقدس طشت طلا میں رکھا تھا۔ اس سے متصل ایک کمرہ ہے اور اس میں ایک قبر بنی ہوئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسی میں سر مبارک دفن ہے اور یہ مشہدِ راس الحسین کے نام سے اس وقت مشہور ہے دمشق کے قبرستان بزرگ میں ایک بہت بڑی قبر بنی ہوئی ہے جس پر گنبد بنا دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں اس میں چند شہداء کے سر دفن ہیں۔

(۹) نسخ التواریخ اور بعض دیگر کتب میں بھی روایت ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب سر اقدس کو فوسے شام لے جا رہے تھے تو ایک ہاشمی جوان نے اس کو چڑا لیا اور حیرہ لا کر جناب امیر علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا۔ ہمارے خیال میں یہ روایت موضوعہ، غیر صحیح اور ناقابل التفات ہے اس لیے کہ اشیقار نے دورانِ سفر میں سر اقدس کی اس قدر حفاظت کی تھی کہ سرقہ نامکن تھا اور پھر تواریخ اور مقاتل سے سر اقدس کا یزید کے پاس پہنچنا دوبارہ میں طشت طلا میں لایا جانا اور یزید پلید کا بے ادبی کرنا بالکل ثابت ہے۔

(۱۰) یہ بھی روایت ہے کہ جب عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سراقس کے متعلق تفحص کیا اور پتہ لگا کر کربلا پہنچے روانہ کیا اور جب مدینہ سے ملحق ہو کر آیا۔

(۱۱) صاحب روضۃ الشہداء کہتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام شہداء کے سر کربلا لائے اور دفن فرمایا۔

(۱۲) سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ سراقس جناب امام حسین علیہ السلام اہل بیت کے ہمراہ مدینہ آیا وہاں سے پھر کربلا پہنچ دیا گیا اور جب مدینہ سے ملحق ہو کر آیا گیا۔

(۱۳) ایک روایت ہے کہ سراقس مسجد رقبہ میں مدفون ہے اور واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ یزید نے جب سراقس دیکھا تو کہا کہ یہ سر آلِ معیط کے پاس عثمان بن عفان کے سر کے عوض بھیجوں گا۔ اس وقت آلِ معیط رقبہ میں آباد تھے چنانچہ سر مبارک ان لوگوں کے پاس بھیجا گیا اور انہوں نے ایک خانگی مکان میں اس کو دفن کیا اور بعد یہ مکان جامع مسجد رقبہ کا جز ہو گیا اور شہداء اس الحسین بھی مسجد میں داخل ہو گیا۔

(۱۴) اعثم کو فی اپنی تاریخ میں اور صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ جب امام زین العابدینؑ اور اہل بیتؑ طاہرین شام سے رہا ہو کر مدینہ روانہ ہوئے تو سراقس امام حسین علیہ السلام اور سر ہائے شہداء ساتھ لیے ہوئے بنیوں صفر کو کربلا پہنچے اور وہاں ان کو ابدان سے ملحق فرمایا اور پھر مدینہ روانہ ہوئے زکریا بن محمد قزوینی اپنی کتاب "آثار البلاد و اخبار العباد" میں اور ابو یحییٰ محمد ابن احمد البرونی کتاب "آثار الباقیہ بنی الامم الباقیہ" میں بھی یہی لکھتے ہیں کہ بنیوں صفر کو اہل بیتؑ کربلا پہنچے اور سراقس حضرت سید الشہداء جید

مطہر سے ملحق کیا۔

(۱۵) ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی رشتی اپنی کتاب تذکرۃ الائمہ میں لکھتے ہیں کہ بروایت یزید پلیدی نے سراقس اپنے خزانہ میں رکھا تھا ایک شب غائب ہو گیا حضرت جبرئیل لے گئے۔

(۱۶) صاحب ریاض الشہادۃ کا بیان ہے سلیمان بن عبد الملک کے زمانہ تک سراقس شاہی خزانہ میں تھا اُس نے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا اور خفیہ طور پر سراقس کو بلا بھیج کر عبد مطہر سے ملحق کرادیا۔

(۱۷) ایک یہ روایت بھی ہے کہ سر مبارک مسجد حنّانہ (جو کوفہ سے قریبی) میں دفن ہے لیکن علماء اس کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ کربلا سے کوفہ لاتے وقت اشقیار نے کچھ دیر کے لیے سراقس یہاں رکھا تھا۔

صاحب "طراز المذہب" مختلف روایات بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

سبیل سکیۃ حیدر بالطف آباد

”راقم الحروف جملہ این اخبار یہاں خبر کہ جبرئیل آں مطہر را  
برویشتر عنایت دارد و البتہ جبرئیل بردہ است و  
بدست تیار می حضرت سجادؑ بابدن مبارک مدفون شدہ  
و در این نبش قبر نیز لازم نیاید چہ ممکن است کہ از فراز  
قبر مبارک حفرہ کردہ سر مبارک را مدفون و ملحق دادند  
و ازین برافزون افعال ائمہ و ابدان مطہرہ ایشان  
را باندیکر قیاس نتوان کرد و بیچ زبان نذر د کہ وہاں  
وقت کہ بدن مبارک مدفون کردہ اند سر نیز بابدن  
لودہ و آن سر کہ مشہود بر نیزہ منصوب شدہ برائے

جہت مراعات ظاہر و حفظ پارہ مسائل باشد  
 و اگر کرامت و معجزہ محسوس شدہ است بچہمت  
 نسبت آنحضرت است چہ اگر صد ہزار سر را در  
 صد ہزار موضع بر سر نیزہ نصب نمایند و با آنحضرت  
 منسوب دارند با ہزار مکان را بمدفن مبارکش  
 نسبت دہند نظر بمقامات ولایت و امامت از  
 ہمہ جا بزور معجزہ و کرامت می شود“

متعدد اور مختلف روایات کی موجودگی میں سہرا قدس کے متعلق قطعی فیصلہ  
 کرنا کہ کہاں مدفون ہوا مشکل ہے۔ مختلف روایتوں پر غور کرنے کے بعد ہم کو تو  
 دو روایتیں صحت کے قریب اور قرین قیاس و عقل نظر آتی ہیں۔ ایک یہ کہ  
 جب یزید نے اہل بیت علیہم السلام کو مارا کر دیا تو سہرا قدس حضرت سید الشہداء  
 علیہ السلام جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے حوالہ کیا اور آپ مدینہ  
 جاتے ہوئے کربلا آئے اور سہرا مبارک دفن فرما دیا۔ اور جیسا کہ صاحب  
 طراز المذہب کا خیال ہے نبش قبر بھی نہیں کیا گیا بلکہ قبر کے سرہانے علیحدہ  
 دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسری روایت جو صحت کے قریب معلوم ہوتی  
 ہے وہ عسقلان سے قاہرہ کو سہرا قدس لائے جانے کی ہے۔ کیونکہ بعض تواریخ  
 میں ہے کہ یزید پلید نے سہرا قدس اہل بیت کو دینے سے انکار کیا بلکہ اس کی  
 شہرہ شہر تشہیر کرائی اور سہرا مقدس عسقلان پہنچا تو ممکن ہے عسقلان میں دفن کر دیا  
 گیا ہو اور فاطمیہ خلیفہ الفاتر کے زمانہ میں قاہرہ لایا گیا اور وہاں دفن کر دیا گیا  
 ہم کو صاحب طراز المذہب کی اس رائے سے بھی اتفاق ہے کہ ائمہ اور  
 انبیاء کے معاملات کو مثل معمولی بہا و شہا انسانوں کے معاملات کے تصور نہ کرنا

چاہیے جیسا کہ صاحب موصوف نے بیان کیا۔ یہ ممکن ہے کہ سرِ اقدس بقوتِ اعجازِ جسمِ اقدس سے ملحق ہو گیا ہو اور اشقیاء کے پاس جو سر رہا اور ہر جگہ گشت وغیرہ کرایا گیا وہ اس کی شبیہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

- ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ -

جناب زینب سلام اللہ علیہا کے حالات و واقعاتِ زندگی ختم کرنے کے بعد ہم آپ کی زیارتِ ترجمہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ یہ زیارتِ روضہ منور میں خوش خطِ لکھ کر آویزاں کر دی گئی ہے اور زائرین پڑھتے ہیں۔ اس زیارت سے جناب صدیقۃ الصغریٰ کے صفاتِ عالیہ اور کمالاتِ ذاتیہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ زیارت کیا ہے اچھا خاصا مرثیہ ہے۔



# زِیَارَتِ حَضْرَتِ زَیْنَبِ سَلَامُ اللہِ عَلَیْہَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ

سلام ہو آپ پر اے رسول اللہ کی بیٹی۔ سلام ہو آپ پر

یَا بِنْتَ نَبِیِّ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بِنْتَ مُحَمَّدٍ

اے اللہ کے نبی کی بیٹی۔ سلام ہو آپ پر اے محمد

اَلْمُصْطَفٰی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بِنْتَ سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَ

مصطفیٰ کی بیٹی۔ سلام ہو آپ پر اے سردارِ انبیاء اور

اَلْمُرْسَلِیْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بِنْتَ وَلِیِّ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ

مرسلین کی بیٹی۔ سلام ہو آپ پر اے ولی اللہ کی بیٹی۔ سلام ہو

عَلَیْكَ یَا بِنْتَ عَلِیِّ بْنِ اَلْمُرْتَضٰی سَیِّدِ الْاَوْصِیاءِ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ

آپ پر اے علی مرتضیٰ کی بیٹی جو اوصیاء اور صدیقین کے سردار ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بِنْتَ فَاطِمَةَ الزَّهْرٰءِ سَیِّدَةِ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ۔

سلام ہو آپ پر اے بیٹی فاطمہ الزہراء کی جو تمام جہاں کی عورتوں کی سردار ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اُخْتَ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ سَیِّدَتِیْ شَبَابِ اَهْلِ

سلام ہو آپ پر اے حسن و حسین کی بہن جو تمام نوجوانانِ جنت کے سردار

اَلْجَنَّةِ اَجْمَعِیْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیَّتُہَا السَّیِّدَةُ الزَّکِیَّةُ

ہیں۔ سلام ہو آپ پر اے پاک سیدہ

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الدَّاعِيَةُ الْحَقِيَّةُ - السَّلَامُ عَلَيْكَ

سلام ہو آپ پر اے خدا کی طرف سے بہترین دعوت کرنوالی۔ سلام ہو آپ پر  
أَيَّتُهَا التَّقِيَّةُ النَّقِيَّةُ - السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الرُّضِيَّةُ الْمُرَضِيَّةُ

اے پرہیزگار و پاک خاتون۔ سلام ہو آپ پر اے وہ بی بی جو خدا سے خوش رہی اور جن سے خدا  
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الْعَالِمَةُ الْغَيْرُ الْمُعَلَّمَةُ - السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا

خوش ہے سلام ہو آپ پر اے عالمین کو سوا خدا کے کسی اور تعلیم نہیں دی۔ سلام ہو آپ پر اے  
الْفَهِيْمَةُ الْغَيْرُ الْمُفَهَّمَةُ - السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الْمَظْلُومَةُ

فہیمین کو سوائے خدا کے اور کسی نے فہم نہیں بخشی۔ سلام ہو آپ پر اے مظلومہ۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الْمُهُومَةُ - السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا

سلام ہو آپ پر اے وہ جو مبتلائے رنج و غم رہی۔ سلام ہو آپ پر اے

الْمُعْجُومَةُ - السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الْمَأْسُورَةُ - السَّلَامُ

مغومہ۔۔۔ سلام ہو آپ پر اے وہ جو قید کی گئیں۔ سلام ہو

عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الصِّدِّيقَةُ الصَّغْرَى - السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا

آپ پر اے صدیقہ صغریٰ۔۔۔۔۔ سلام ہو آپ پر اے وہ

الصَّاحِبَةُ الْمُصِيبَةِ الْعُظْمَى - السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا زَيْنَبُ

جنہوں نے عظیم مصائب اٹھائیں۔ سلام ہو آپ پر اے زینب

الْكُبْرَى - السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَصْمَةَ الصَّغْرَى - أَشْهَدُ

کبریٰ۔۔۔ سلام ہو آپ پر اے عصمت صغریٰ۔ میں گواہی دیتا ہوں

أَنَّكَ كُنْتِ صَابِرَةً شَاكِرَةً مُجَلَّلَةً مُعَظَّمَةً مُكْرَّمَةً مُحَدَّرَةً

کہ آپ صابرہ، شاکرہ، مجللہ (صاحبِ جلالت)، معظمہ، مکرمہ (صاحبِ عصمت و

مَوْقِرَةً فِي جَمِيعِ حَالَاتِكَ مُنْقَلَبَاتِكَ مُصِيبَاتِكَ وَكَلِيَّاتِكَ  
 وقار ثابت ہوئیں جمیع حالات ، انقلابات ، مصائب اور بلاؤں

وَأُمْتَحَانَاتِكَ حَتَّى فِي أَشَدِّهَا وَأَمَرِّهَا وَهِيَ وَاللَّهُ وَتَوَفِّكَ  
 اور امتحانوں میں خصوصاً اس سخت ترین وقت اور تلخ ترین موقع پر جبکہ آپ کے

فِي هَذَا الْمَكَانِ وَأَخْوَكِ الْعُطْشَانِ مَضْرُوعٌ فِي عَمَقِ  
 بھائی پیاسے اور تلوار اور نیزوں کے زخموں سے پورچور

الْحَايِرِينَ كَثُرَتْ جَرَاحَاتِ السَّيْفِ وَالسِّنَانِ وَ  
 حارے گڑھے میں پڑے ہوئے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور

الشَّيْخُ رَجَا لِسُنِّ عَلَى صَلَاحِهِ وَأَحْزَنَاهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْكَ يَا  
 شہر (ملعون) آپ کے سینہ مبارک پر بیٹھا تھا۔ افسوس آپ کے بھائی پر

بِنْتَ الزَّهْرَاءُ وَبِنْتَ خَدِيجَةَ الْكُبْرَى - أَشْهَدُ أَنَّكَ  
 اور آپ پر لے زہرا کی بیٹی ، (لے) خدیجہ الکبریٰ کی بیٹی - میں گواہی دیتا ہوں

قَدْ نَصَحْتَ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَلِفَاطِمَةَ  
 کہ آپ نے اللہ، اس کے رسول، امیر المومنین، فاطمہ (الزہرا)

وَالْحُسَيْنَ وَالْحُسَيْنَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَنَصَرْتَهُمْ لِقَائِكَ وَ  
 اور حسن و حسین کی خیر خواہی کی اور ان کی مدد فرمائی اپنے دل سے اور

لِسَانِكَ وَجَاهَدْتَ فِي اللَّهِ بِلِسَانِكَ حَقَّ جِهَادِهِ  
 اپنی زبان سے اور خدا کی راہ میں جہاد فرمایا اپنی زبان سے

فَنِعْمَةُ الْأَخْتِ أَنْتَ لِلْحُسَيْنِ وَنِعْمَ الْأَخْلَاقُ الْبُورُ  
 جیسا کہ جہاد کرنا چاہیے تھا۔ آپ حسین کی کتنی اچھی بہن ثابت ہوئیں اور ابو عبد اللہ



عَبْدِ اللَّهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْكَمَا وَعَلَى مَنْ  
(الحسین) آپ کے کتے اچھے بھائی ہیں۔ خدا کی صلوات (درود) اور سلام ہو آپ

أَحَبَّكُمَا وَلَعَنَّ اللَّهُ أُمَّتَهُ سَلَبَتْ قَنَا عَلَى  
دولوں پر اور اس شخص پر بھی جس نے آپ دونوں کو دوست رکھا اور مدد کی اور

وَضَرَبَتْ كَعَابَ الرِّمَاحِ عَلَى أَعْضَائِكَ وَحَرَقَتْ  
خدا کی لعنت ہو اس قوم پر جس نے آپ کی چادر چھینی اور بھالوں (نیزوں) آپ کے اعضاء پر

خِيَامَكَ وَأَسْرَتْ عِيَالَكَ أَمْ سَمِعْتَ بِذَلِكَ فَرَضَيْتَ  
مارا اور آپ کے غیمے جلائے اور آپ کے عیال کو قید کیا یا ان سب اوقات کو سن کر اظہارِ حزن و

بِهِ وَلَمْ تَحْزَنْ - يَا سَيِّدِي وَمَوْلَايَ أَنَا زَائِرٌ وَأَخِيكَ  
مدال نہیں کیا بلکہ ان پر راضی اور خوش ہوئے۔ اے میری سیدہ، میری مولا میں آپ کے بھائی

الْحُسَيْنِ وَزَائِرُكَ وَفُجِّبَكُمَا وَمُعِينُكُمَا فَاشْفَعُوا لِي وَإِلَابَائِي  
حسین کا زائر ہوں۔ اور آپ کا بھی زائر اور محب و معین ہوں۔ پس سب میری شفاعت فرمائیں

وَأُمَّهَاتِي وَأَجْدَادِي وَأَسْأَلُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ بِحَقِّكَ وَ  
اور میرے آباء و اجداد کی، میری ماؤں کی۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں آپ کے حق کا

بِحَقِّ جَدِّكَ وَأَبِيكَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَأُمِّكَ  
آپ کے نانا، آپ کے والد امیر المؤمنین علیہما السلام ..... اور آپ کی والدہ

فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَأَخِيكَ الْحُسَيْنَ وَالْحُسَيْنِ  
ماجدہ فاطمہ الزہرا علیہا السلام اور آپ بھائیوں حسن و حسین علیہما السلام

عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ بَيْتِ النَّبَوَةِ وَ  
کے حقوق کا واسطہ دے کر۔ میرا سلام ہو آپ سب پر اے اہل بیتِ نبوت اور

مُخْتَلِفِ الْمَلَائِكَةِ وَمَهْبِطِ الْوَحْيِ وَالتَّنْزِيلِ جَمِيعًا  
جن کے پاس ملائکہ آتے جاتے تھے۔ جن کے گھر میں وحی آتی تھی اور قرآن نازل ہوتا

رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ط

تھا اور خدا کی رحمت اور برکات تم پر نازل ہو۔



